

قدیم و جدید افغانستان کے

دوسفرنامے

PROPERTY OF
ACKU
33778

باتصویر

ایک ہر مجبٹی نازی محمد نادر شاہ تاجدار افغانستان کا
دوسرا مصوٰفطرت حضرت خواجہ حسن نظامی ہلوی کا

جس میں کابل بغنی۔ قندھار۔ ہرات چشت۔ بلخ۔ میزار شریف وغیرہ مشہور مقامات کے حالات اور
تصویریں اور نقشے درج کئے گئے ہیں اور یونانی اور ہندو اور اسلامی حکومتوں کے زمانہ کی عمارتوں کی
تصاویر اور تاریخی سرگزشت بھی ہے

اکتوبر ۱۹۳۳ء میں

سید ابن عربی کا رکن حلقہ مشائخ بابا دپوہلی نے شایع کیا
خواجہ جتئی پرنس جامع مجبڈہلی میں چھاپا

قیمت پانچ روپیہ کددار



چار ملکوں کی سر

۱۹۱۱ء میں مصوٰفِ فطرت حضرت مولینا خواجہ حسن نظامی صاحب نے مصر اور فلسطین اور شام اور حجاز کا سفر کیا تھا۔ اور اپنے مخصوص انداز میں ان چاروں ملکوں کے حالات سفر لکھے تھے اور جس کی نسبت عام طور پر یہ کہا جاتا تھا کہ وہ اپنی طرز کا سب سے پہلا سفر نامہ بھی ہے اور سب سے آخری سفر نامہ بھی ہے۔ کیونکہ جس طرز خاص سے یہ سفر نامہ لکھا گیا تھا وہ طرز کوئی اور سیاح اختیار نہیں کر سکتا۔ اور چونکہ اس وقت یہ امید نہیں تھی کہ حضرت خواجہ صاحب کسی اور ملک کا سفر بھی کریں گے اس واسطے اس کو آخری سفر نامہ کہا گیا تھا۔ مگر افغانستان کے سفر نامہ کے بعد اس سفر نامہ کو آخری سفر نامہ نہیں کہہ سکتے تاہم دو صفحہ کی یہ باتصویر کتاب نہایت ہی دلچسپ چیز ہے اور اردو لٹریچر میں ایک خاص پایہ اور ایک خاص درجہ رکھتی ہے۔

قیمت باتصویر دو روپے آٹھ آنے

ملنے کا پتہ لاہور۔ کارکن حلقہ مشائخ بُک ڈپو۔ دہلی



فہرست مضامین

سفر نامہ افغانستان

————— ❦ —————

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۱۱	علی مسجد	۱۰	۱۱	اباج د	۱
۱۱	درہ فیبر	۱۱	۱۱	ہوزج	۲
۱۲	لنڈی کوتل	۱۲	۱	سفر افغانستان کی ابتدا	۳
۱۲	لنڈی خانہ	۱۳	۴	دہلی سے پشاور تک	۴
۱۳	ڈکھ	۱۴	۹	پشاور سے روانگی	۵
۱۴	سوٹر کی قلا بازی	۱۵	۱۰	غزنوی میدان جنگ	۶
۱۵	جلال آباد	۱۶	۱۰	تھانہ ہری سنگھ	۷
۱۵	نملہ	۱۷	۱۱	جمرو د کا قلعہ	۸
۱۶	تاڑ سے بڑے سرو	۱۸	۱۱	قلعہ شہب گئی	۹
۱۷	خاک جبار کی چڑھائی	۱۹	۱۱	سردی مورچے	۱۰



نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۲۰	بت خاک	۱۷	۳۸	امیر بخارا سے ملاقات	۳۴
۲۱	کابل کی حدود	۱۷	۳۹	سفارت خانہ برطانی	۳۷
۲۲	قلعہ بالا حصار	۱۷	۴۰	مطبع عمومی	۳۹
۲۳	مولانا سیف الرحمن	۲۰	۴۱	انجمن ادبی	۳۹
۲۴	سترے ماشے	۲۱	۴۲	شور بازار	۴۰
۲۵	افغانستان کی پہلی مسجد	۲۳	۴۳	دیوان نرنجن داس	۴۳
۲۶	رسول اللہ ﷺ نے پشتو	۲۳	۴۴	مکتبہ حربیہ	۴۴
	میں بات کی		۴۵	جمعہ کی نماز	۴۴
۲۷	باغی قیدی	۲۵	۴۶	غزنی کا راستہ	۴۹
۲۸	دارالامان کی سیر	۲۵	۴۷	غزنی	۵۵
۲۹	دوبو	۲۶	۴۸	غزنی کے دروازہ کا پہلا	۵۶
۳۰	بادشاہ میں کینہ نہیں ہے	۲۸		ملاقاتی	
۳۱	مزار شہنشاہ بابر	۲۸	۴۹	قدیمی غزنی کے ٹیلے	۵۹
۳۲	مقبرہ امیر عبدالرحمن خاں	۳۱	۵۰	سلطان محمود کا مقبرہ	۶۱
۳۳	جرمنی فرانسیسی اسکول	۳۱	۵۱	شیر محمد خاں	۶۵
۳۴	جیبہ اسکول	۳۱	۵۲	مقبرہ سلطان سبکتگین	۶۶
۳۵	کارخانہ مہینار سازی	۳۳	۵۳	مزار حضرت بہلول دانا راض	۶۷
۳۶	کارخانہ پشمینہ بانی	۳۳	۵۴	مزار حضرت حبیب سنائی	۶۷
۳۷	ہکسال	۳۴	۵۵	مزار علی لالہ	۶۷

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۵۶	راستہ کی منزلیں	۷۶	۱۲۸	خوست اور فرنگ	۱۲۸
۵۷	قلات کی صبح	۸۰	۱۳۲	غوری	۱۳۲
۵۸	قندھار	۸۱	۱۳۶	قندوس	۱۳۶
۵۹	چہل زمینہ	۸۲	۱۳۹	تالقان	۱۳۹
۶۰	غازی احمد شاہ کا مزار	۸۶	۱۴۶	بدخشاں	۱۴۶
۶۱	خرقہ شریف	۸۸	۱۵۳	فیض آباد	۱۵۳
۶۲	مزار بابا ولی رضا	۸۸	۱۶۴	منجبان	۱۶۴
۶۳	ہرات کی منزلیں	۹۱	۱۶۶	سیباک	۱۶۶
۶۴	ریگ سُرَخ	۹۳	۱۶۹	اشکاشم	۱۶۹
۶۵	قلعہ حبید	۹۳	۱۷۰	واخان پامیرات	۱۷۰
۶۶	چمن	۹۴	۱۷۴	پامیر خورد	۱۷۴
۶۷	مُلْتان	۱۰۲	۱۷۷	پیمان چلیغ خیمیر	۱۷۷
۶۸	لاہور	۱۰۵	۱۷۸	چند عجیب و غریب چٹھے	۱۷۸
۶۹	دھلی	۱۰۷	۱۷۹	روسی، انگریزی، چینی، افغانی سرحدوں کا سنگم	۱۷۹
۷۰	معلومات بلاد افغانستان	از ۱۰۹ تا ۱۱۲	۱۸۳	شغنان	۱۸۳
۷۱	غازی نادر شاہ کا سفر نامہ	۱۱۳	۱۸۵	عمد شاخ درہ بارکنڈ	۱۸۵
۷۲	قدغن اور بدخشاں	۱۱۴	۱۹۰	درواز	۱۹۰
۷۳	خان آباد	۱۱۹	۱۹۲	ایک عجیب و غریب چراغ	۱۹۲

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۹۲	دشت شیوہ	۱۹۵	۹۹	اشخاص حکومت	۲۵۲
۹۳	جنگی قلعہ	۲۰۰		-----	۲۶۰ تا
۹۴	کاکل	۲۰۱	۱۰۰	افغانستان میں یورپین	۲۶۰
۹۵	لعل بدخشاں	۲۰۶	۱۰۱	کابل کے شعرا اور امیر	۲۶۱
۹۶	افغانستان میں	۲۰۸	۱۰۲	ماہرین علوم و فنون	۲۶۱
	ہندوستانی حکومت		۱۰۳	اراکین انجمن ادبی	۲۶۲
۹۷	چشت اور ہرات	۲۰۹	۱۰۴	افغانستان کے	۲۶۳
	کے مزارات	۲۵۱		اخبار نویس	
۹۸	نادر شاہی افغانستان	۲۵۲	۱۰۵	افغانستان کے	پوچھیں
	کی دلچسپ معلومات			نقشے	عدد

فہرست تصانیف سفر نامہ

- | | | |
|---|--|---|
| <p>(۱) بچہ سقہ کی شاہانہ تقریر۔
 (۲) بچہ سقہ کی گرفتاری۔
 (۳) جشن غازی محمد نادر شاہ۔
 (۴) فوجی باغی۔
 (۵) ہرات کا منارہ۔
 (۶) ہرات کی مسجد۔
 (۷) قندھار کی پرانی عمارت۔
 (۸) دروازہ قلعہ غزنی۔
 (۹) وزیر صاحب حربی۔
 (۱۰) افسران فوج۔
 (۱۱) وزیر حربی و اکابر قوم۔
 (۱۲) ایک پڑانا بت۔
 (۱۳) شاہ ولی خان۔
 (۱۴) مینار قدیم کا ایک حصہ۔
 (۱۵) وزیر خراج کی تقریر۔</p> | <p>(۱۶) ایک قدیمی یادگار۔
 (۱۷) وزیر حربی و افسران فوج۔
 (۱۸) گورنر قندھار۔
 (۱۹) ایک قومی مجمع۔
 (۲۰) ایک اسکول۔
 (۲۱) نادر شاہ کی تقریر۔
 (۲۲) چار باغ ہرات۔
 (۲۳) نادر سی تیم خانہ۔
 (۲۴) عید کی نماز۔
 (۲۵) مزار بابا ولی رضہ۔
 (۲۶) مزار حضرت علیؑ۔
 (۲۷) خرقہ شریف قندھار۔
 (۲۸) نوجوان افغان۔
 (۲۹) بچہ سقہ گرفتاری کے بعد۔</p> | <p>(۳۰) افغان مجاہدین۔
 (۳۱) سردار علی احمد خان اور مجاہدین۔
 (۳۲) کابل میں فاتحانہ داخلہ۔
 (۳۳) بچہ سقہ اپنے افسران کے ساتھ۔
 (۳۴) بت بامیان۔
 (۳۵) بدھ مذہب کی پرانی عمارت۔
 (۳۶) کافرستان کے قدیمی بت۔
 (۳۷) ہندو زمانہ کے آثار۔
 (۳۸) ہرات میں ہندو یادگار۔
 (۳۹) شاہجہانی مسجد کی جواب۔
 (۴۰) قلعہ غزنی کا بیرونی منظر۔
 (۴۱) لوح مزار حکیم عالمگیر ثانی۔
 (۴۲) لوح مزار شہنشاہ بابر۔
 (۴۳) خواجہ حسن نظامی۔
 (۴۴) مستری حبیب خاں نظامی۔</p> |
|---|--|---|

اعلیٰ حضرت غازی محمد نادر شاہ تاجدار افغانستان



این عکس بر روی شتر بار چا پونی را میبندد و بعد از آن که
بهنگام پنجم - لکامه در می



دیباچہ سفرنامہ افغانستان

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

خارجہ کو یہاں تک کہ خود اعلیٰ حضرت کے دفتر شاہی کو متعدد خطوط لکھے اور تاج بھی دئے۔ غالباً سیاسی وجوہات حائل ہوں گی اور تصویروں کو دیکھا جا رہا ہو گا کہ کون کونسی تصویریں ہندوستان میں شائع کرنے کے قابل ہیں اور کونسی ایسی تصویریں ہیں جن کی اشاعت مناسب نہیں ہے چنانچہ ایک سال کے بعد جب بلاک بکرا آئے تب میں نے اس میر کی وجہ کو سمجھا کہ تقریباً ایک سو تصویریں بلاک بننے کو دی تھیں مگر صرف سیتئیں بلاک وصول ہوئے اور باقی تصویریں سمندر نے منظور نہیں کیں۔ مگر یہ سب میر قیاس ہے۔ کیونکہ مطبع سے یا حکومت اس معاملہ میں

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ اُس نے اس سفرنامہ کو شائع کرنے کی توفیق دی جس کا انتظار تمام ہندوستان میں ہو رہا تھا اور سینکڑوں خطوط اور تذاتر شائع کے آرہے تھے کہ افغانستان کا سفرنامہ اب تک کیوں شائع نہیں ہوا۔ اور میں اپنے ہفتہ وار اخبار روزنامہ میں معذرت شائع کرتا رہتا تھا کہ جو تصویریں بل میں حاصل کی تھیں اُن کے بلاک بنوانے کا آرڈر مطبع عمومی کابل کو دیا تھا کیونکہ میں نے دیکھا تھا کہ اُس مطبع میں بہت اچھا کام ہوتا ہے مگر معلوم نہیں کیا اسباب پیش آئے کہ تصویروں کے بلاک ایک سال تک نہیں آئے میں نے مطبع کو اور وزارت

مجھے کوئی تحریری اطلاع نہیں ملی۔

جو تصویریں میں نے خود تیار کیں ان میں سے بعض کابل کے فوٹو گرافر سے دھلو کر مطبع عمومی کابل میں دی گئیں اور بعض میرے ساتھ ہندوستان آگئیں جن کو یہاں میں نے دھلویا اور بلاک بولے۔ افسوس ہے کہ سلطان محمود غزنوی کے مزار کی جتنی تصویریں میں نے لی تھیں ان میں سے ایک بھی صاف نہیں آئی۔ چونکہ گنبد میں روشنی اچھی نہیں تھی غالباً اس وجہ سے تصویریں صاف نہیں آئیں۔

کتابیں گم ہو گئیں | یہ تو ناظرین کو معلوم ہے کہ معلومات کی جتنی کتابیں افغانستان سے میں لایا تھا ان کی تعداد سو سے زیادہ تھی۔ اور کابل سے یہاں تک لانے میں مجھ کو بڑی شواہد کا سامنا ہوا تھا کیونکہ میں کابل سے غزنی گیا اور غزنی سے مقرر کیا اور مقرر سے قلات اور قلات سے قندھار اور قندھار سے چمن چمن سے کوٹہ اور کوٹہ سے ملتان اور ملتان سے دہلی اس تمام راستے میں مذکور کتابوں کی کئی کئی گھڑی میرے ساتھ رہتی تھی اور جیسی وقت ان کتابوں کو موٹریں اور ریل میں چڑھانے آتا رہتا میں ہوتی تھی میرا ہی دل جانتا ہے۔ مگر دہلی اسٹیشن پر استقبال کرنے والوں کے ہجوم میں اس قیمتی گھڑی کا خیال جاتا رہا۔ یا تو ریل میں رہ گئی اور یا قلیوں کے ہاتھ آئی۔ بہر حال وہ گم ہو گئی۔ اور میں نے سفرنامہ میں جہاں جہاں وسیع معلومات درج کرنے کا وعدہ کیا تھا اس کا پورا کرنا ناممکن ہو گیا اور یہی وجہ

ہے کہ اس سفرنامہ میں محض میزاور ناچہ شائع ہوئے اور کوئی موعودہ معلومات نہیں ہے۔

غازی محمد نادر شاہ کا سفرنامہ | البتہ ایک نایاب

چیز اس سفرنامہ میں بڑھ گئی ہے جو افغانستان کے متعلق معلومات کا ایک بے مثل خزانہ ہے اور وہ خود غازی نادر شاہ کا لکھا ہوا ہے جبکہ وہ افغانستان کے سپہ سالار تھے۔ یہ سفرنامہ پڑھنے کے بعد میرے سفرنامہ کے بہت سے عیب چھپ جائینگے۔ ورنہ میرا لکھا ہوا سفرنامہ ہرگز اس قابل نہ تھا کہ اس کو شائع کیا جاتا۔

رسالہ کابل کا سالنامہ | اگست ۱۳۳۷ء کے اخیر

رسالہ کابل کا سالنامہ موصول ہوا جس میں تین سو عکسی تصویریں ہیں اور ایسی معلومات ہے کہ اردو زبان کے کسی رسالہ کے سالنامہ میں اتنی خوبیاں نہیں ہوتیں۔ اس سالنامہ کی معلومات عامہ فائدہ اٹھا کر میں نے آخر میں ایک ضمیمہ لگا دیا ہے جس سے تھوڑی بہت ترقی میرے سفرنامہ کی معلومات میں بھی ہو جائے گی۔

ہرات کے مزارات | میں نے افغانستان کی کتاب

”مزارات ہرات“ کا اقتباس بھی اس سفرنامہ میں شریک کر دیا ہے کیونکہ میرے مقاصد سفر میں یہ مقصد بھی بہت اہم تھا کہ میں افغانستان کے اولیاء اللہ کے مزارات کی زیارت سے مشرف ہوں۔ اگرچہ مزارات کی کیفیت ایسی نہیں ہے جس سے ناظرین کی معلومات کو پورا فائدہ ہو سکے تاہم یہ اضافہ سفرنامہ کی دلچسپی بڑھانے کا موجب ہو گا۔

یہ مختصر دیباچہ لکھنے کے بعد اب مجھے افغانستان کی سہا یا اور افغانی سرحد کے مسلمان قبائل اور ہندوستان کے سب ہندو مسلمان سکھ بھائیوں سے ایک ضروری بات کہنی ہے کیونکہ اتفاق سے یہ سفر نامہ ایسے وقت میں شائع ہو رہا ہے جبکہ مجھے یہ گزارش افغانستان کے فائدہ کے لئے اور مسلمانوں اور ہندوستانی اقوام کے فائدہ کے لئے بہت ضروری معلوم ہوتی ہے۔

سرخدی شورش

مذکورہ ملکوں اور قوموں سے جو کچھ مجھے کہنا ہے اس کے لکھنے کے قبل میں ان حالات کو لکھنا ضروری سمجھتا ہوں جن سے متاثر ہو کر اس گزارش کی ضرورت پیش آئی ہے۔

پہلے تو یہ بات لکھنی ہے کہ اس سال کے شروع سے افغانستان کی موجودہ حکومت کے خلاف آزاد قبائل میں شورش ہو رہی ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ غازی امان اللہ خاں صاحب کے کوئی عزیز اس شورش کے بانی ہیں۔ اور دوسری بات یہ لکھنی ہے کہ غازی نادر شاہ کے بڑے بھائی کو برلن جرمنی میں ایک مسلمان نے یہ کہہ کر شہید کر دیا کہ نادر شاہ کی حکومت انگریزوں کی دوست ہے۔ اور تیسری بات یہ کہنی ہے کہ انگریزی فوجوں نے امن قائم رکھنے کے لئے ان اشخاص کو سرحدی قبائل سے مانگا جو شورش کا باعث بنے ہوئے ہیں اور قبائل نے ان کے دینے سے انکار کیا اور جب انگریزوں نے افغانستان اور سرحد افغانستان کا امن قائم رکھنے کے لئے ان اشخاص کو حاصل کرنے کی کوشش کی اور یہی

وجہ سے بمباری ہوئی تو ہندوستان کے مسلمانوں نے اس مداخلت کے خلاف جلسے کرنے شروع کر دیے۔

وہ اشخاص اب تک انگریزوں کے ہاتھ نہیں آئے ہیں اور جب تک وہ آزاد قبائل میں موجود ہیں شورش بڑھتی رہے گی اور افغانستان کی مسلمان حکومت کو اطمینان بہت کم نہیں آئے گا جن انجمنوں اور معزز و مقتدر اشخاص نے بمباری اور انگریزی مداخلت کے خلاف احتجاج کیا ہے میں ان کی نیک نیتی اور اسلامی حمیت کے خلاف کچھ لکھنا نہیں چاہتا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ ان کا احتجاج نیک نیتی پر مبنی ہے۔ اور ان میں سے کوئی بھی افغانستان اور اس کی موجودہ حکومت کا بدخواہ نہیں ہے۔ اور ان میں سے اکثر ایسے دور اندیش اور سیاسی دماغ رکھنے والے ہیں کہ وہ اس احتجاج کے ان مضامین کو سمجھ سکتے ہیں انگریزوں کی مداخلت نہ ہو اور شورش انگیز اشخاص قبائل سے جُبراً نہ کرنے کی صورت میں افغانستان اور اس کی موجودہ حکومت کو برداشت کرنے پڑینگے۔ مجھے یقین ہے۔ اور اس یقین کی جواہر اور دلائل میرے پاس ہیں کہ جمعیت علمائے ہند اور اس کے صدر حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب اور اس کے ناظم حضرت مولانا احمد سعید صاحب اور ان کی جمعیت کے تمام اراکین افغانستان کے امن و امان کے دل سے خواستگار ہیں اور وہ گزشتہ حکومت کے اس طرز عمل کو پسند نہیں کرتے جو دیوبندی علماء کے خلاف اختیار کیا گیا تھا اور جس کے ذریعہ ڈاڑھیاں منڈوانے اور یہ وہاں

کے جبریتہ احکام نافذ ہوئے تھے اور میں یہ بھی جانتا جو کل جمعیت
علمائے ہند اور اس کے رہنما غازی محمد نادر شاہ سے ذاتی
تعلقات اور واقفیت بھی رکھتے ہیں اور جب محمد نادر شاہ یورپ
سے افغانستان جا رہے تھے اور پچھلے دنوں نے افغانستان میں ہل
چل مچا رکھی تھی تو حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب غالباً دہلی
سے لاہور تک ان کے ساتھ بھی گئے تھے اور نادر شاہ کی تخت
نشینی کے بعد بھی جمعیت علماء اور اس کے مذکورہ رہنماؤں نے
نادر شاہ کی حکومت سے اختلاف نہیں کیا تھا۔ اور جب نادر شاہ
کی پابند مذہب حکومت اور افغانستان کی اصلاحات ترقیات
کے حالات اخباروں میں آئے شروع ہوئے تو جمعیت علماء ہند
کے اخبار "الجمعیت" نے شروع سے آخر تک ہر موقع پر ان کا ناموں
کا بہت اچھے الفاظ میں خیر مقدم کیا تھا۔ اور جبکہ والا حضرت شاہ
ولی خاں فاتح کابل برادر نادر شاہ یورپ سے افغانستان گئے تو
جمعیت علماء کے صدر اور ناظم جیل میں تھے لیکن ان کے اخبار
کے اسٹاف نے اور دہلی تمام احرار افراد نے غازی مدوح کا نہایت
عہد خیر مقدم کیا تھا پس ان سب حالات سے ظاہر ہوتا ہے
کہ جمعیت علماء اور دوسرے سب مسلمانوں نے بمباری کے خلاف
جو احتجاج کیا ہے وہ محض اسلامی محبت اور ممانعت حق کی نیت
سے ہے۔ افغانستان کی دشمنی کا خیال ان میں سے کسی کے
احتجاج میں نہیں ہے۔

لیکن افسوس ہے کہ معاملات ایسے اُلجھ گئے ہیں کہ سرحدی

قبائل بھی اسلامی مہماں نوازی کے جذبہ سے شورش انگیزوں کو
پناہ دے ہوئے ہیں اور ہندوستان کے مسلمان بھی سرحدی
مسلمانوں کو بمباری سے بچانا چاہتے ہیں۔ مگر افغانستان اور اسکی
موجودہ حکومت کو ان انقلاب پسند شورش انگیزوں کی وجہ سے
جو نقصان پہنچے گا۔ اور افغانستان کی بد امنی سے ہندوستانی
اقوام اور ان کی تحریک آزادی کو جو نقصانات پہنچیں گے اس کا
تدارک کیا ہونا چاہئے۔ یہ بھی سوچنے کی چیز ہے ؟

میں نے سب جلسوں کے حالات اور اخباری مضامین
کو بہت غور سے پڑھا مگر مجھے کسی تحریر اور تقریر میں یہ نظر نہیں آیا
کہ کسی نے افغانستان کے امن امان کے تحفظ کے مسئلہ پر بھی
توجہ کی یا نہیں۔

انگریز اور نادر شاہ | اب مجھے صفائی سے یہ بات لکھنی
ہے کہ بعض خود غرض انقلاب پسندوں نے یہ بات مشہور کر دی
ہے کہ نادر شاہ امان اللہ خاں کی طرح آزاد نہیں ہیں بلکہ انگوڑوں
کے ایسے ہی دست نگر ہو گئے ہیں جیسے امان اللہ خاں سے پہلے
افغانستان کے حکمران ہوتے تھے۔ مگر میں اپنے مشاہدات سفر
افغانستان کی بنا پر ان لوگوں کو یقین دلا سکتا ہوں جو میری بات
کو سچا جانتے ہوں کہ نادر شاہ انگریزوں کے دست نگر یا پابند
یا خوشامدی ہرگز نہیں ہیں۔ اور نہ ان کی حکومت نے انگریزوں
سے کوئی ایسا عہد نامہ کیا ہے جو افغانستان کی اس حاصل شدہ
استقلال و آزادی کے خلاف ہو جو امان اللہ خاں کے زمانہ

میں ایک کامیاب لڑائی کے بعد بحیثیت سپہ سالار فوج افغانستان نادر شاہ نے جہل کی تھی۔

نادر شاہ اور ان کی حکومت کے تعلقات روسیوں سے بھی دوستانہ ہیں۔ اور اٹلی اور فرانس اور جرمنی اور جاپان اور ترکی اور ایران سے بھی ان کی دوستی ہے اور انگریزوں سے بھی ان کی دوستی ہے اور ہر چھوٹے بڑے ملک کے سفیر کابل میں اور افغانوں کے سفیر ان ملکوں میں موجود ہیں۔ نادر شاہ کسی ایک قوم سے خاص مراعات اور آزادی شکن دوسری کا برتاؤ اگر شروع کر دیں تو ان کو تین قسم کے نقصان پہنچنے پہلا نقصان تو یہ کہ ان کا سارا ملک متحد ہو کر ان کی حکومت سے مغزول کر دے گا کیونکہ ان کا ملک آزاد ہو جانے کے بعد ایک سیکنڈ کے لئے بھی اس کا روادار نہیں ہے کہ ان کی حکومت روس یا انگریزوں کی حکومتوں کی پابندی و ست مگر وہ دوسرا نقصان یہ ہو گا کہ یورپ کے پالیٹکس کے توازن میں زلزلہ آجائے گا خصوصاً بائشویک اور برطانیہ کے سیاسی تعلقات درہم برہم ہو جائیں گے اگر نادر شاہ اور ان کی حکومت کسی ایک یورپین طاقت سے ایسے تعلقات بڑھائیں گے جو افغانستان کی آزادی کے منافی ہو۔ تیسرا نقصان یہ ہو گا کہ تمام دنیا کے مسلمان نادر شاہ اور ان کی حکومت کے خلاف ہو جائیں گے اگر انہوں نے انگریزوں یا روسیوں یا یورپ کی کسی قوم سے ایسے تعلقات قائم کئے جو افغانستان کی آزادی کے خلاف ہوں۔

مذکورہ تینوں اسباب کے مد نظر نادر شاہ اور ان کی حکومت کے اراکین مجبور ہیں کہ وہ کسی یورپین طاقت سے مقررہ حدود سے آگے بڑھ کر دوستی نہیں بڑھا سکتے۔ اور جو لوگ نادر شاہ اور ان کی حکومت پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ نادر شاہ اور ان کی حکومت انگریزوں کی غلام ہو گئی ہے وہ یا تو افغانستان کی پولیٹکل پوزیشن اور یورپین طاقتوں کی باہمی رقابت اور انگریزوں اور روسیوں کی تاریخی سیاست سے واقف نہیں ہیں اور یاد آستہ کسی غرض سے اپنے آپ کو ناواقف ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔ میں پورے ایمان داری کے ساتھ اعلان کرتا ہوں کہ نادر شاہ اور ان کی حکومت ہر اعتبار سے آزاد ہے اور اس کے کسی اختیار میں انگریزوں یا روسیوں یا کسی یورپین طاقت کی مداخلت نہیں ہے اور یہ بھی اعلان کرتا ہوں کہ افغانستان کی موجودہ حکومت اسلامی مکتبہ نظر سے اور جمہوریت اور آزادی کے مکتبہ نظر سے اور افغانی مکتبہ نظر سے نہایت کامیاب اور مضبوط اور ترقی و اصلاح کی سڑک پر وقار و دانشمندی سے چلنے والی حکومت ہے۔ نہ اس میں گزشتہ زمانہ کی جلد بازیوں ہیں نہ اس میں اسلامی تمدن اور اسلامی سیاست کے خلاف گستاخیاں ہیں۔ اور نہ اس کو قدامت پرستی پر اصرار ہے اور نہ وہ نئی ترقیوں اور اصلاحوں سے انکار کرنے والی ہے۔ پس ایسی بے لاگ۔ بے عیب ترقی کرنے والی اسلامی سلطنت کو شورش اور بے امنی سے پریشان کرنا مسلمانوں کی شان کے خلاف ہے۔ اگر میری آواز سرحدی قبائل کے مسلمان بھائیوں تک پہنچ سکتی ہے تو میں ان

اور آزادی بھی خطرہ میں پڑ جائے گی۔

سرحدی قبائل کے نام پیام

اگر آج کل کسی جگہ تپا اسلام موجود ہے تو وہ جگہ صرف افغانستان ہے اور سرحد کے آزاد قبائل میں کیونکہ ان میں اسلام کی پابندی بھی ہے۔ اور اسلام کی غیرت و حمیت بھی ہے اور وہ اسلام کی عزت پر اپنے جان و مال کو قربان کر دینا بھی جانتے ہیں اور ہمیشہ اپنی جانوں کو اسلام کے نام پر قربان کرتے رہتے ہیں اور ان کے جذبہ پر تمام دنیا کے مسلمان فخر کرتے ہیں۔ ورنہ دوسرے آزاد و غیر آزاد مسلمان ممالک کی حالت جیسی کچھ ہو رہی ہے سب کو معلوم ہے۔ لہذا میں سرحدی قبائل کے نام یہ پیغام لکھتا ہوں۔

بھائیو! اپنی موجودہ آزادی کو سلامت رکھنے اور اسلام کی آبرو برقرار رکھنے اور اسلام کا علم بلند کرنے کے لئے آپس میں متحد ہو جاؤ اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر خزانہ جنگی کر کے اپنی قوت برباد نہ کیا کرو۔ اور یہ بھی سوچنا کرو کہ غازی محمد نادر شاہ جیسا دین دار۔ پابند شریعت۔ تہجد گزار۔ عابد و زاہد اور بہا
مجاہد حکومت کی کامل صلاحیت رکھنے والا بادشاہ و دنیا میں کسی حکومت میں بھی موجود نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے۔ اِنَّ اَوْلٰى حُجَّتٍ عَلٰى الْخَلَائِقِ اَدٰى الصَّلٰىحُوْنَ یَقِیْنٰ اٰمِنِیْنَ (حکومت وراثت میرے انہی

سے بھی درخواست کرتا ہوں کہ قیامت کے دن ان کو خدا کے سامنے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے جواب دینا ہوگا اگر انہوں نے دیدہ و دانستہ کوئی ایسا کام کیا جس سے افغانستان کے امن و امان اور ایک تہی کزیوالی اسلامی سلطنت کے اطمینان کو نقصان پہنچا۔

لامذہب نوجوان اتریں ہندوستان اور بیرون ہندوستان کے ان نوجوانوں سے مختصر خطاب کرنا چاہتا ہوں جو اپنے پیدائشی مذہب کو آزادی اور ترقی کے خلاف سمجھتے ہیں۔ اور جن کا عقیدہ ہے کہ دنیا سے مذہب کا نام و نشان مٹا دیا جائے اور جو روسیوں کی لاندہی اور بیدینی کی پیروی کرنی چاہتے ہیں کہ وہ مہربانی کر کے اپنے عقائد اور خیالات کسی دوسری جگہ استعمال کریں۔ افغانستان اور سرحد افغانستان کے سچے اور پکے مسلمانوں کو اپنی اس نہر ملی تحریک سے متاثر کرنے کی کوشش نہ کریں کیونکہ وہاں ہرگز ہرگز کامیاب نہ گئے۔ اس کے بعد اپنے پیادے وطن ہندوستان کے ہندوؤں اور سکھوں اور مسلمانوں اور سب آزادی چاہنے والوں سے مکرر درخواست کرتا ہوں کہ وہ سرحدی بہاری کے خلاف احتجاج کرنے کے ساتھ ہی اس بات کو بھی فراموش نہ کریں کہ افغانستان اور اس کی موجودہ آزاد حکومت کو ان نا عاقبت اندیش شورشلانگیروں کی شرارتوں سے بچانا بھی ہمارا فرض میں ہے ورنہ افغانستان میں انقلاب ہو تو ہندوستان کی عزت

بندوں کو دی جاتی ہے جو حکومت کی صلاحیت رکھتے ہوں۔
پس معلوم ہوا کہ حکومت ورثہ کی چیز نہیں ہے کہ باپ کے بعد
بیٹا وارث ہو بلکہ حکومت ان کا حق ہے جو حکومت کی عقل رکھتے
ہوں اور حکومت کی صلاحیت رکھتے ہوں اور ان کے اعمال
خدا رسول کی شریعت حقہ کے موافق ہوں اور جو اپنی ذات کے
عیش و آرام کے لئے نہیں بلکہ خدا کے بندوں کی راحت اور
آسانی کے لئے حکومت کرتے ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
آلہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا ہے اَلَا كَلَّكُمْ رَاجِعٌ وَكُلُّكُمْ
مَسْئُولٌ عَنْ عَمَلِهِ اَگاہ ہو جاؤ تم میں ہر ایک حاکم
ہے اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے حقوق کی نسبت باز پرس
ہوگی اور حساب مانگا جائے گا۔ خدا رسول کا یہ حکم سننے کے
بعد ہمیشہ خیال کو کہ جب کبھی تمہارا پاس آگے کوئی شخص یہ کہے کہ میں
افغانستان کی حکومت کا حق دار اور وارث ہوں اس لئے
تم میری مدد کرو اور افغانستان کی موجودہ حکومت کے خلاف
لڑائی کے لئے تیار ہو جاؤ تو تم اس کو یہ جواب دیا کرو کہ
افغانستان کی موجودہ حکومت شریعت اسلام کی پابند
حکومت ہے اور اس کا بادشاہ غازی ہے اور مجاہد ہے اور
شریعت کا حامی ہے۔ اور قرآن مجید و حدیث نبوی کے احکام
کی بموجب پوری صلاحیت کے ساتھ حکومت کر رہا ہے۔ لہذا
اس کے خلاف ہم کو لڑنا جائز نہیں ہے اور ایسی اچھی حکومت
کے خلاف لڑنا گویا خدا رسول کے حکم کے خلاف لڑنا ہے۔ اور

اور ہم کسی کو کسی ملک کا مالک نہیں سمجھتے کیونکہ قرآن مجید میں
ارشاد ہے کہ اَلْمَلِكُ لِلّٰہِ۔ ملک کا مالک تو خدا ہے۔ اور
بادشاہ لوگ مالک الملک خدا کے عاجز بندوں کی طرح
حکومت کرتے ہیں اس لئے کوئی شخص ذاتی جائیداد کی طرح
ملکوں کی حکومت کے ورثہ کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

اگر تم یہ جواب دیدیا کرو اور افغانستان کی موجودہ حکومت
کے مددگار رہو اور وہ حکومت تمہاری مددگار رہے تو ساری
دنیا کی مسلم و غیر مسلم قومیں تمہاری عزت کریں گی اور اللہ تعالیٰ
اور اس کے رسول بھی تم سے خوش ہوں گے۔

افغانستان سے خطاب

سرخدی بھائیوں سے بات کرنے کے بعد اب میں افغانستان کے
سب مسلمان بھائیوں اور ہندو سکھ باشندوں سے کہنا چاہتا
ہوں کہ وہ گزشتہ انقلاب کی تکلیفوں کو بھولے نہ ہوں گے
اور ان کو بچہ سقہ جیسے شخص کے ہاتوں جن مصائب سامنا
ہوا تھا اس کی یاد اب تک ان کے دل میں موجود ہوگی۔
لہذا ان کو بھی موجودہ نادر شاہی حکومت کی غدگی آزادی
اور ترقیات کی قدر کرنی چاہئے۔ اور وہ یہی ہے کہ جب کئی
ناعاقبت اندیش شخص یا اشخاص ملکی امن کے خلاف کوئی
کام کرنا چاہے یا کرنا چاہیں تو ان کو اس طرح دبائیں گویا وہ
خود افغانستان کی حکومت کے ذمہ دار ہیں۔ کیونکہ نادر شاہی

حکومت نے ایسے طرز سے حکومت کی ہے کہ ہر افغان کو مساوی درجہ کے حقوق حکومت میں حاصل ہو گئے ہیں اور ہر افغان سے محسوس کر سکتا ہے کہ اس کے ملک اور اس کی قوم کی عزت اور ترقی اور حفاظت خود اس کی ذات پر منحصر ہے۔

یورپ کی اقوام ذاتی اعمال میں کسی ہی ہوں مگر ملکی اور قومی کام میں وہ سب ایک جان و صدر اور غالب بنی ہوئی ہیں اور ایک فرد بھی ان میں ایسا نہیں ہے جو اپنے ملک اور قوم سے غداری کرے۔

میں فخر سے کہتا ہوں کہ افغانستان کے باشندوں میں بھی اپنے وطن کی محبت کسی یورپین قوم سے کم نہیں ہے اور ہر افغان اپنے ملک و قوم پر ہر وقت فدا ہے مگر ان میں بعض ایسے ہیں کہ حریفوں کی غلط بیانیوں کا شکار ہو جاتے ہیں لہذا ان کو اس سے احتیاط کرنی چاہئے۔ یعنی وہ کسی حریف کی سازش اور غلط

مبانی کا شکا نہ ہوں۔ اور ان کی حکومت مصلح سیاسی کی بنا پر جو کچھ بھی عمل کرے اس میں ساری افغانی قوم اس کی تائید کے لئے تیار ہو جائے تاکہ تمام دنیا میں افغانوں کی متحدہ قومیت تسلیم کی جاسکے۔

بس یہی میرا چھوٹا سا دیباچہ ہے۔ اس کو پڑھ کر اب دروازہ کھول لے اور افغانستان کے سفر نامہ کی سیر شروع کیجئے۔

دیباچہ کی کئی سے دروازہ کھول کر رخصت ہونیوالا

حسن نظامی

۲۸ مارچ ۱۳۱۲ شمسی ہجری

۲۸ اگست ۱۹۳۳ء دہلی





خواجہ حسن نظامی

سفر نامہ افغانستان

از مصوٰفطرت حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی

۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ بمطابق ۵ اکتوبر ۱۹۳۱ء
یوم شنبہ - مقام دہلی

سفر افغانستان کی ابتداء

تائید ربانی خدا کے فضل سے سفر افغانستان کا ارادہ اور مقررہ پروگرام اپنی جگہ پر قائم ہے۔ اگرچہ چل سے سید ابن عربی اور شاہ بانو کو بہت سخت بخار ہے اور سید ابن عربی کے بغیر گھر کی اور دفتر کی نگرانی مشکل ہے تاہم میں نے اپنے ارادہ میں تبدیلی نہیں کی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تائید اُسی انسان کے ساتھ ہوتی ہے جو اپنے غم میں راسخ اور مستقل ہو۔ اس لئے میں نے اللہ کے فضل پر بھروسہ کر کے یقین کر لیا کہ بخار جلدی دور

ہو جائیگا۔ مجھے سفر ملتوی نہ کرنا چاہئے۔ خواجہ بانو اسباب سفر کے انتظامات میں مصروف ہیں۔ کبھی اپنے بھائی اور بھادج کی تیمارداری کرتی ہیں۔ کبھی میرے کپڑوں اور بستر کو درست کرتی ہیں۔ کبھی ملنے والی عورتوں سے باتیں کرتی ہیں جو میرے سفر کی خبر سنکر دہلی اور بستی سے آ رہی ہیں۔ میں صبح سے دو بجے تک دفتر میں کام کرتا رہا۔ اسکول اور بورڈنگ کے انتظامات کو دیکھنے بھی گیا۔ سب ماسٹر آگئے۔ اور آج اسکول کھل گیا۔ حافظ معین الاسلام صاحب کو بورڈنگ ہاؤس کا سپرنٹنڈنٹ مقرر کیا گیا جو پانی پت کے رہنے والے ہیں اور عرصہ سے میرے اسکول میں تعلیم دینے کا کام کرتے ہیں۔



آج بھی ملنے والے بہت زیادہ آئے گریں اپنا کام کرتا رہا معمولی اور رسمی باتیں آنے والوں سے کر لیں کیونکہ سفر کی وجہ سے کام بہت زیادہ تھا۔

رخصت | دو بجے کے بعد کام ختم کر کے زمانہ میں گیا۔

ابن عربی اور شاہ بانو کو دیکھا۔ اخلاص بانو نظامی اور بھابی محمد ولہن اور سب بچوں سے رخصت ہوا۔

پیارے میاں صاحب کو بھی بخار ہے ان سے بھی رخصت ہوا۔ پہلے والد صاحب کے مزار پر گیا۔ بوسہ دیا۔ دعا مانگی۔ اور روح سے خطاب کر کے سفر کی اجازت

طلب کی۔ صادق شہید اور خاکسار صاحبہ والدہ کے مزار پر

پر بھی گیا۔ اسکے بعد بورڈنگ کو دیکھنے گیا۔ پھر مراد شریف حضور محبوب آئی کی طرف متوجہ ہو کر بہت رنگ مبرا رہا اور اجازت حاصل کی۔

عبدالرحیم صاحب رنگ سار | دہلی کے ایک بوڑھے

رنگ ساز عبدالرحیم صاحب توحید منزل میں رنگ کر رہے ہیں۔ یکایک میرے پاس آئے اور کہا ابھی میرے دل

میں یہ بات پیدا ہوئی کہ کابل کے سفر میں الحمد زیادہ بڑھتے رہنا۔ میرا نے ان کی مخلصانہ اور ایک خاص

انداز کی بات سنی تو ہنسی آگئی۔ میں نے جواب دیا۔ بھائی

صاحب اُمید میں نہ تائیں (مگر ہوں) کا نام بھی ہے میں اسکو کیونکر بڑھوں۔ یہ بات سنکر دیکھو دیر خاموش رہے

اور کہا اچھی بات ہے تو پھر قتل ہوا نہ بڑھ لیا کیجئے۔

مسلمان قوم اتنی بھولی ہو گئی ہے کہ اسکو ہنسی کی بات میں بھی جس رخ چاہو بدل دو۔ اگر میں کہتا کہ الحمد میں رب العالمین کا ذکر ہے اور عالمین میں ہندو بھی شامل ہیں اور میں ہندوؤں کا نام قرآن شریف میں لینا نہیں چاہتا۔ تو عبدالرحیم صاحب فوراً کہہ دیتے کہ ہاں جناب تو الحمد نہ پڑھے۔

فوٹو کا سبق | گھر سے روانہ ہوا تو دفتر کے سب

آدمی اور سب لوگ اور سب بچے موٹر تک آئے۔ زید اور کوثر اور حسین اور علی نے رخصتی سلام کئے۔

سید نثار علی نظامی حور بانو کے شوہر نے حور بانو کی طرف

سے ایک خوبصورت کار چوبی باز و بند (امام ضامن) باندھا۔ سوٹر چلی تو بستی کے مسلمان باشندے دوڑے

ہجے آئے اور موٹر کو اکڑ سب نے مصافحے کئے اور سفر کی

کامیابی کی دعائیں دیں۔ ان کو کابل جانے کا حال ابھی معلوم ہوا تھا۔

میں دہلی میں سب سے پہلے فوٹو گرافر کی دکان پر گیا اور فوٹو لینے کا کیمرو خریدا اور دکاندار سے ایک گھنٹہ میں فوٹو

اُتارنے کا طریقہ بھی سیکھا۔ سفیر صاحب افغانستان کو

کہا تھا کہ کابل میں یہ اطلاع بھیجیے کہ میں افغانستان کی مسجدوں اور مقبروں اور آثار قدیمہ کے فوٹو بھی لینے

چاہتا ہوں اس لئے فوٹو کا کیمرو ساتھ لے جاؤنگا۔ آپ

کابل سے اسکی اجازت منگوادیجئے۔ کیونکہ اندیشہ ہے کہ
فوٹو کا کیمرا ساتھ رہنے سے جاسوسی کا شبہ نہ کیا جائے۔
آج اس کے جواب میں سفیر صاحب کا خط آیا ہے کہ میں نے
کابل تار میں کیمرا فوٹو کا کیمرا ساتھ رکھنے کی اجازت منگوائی
ہے۔ آپ کیمرا لے جاسکتے ہیں۔

احمد ابدالی نظامی کا پاسپورٹ بھی منظوری کے لئے
سفیر صاحب کو بھیجا تھا۔ آج وہ واپس آیا ہے اور سفیر صاحب
نے لکھا ہے کہ وقت کم ہے اور آپ کو جانے کی جلدی ہے
اور مرکزی حکومت کی اجازت کے بغیر میں اس پاسپورٹ
کی تصدیق نہیں کر سکتا جس کا مجھے بہت افسوس ہے۔
واحدی صاحب کا مکان فوٹو کا کیمرا خرید کر اور

بازار کی بقیہ ضرورتوں سے فارغ ہو کر واحدی صاحب
کے مکان پر آیا جہاں بہت انخاب جمع تھے حکیم عبدالحی
صاحب انصاری خلیفہ حکیم نابینا صاحب راستہ کے لئے دو امیں لکیر
آئے تھے اور امام ضامن بھی باندھا تھا۔ ڈاکٹر محمد عمر صاحب
سید ابن عربی اور شاہ بانو کو دیکھنے گھر پر گئے تھے

واپس آکر واحدی صاحب کے ہاں مجھ سے بھی ملے
اور رخصتی ملاقات کی۔ ان سے معلوم ہوا کہ ان دونوں
کا بخار موسمی ہے۔ کوئی فکر کی بات نہیں ہے۔ واحدی
صاحب نے آج بھی میری دعوت کا انتظام کیا ہے۔
مولانا عارف صاحب سہمی اور بقائی صاحب اور فلسفہ

نظامی اور منشی عبدالحمید صاحب وغیرہ اجاب بھی ملے
آئے۔ آٹھ بجے رات کو روانہ ہوا۔ ریل پر گیا۔ اگرچہ
کل سیٹ ریزرو کرادی تھی۔ لیکن معلوم ہوا کہ انکواری
آفس والوں نے سیٹ کا انتظام نہیں کیا۔ بہت
تشویش اور پریشانی کے بعد ایک سیٹ ملی۔ سترہ
حبیب خاں نظامی افغانستان تک میرے ساتھ
جائیں گے۔ اسٹیشن پر ڈاکٹر سید محمود صاحب جزل
سکرٹری آل انڈیا کانگریس کمیٹی سے بھی ملاقات ہوئی۔
ابھی احمد آباد سے آئے ہیں۔ خوب باتیں ہوئیں۔ مولانا
ظفر علی خاں صاحب ایڈیٹر زمیندار بھی مل گئے۔ وہ بھی
مدرسہ سے آئے ہیں اور لاہور جا رہے ہیں۔ میرے
بازو پر اخلاص بانو نظامی اور حور بانو نظامی اور حکیم عبدالحی
صاحب انصاری کے خوبصورت کارچوبی امام ضامن
بندھے ہوئے تھے۔ مولانا ظفر علی خاں صاحب نے ان کو
دیکھ کر ازراہ خوش طبعی کہا: "اوہو! امام ضامن تو
بہت چمکدار ہیں" میں نے جواب دیا: "ایم تو چمکدار
ہی ہوتے ہیں"

اسٹیشن پر حسب ذیل اجاب رخصتی ملاقات کے
لئے جمع ہوئے تھے۔ خاں صاحب حاجی غلام حسن صاحب
ڈاکٹر کٹر واحدی صاحب۔ ملنسار نظامی۔ بقائی
صاحب ایڈیٹر پیشوا۔ غزالی خاں کلا تھ مرچنٹ۔ منشی

عبد الحمید صاحب ایڈیٹر مولوی محمد انوار صاحب بشی
مالک رسالہ دین دنیا۔ مفتی شوکت صاحب فہمی ایڈیٹر دنیا
مولانا محمد جعفری صاحب ایڈیٹر روزانہ اخبار ملت۔
چودھری الہی بخش صاحب ہیڈ کلرک دفتر یوے پور۔
محمد رحمتن صاحب بی۔ اے۔ کلیمی صاحب نظامی۔
ستادہ نشین درگاہ حضرت شیخ کلیم اللہ صاحب جہان آبادی۔
شیخ محمد یعقوب صاحب۔ توکلی شاہ صاحب نظامی۔
نیازی صاحب۔ اورکیوہر تھلے والے ڈاکٹر صاحب۔
اور میاں عزیز محمد خاں حسن پوری۔ خلیل احمد
نظامی کلا تھ مرچٹ۔ مرزا شہراب شاہ تیموری۔ انور علی
نظامی۔ سید شوکت صاحب نظامی۔ قاضی لطیف الدین
صاحب پیرزادہ درگاہ خواجہ قطب صاحب۔ ڈاکٹر احمد صاحب
ملک احمد کپنی۔ بابو عبد الحمید صاحب قادیانی۔ حکیم
امتیاز الحق صاحب وغیرہ۔

و بیکرہ منٹ پر گاڑی روانہ ہوئی۔ چند ہندو رفیق سفر
ہیں۔ میرٹھ سے نور حسین صاحب سب انجینیئر بھی رفیق
سفر ہوئے۔ سہارن پور پر گاڑی پہنچی تو ڈھیرہ دون کے
بھائیوں کا قافلہ موجود تھا۔ حالانکہ میں نے محمد صادق
نظامی کو لکھ دیا تھا کہ سہارن پور کے نظامی بھائی آدھی
رات کو ریل پر نہ آئیں۔ میں اس وقت سوتا ہوں گا۔
انبارہ کے حاجی فتح محمد صاحب خدمتی نظامی جہالی کو بھی

ریل پر آنے سے منع کر دیا تھا۔ اور لدھیانہ والوں کو بھی
فضل محمد نظامی کے ذریعہ اتنا ہی اطلاع دے دی تھی۔
مگر وہ دونوں والوں کا خیال بھی نہ تھا کہ وہ اتنی دوسرے
سہارن پور تک آئیں گے۔ رحمت اللہ نظامی اور
عبد الرحیم نظامی اپنے چھوٹے لڑکے محمد اشرف کے ساتھ
آئے تھے۔ محمد طفیل اور مہر دین وغیرہ بھائی بھی ساتھ
تھے۔ نہایت عمدہ نرم نرم روٹیاں بھی لائے تھے۔
جواتی موٹی اور اتنی بڑی بڑی تھیں کہ سہارن پور میں
افغانستان نظر گیا۔ پھولوں کے ہار بھی پہنائے۔
نکیر کے نعرے بھی لگائے اور اپنی محبت کا مظاہرہ اچھی
طرح کیا۔

زہر ہلا کیڑا ۱۲ بجے کے بعد مطمئن ہو کر سو گیا۔

روشنی خاموش تھی مگر ایک برساتی کیڑا کہیں سے آگیا
اور گھٹنے پر ملا گیا۔ جس سے گھٹنے پر ایک بڑا زخم پڑ گیا۔
صبح تک اس کی بے چینی رہی۔ زخم بڑا ہے۔ برساتی
کیڑوں کے اس زہر کو حاصل کر لیا جائے تو آبلہ ڈالنے
کی بہت اچھی تجارتی دوائیاں ہو سکتی ہے۔

۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۵ ہجری مطابق ۱۲ ستمبر ۱۹۳۱ء
یوم چہار شنبہ۔ سفر افغانستان

پشاور تک صبح نماز کے وقت گاڑی جانڈھ پھینچی۔
برکت علی نظامی پٹواری موجود تھے۔ سید غلام جیلانی شاہ

صاحب نظامی کے صاحبزادہ اور سعید اختر نظامی کے بھائی چند مستورات کے ساتھ آئے تھے۔ سکلف کھانے کا خان بھی لائے تھے جس میں طرح طرح کے عمدہ کھانے تھے۔ اس کے بعد جالندھر شہر اسٹیشن پر صوفی غلام محمد نظامی اور پیر محمد نظامی وغیرہ بھائی ملے۔ صوفی صاحب بھی پان اور پھل لائے تھے۔ امرت سر پر بہت سے بھائی جمع تھے۔ خان بہادر سید بڈھے شاہ صاحب اور سید محمد زاهد نظامی اور رحمت اللہ نظامی اور فضل کریم نظامی اور غلام نبی نظامی وغیرہ احباب و اخوان طریقت جمع تھے۔ خان بہادر صاحب نے ناشتہ کا بہت وسیع پیمانہ پر انتظام کیا تھا۔ حاجی شمس الدین نظامی براہ والے سیالکوٹ سے استقبال کے لئے امرت سر آئے ہوئے تھے۔ میرے ساتھ ہی وزیر آباد تک گئے۔ نوبچے کے قریب گاڑی منگیلوہ پہنچی۔ وہاں کچھ مسلمان ملے آئے اور انہوں نے بیان کیا کہ آج منگیلوہ کالج پر مسلمان پکٹنگ کر رہے ہیں اور گرفتاریاں ہو رہی ہیں۔ منگیلوہ کے بعد لاہور اسٹیشن آیا۔ حکیم محمد شریف صاحب آئی ڈاکٹر راستہ کے لئے بوا سیر کی دوائیں لے کر تشریف لائے۔ کہتے تھے پچھلی دو ابرسات کی ہوا سے خراب ہو گئی ہوگی اس واسطے اثر نہ کیا۔ احمد آباد والے سیٹھ علی میاں کیپ مرچنٹ کے لڑکے سکلف کھانا لے ہوئے موجود

تھے۔ محمد شریف نظامی براہ والے بھی کھانا اور عمدہ لسی لائے تھے۔ سعد اللہ نظامی اور امیر الدین نظامی وغیرہ بھی نذر اور پھول لائے تھے۔ مولانا تاجور صاحب اور مولانا سجاد صاحب ایڈیٹر ادبی دنیا بھی تشریف لائے تھے اور انکو بھی لائے تھے جن کے اندر شراب پوشیدہ ہوتی ہے۔ حکیم یوسف حسن صاحب ایڈیٹر ننگر خیال بھی آئے تھے۔ مولانا ظفر علی خاں صاحب کے استقبال کے لئے بھی پلیٹ فارم پر ہندو مسلمان جمع تھے۔ جنہوں نے نعرے بھی لگائے۔

آج صبح میرے والے سب انجینیئر نور حسین صاحب نے نہایت عمدہ گفتگو کی۔ اگرچہ انگریزی لباس میں تھے لیکن قرآن مجید پر بہت اچھا عبور ہے اور تہذیبانہ انداز سے گفتگو کرتے ہیں۔ مسئلہ عذاب قبر اور مسئلہ قیامت پر بہت اچھی تقریریں کیں۔ میں نے کہا۔ میں تو وجود انسانی کو زندہ قبر سمجھتا ہوں جس میں روح دفن ہے۔

محمد شریف نظامی نے میرے پاؤں چومے تو مولانا تاجور صاحب ایڈیٹر ادبی دنیا نے اعتراض کیا۔ اور کہا کہ میں آپ کی کتاب ”مرشد کو سجدہ تعظیم“ کی تردید لکھوں گا۔ میں نے کہا واحدی صاحب تردید لکھ چکے ہیں۔ ہنس کر بولے تو بس کافی ہے۔ میں نے

کہا۔ میں اپنے لئے قدمبوسی اور تعظیمی سجدہ کو پسند نہیں کرتا اور ہمیشہ لوگوں کو اس سے روکتا ہوں تاہم اپنے بزرگوں کے مسلک اور ارشاد کے بموجب تعظیمی سجدہ کو مباح سمجھتا ہوں۔

لاہور سے گاڑی چلی تو گوجرانوالہ پر غلام حیدر صاحب گورنمنٹ ہسپتال کے صاحبزادہ بشیر احمد نظامی اپنے ماموں کے ساتھ ملے آئے۔ یہ پیدا ہونے سے پہلے میرے مرید ہو گئے تھے۔ اس زمانہ میں ان کے والد دہلی میں پوسٹ ماسٹر تھے اور انہوں نے منت مانی تھی کہ لڑکا ہوگا تو وہ آپ کا مرید ہوگا بشیر احمد پیدا ہوا تو ان کے والد نے منت کے موافق ان کی بیعت کی اطلاع مجھے دی۔ اب ماشاء اللہ یہ لڑکا جوان ہے۔ آج میں نے پہلی دفعہ اس کو دیکھا۔ بہت خوبصورت اور سعادتمند ہے۔ ایف۔ اے میں تعلیم پاتا ہے۔

میں نے اس سفر کی اطلاع کسی کو نہیں دی تھی۔ محض روزنامہ کو دیکھ کر یا اخبار میں خبریں پڑھ کر لوگ ملنے آ رہے ہیں۔

گوجرانوالہ کے بعد گاڑی وزیر آباد پہنچی۔ وہاں بہت سے ہندو مسلمان احباب جمع تھے۔ سیالکوٹ سے محمد صدیق نظامی اپنے بچہ عبدالحمید اور مستورات

کے ساتھ آئے تھے۔ کھانا اور پھل بھی لائے تھے۔ اور بھی سیالکوٹ کے افغان طریقہ موجود تھے۔ وزیر آباد کے لالہ چرن جیت لال صاحب ایڈوکیٹ اپنے احباب کی جماعت کے ساتھ موجود تھے۔ ایک بڑا تھال بھی لائے تھے جس میں قسم قسم کی عمدہ مٹھائیاں تغیرات ہند کے قوانین گوناگوں کی طرح آراستہ تھیں۔ دوسرے تھال میں وزیر آباد کے بنے ہوئے نہایت عمدہ چاقو تھے اور چاقو کے کارخانہ کے مالک صاحب بھی موجود تھے۔ میں نے ایک چاقو لے لیا۔ کیونکہ بھائی چرن جیت لال ہرمینہ چاقوؤں کا ایک پارسل بھیج دیتے ہیں اور میرے گھر میں اب قلمیں اتنی نہیں ہیں جتنے قلم تراش چاقو جمع ہو گئے ہیں۔ اس واسطے زیادہ چاقوؤں کی ضرورت نہ تھی۔ بھگوان داس صاحب بھی تشریف لائے تھے۔ سری کرشن جی کے سچے بھگت ہیں۔ چہرہ پر ایک محویت کا عالم طاری تھا۔ ماسٹر عزیز اللہ وکیل بھی ملے آئے تھے۔ حاجی شمس الدین نظامی یہاں سے جدا ہو گئے۔

وزیر آباد سے چلے تو گجرات کے بعد لاہور کی جکشن پر محمد امین نظامی اور سیرینو سیلٹی جلم بیوہ کا ایک بڑا ٹوکرائے ہوئے موجود تھے۔ اسلامیہ ہائی اسکول کے اراکین اور دوسرے بہت مسلمان بھی جمع تھے۔ عبدالواحد صاحب بی۔ اے بی۔ ٹی ہیڈ ماسٹر بھی ملے آئے تھے۔ ایک مولوی صاحب نے حضرت حافظؒ

کی ایک غزل لکھ کر نذر کی۔ میں نے کہا یہ بہت اچھا شگون ہے۔ محمد امین نظامی نے لالہ موئے کے مسلمانوں کی طرف سے دہلی میں تار دیا تھا کہ مسلمان آپ کو روکنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ یہاں ٹھہرانے کا امر ادا کیا گیا مگر میں نے معذرت کر دی۔ محمد امین نظامی مدت کے بعد ملے۔ ذرا کمزور ہو گئے ہیں۔ کئی آدمیوں سے لالہ موئے نام کی وجہ تسمیہ پوچھی مگر کوئی جواب نہ دے سکا کہ یہ موئے کے ساتھ لالہ کہاں سے آئی۔ مگر حسن ابدال پر ایک صاحب نے کہا کہ یہاں لالہ بڑے بھائی کو کہتے ہیں۔ ممکن ہے موئے نامی کوئی شخص اپنے بھائیوں میں بڑا ہو اور اسکے نام پر یہ آبادی قائم ہوئی ہو۔

جہلم پر گاڑی پہنچی تو پلیٹ فارم مسلمانوں سے بھرا ہوا تھا آل انڈیا کانٹریبل کی رضا کار بھی بہت کثرت سے آئے تھے۔ بکیر کے نعروں سے اسٹیشن گونج رہا تھا۔ خواجہ مبلغ اعظم زندہ باد کے نعرے لگائے جا رہے تھے۔

سب مسلمان نہایت قاعدہ کے ساتھ پلیٹ فارم پر صف بندی کر کے کھڑے ہو گئے اور میں نے گاڑی سے اتر کر سبے مصافحے کئے اور میوے کے ٹوکریں ان سب سب مسلمانوں کو دیتے کیونکہ اس کثرت سے کھانا اور مٹھائیاں اور میوہ آیا ہے کہ اب گاڑی میں جگہ باقی نہیں رہی۔ پھر گاڑی میں کھڑے ہو کر میں نے ایک تقریر بھی کی اور کشمیر کے معاملہ میں مسلمانوں

کو باہمی اختلاف سے احتیاط کرنے کی نصیحت کی جہلم سے روانہ ہو کر گاڑی گوجر خاں پر پھٹھری۔ وہاں بھی اسلامیہ ہائی اسکول کے اراکین اور مولوی محمد اسماعیل صاحب وغیرہ مسلمان جمع تھے۔ مستری شیر محمد صاحب سیوہ بھی لائے تھے۔ محمد امین نظامی یہاں سے رخصت ہو گئے۔ لالہ موئے اور جہلم اور گوجر خاں کے انتظامات کو دیکھ کر مجھے محمد امین نظامی کی تنظیمی قابلیت کا اندازہ ہوا اور بہت خوشی ہوئی کہ میری جماعت میں بھی ایسے خوش سلیقہ لوگ موجود ہیں۔

گاڑی میں سٹراندر سین نائب تحصیلدار بھی ہیں۔ یہ بہت فقیر دوست معلوم ہوتے ہیں۔ سادھو سیوا کا جذبہ بہت اچھا ہے۔ کچھ دیر میرے پاؤں دباے اور اپنے حسن اعتقاد کو ظاہر کیا۔ غلام نبی صاحب ریلوے ٹی۔ ٹی بھی رفیق سفر ہوئے۔ بہت خوبصورت اور نازکی نوجوان ہیں۔ میرے ہاں ایک دفعہ جہان ہو چکے ہیں۔ پیر فتح شاہ صاحب اور مستری نیاز محمد صاحب بھی ملنے آئے۔ پیر صاحب ابھی دہلی میں بھی مجھ سے ملنے گئے تھے۔

راولپنڈی پر گاڑی پہنچی تو فضل دین نظامی اور ان کے بچے اور بھائی احمد علی اور دوست محمد اور محمد براہیم اور محمد اسماعیل اور محمد اسحاق اور محمد شفیع

وغیرہ آئے تھے اور بہت سے کھانوں کا ایک عمدہ خان بھی لائے تھے۔ میں نے صرف مرغ کا شوربہ اور گرم روٹیاں لے لیں۔ پلاؤ زردہ اور علوہ وغیرہ واپس کر دیا۔ یہ ابھی نظامیہ جلسہ میں دہلی بھی گئے تھے۔ اسی ٹرین میں مولانا نیاز صاحب فنجپوری ایڈیٹر رسالہ نگار بھی کشمیر جا رہے ہیں۔ مجھ سے ملنے آئے تو میں پہچان نہ سکا کیونکہ انگریزی لباس میں تھے۔ امام الدین نظامی بھی میوہ لے کر ملنے آئے تھے۔ یہ ہمیشہ دہلی بھی ملنے جایا کرتے ہیں۔ راولپنڈی سے گاڑی چلی تو گوڑہ شریف پر ٹھہری جہاں حضرت سید بیر علی شاہ صاحب تشریف رکھتے ہیں۔ گوڑہ کے بعد ٹیکسلا اسٹیشن آیا جہاں بدھ مذہب کے زمانہ کا ایک دبا ہوا شہر نکلا ہے اور جہاں ہندوستان اور وسط ایشیا کی بدھ یونیورسٹی تھی۔ اور جس کے دیکھنے کا مجھے بہت ہی شوق ہے۔ راستہ میں سینٹ بنانے کا ایک کارخانہ نظر آیا جو ہندوستانی کمپنی کے ہاتھ میں ہے۔ یہ سارا پہاڑ ایسا ہے جکے پتھروں کو سفیدی کی طرح چھونکتے ہیں۔ تو سینٹ بن جاتی ہے۔

حسن ابدال کے اسٹیشن پر مظفر آباد کشمیر سے آئے ہوئے مولانا عبد الرحمن نظامی اور ان کا بچہ سعید الرحمن نظامی اور محمد عبدالرحمن نظامی اور عبدالرحمن قلعی گرنظامی نے جو بہت بڑا سفر کر کے کشمیر سے یہاں تک آئے ہیں۔ مولانا پشاور تک سیر ساتھ

جائینگے حسن ابدال کی وجہ تسمیہ بھی معلوم نہیں ہوئی۔ یہاں پہاڑ کی چوٹی پر بیرتندھاری صاحب کا مزار ہے اور بابا نامک صاحب کے پنجہ کا ایک نشان بھی ہے۔ یہاں بکثرت کچھ عورت مرد زیارت کے لئے آتے رہتے ہیں۔ انک دریا کا پل آیا تو ایک پُرانا شوق پورا ہوا۔ مجھے اسکے دیکھنے کا بہت اشتیاق تھا۔ یہاں کی سینی نہایت عمدہ ہے پل کے دائیں طرف انک کا مشہور قلعہ دریا کے کنارہ پر اپنی شان دکھا رہا ہے۔ کابل کا دریا لٹا ابھی انک میں مل جاتا ہے یہ پل دو پہاڑیوں پر بنایا گیا ہے۔ یہاں دریا کا دہانہ بہت ہی چھوٹا ہے۔ دریا ایک معمولی نہر معلوم ہوتا ہے۔ پل کے بائیں طرف دریا کے وسط میں ایک پہاڑی ہے جسکی وجہ دریا دوست میں تقسیم ہو گیا ہے اور اس سے منظر میں عجیب دلکشی پیدا ہو گئی ہے۔ انک دریا کی نسبت سناٹھا کہ جس کے دل میں انک ہے وہ انک جاتا ہے اور انک کو عبور نہیں کر سکتا۔ میرے دل میں انک ہوا نہ ہو لیکن میں نے انک دریا کو ٹولنا شریف جاتے وقت کئی دفعہ عبور کیا ہے۔

کیمبل پور اسٹیشن پر بھی مسلمان جمع ہو گئے اور انہوں نے کہا۔ اس طرف کسی کو آپ کے آنے کی خبر نہیں ملی ورنہ یہاں ہزاروں مسلمان جمع ہو جاتے۔ کیونکہ سب لوگ آپ کا نام جانتے ہیں۔

نوشہرہ پر گاڑی پہنچی تو ایک دُبلے پتلے پھرتیلے مسلمان گاڑی میں آئے حضور احمد نام تیلہ شنبہ کے لہجہ میں بول چا

آپ افغانستان کیوں جاتے ہیں۔ میں نے کہا اتنا قدیم دیکھنے
 ان کا شبہ اور بڑھ گیا۔ غور سے میرے چہرہ کو دیکھ کر بولے۔
 افغانستان میں اتنا قدیم کہاں ہیں؟ میں نے کہا غزنی اور غور
 کا نام سنا ہے؟ بولے جی ہاں! سنا ہے مگر وہاں بھی اتنا قدیم
 نہیں ہیں۔ مجھے اس جواب سے مہی اُگئی۔ افغانستان کے قریب
 رہنے والے بھی غزنی اور غور کے آثار قدیم سے ناواقف ہیں یا
 شک و شبہ کی وجہ سے ناواقف بننا چاہتے ہیں! کھانا محض احمد
 نہیں دو راز احمد ہوتا تو اچھا تھا۔

ٹرین میں ایک مسلمان خاندان چل رہے ہیں۔ گھڑی
 گھڑی میرے پاس آتے ہیں اور خدمت کرتے ہیں میں ان کو
 برابر بٹھلا کر راستہ کے حالات پوچھتا ہوں۔

رات کے ساڑھے آٹھ بجے گاڑی پشاور پہنچ گئی۔
 خاں صاحب میرزا بدراہن خاں پشاور انسپکٹر پولیس
 اسٹیشن پر موجود تھے اور انہوں نے میرے قیام اور طعام انتظام
 بھی کیا تھا مگر نواب مرعبد القیوم صاحب کے کابندے عبدالکریم
 صاحب بھی آئے تھے۔ انہوں نے اصرار کیا کہ نواب صاحب
 نے شملہ سے ہدایت بھیجی ہے کہ خواجہ صاحب میرے مکان پر
 ٹھہریں۔ کچھ دیر سچے مسلمانوں کی طرح مہمان کی نسبت ان دونوں
 مسلمانوں میں میرے ٹھہرنے کی بابت حجت ہوتی رہی۔ ہر ایک چاہتا
 تھا کہ میں اپنے ہاں لیجاؤں۔ مجھ سے پوچھا گیا۔ میں نے کہا
 مرد بدست زندہ ہیں۔ دونوں جگہ پن کرنا ہوں۔ آخر نواب

مرعبد القیوم خاں حسنا کے ہاں ٹھہرنا طے ہوا۔ اسٹیشن فضا لہذا
 نظامی کے بھائی احمد نظامی بھی موجود تھے۔ موٹر میں قیام گاہ پر
 آیا۔ مولانا عبدالرحمن نظامی بھی ساتھ آئے۔ موٹر کا بل تک
 کے لئے ایک سو تیس روپے میں طے ہوئی عبدالکریم صاحب نے
 نواب مرعبد القیوم صاحب کی عدم موجودگی میں ایسی خدمت
 کی گویا خود نواب صاحب موجود ہیں۔ یہ بڑے خلیق و
 منظم آدمی ہیں اور چہرہ سے بھی شریف معلوم ہوتے ہیں۔ راستہ
 آدھی آئی تھی۔ تمام جسم اور سر بال گرد آلود ہیں مگر خنکی کی وجہ
 سے نہانے کی ہمت نہ ہوئی۔ دس بجے کے بعد سو گیا۔ ساڑھے
 تین بجے رات کو مولانا عبدالرحمن نظامی نے جگایا۔ اوپین نے
 صبح تک ان کی امداد سے روزانہ بچہ مرتب کیا۔

یہاں خنکی معلوم ہوئی ہے۔ پانی بہت ٹھنڈا ہے۔ برف کی
 ضرورت نہیں ہے۔ میری صحت خدا کے فضل سے اچھی ہے۔ البتہ
 نزلہ کا اثر معلوم ہوتا ہے۔ اب کل صبح دس بجے روانگی مقرر ہوئی ہے
 موٹر ڈرائیور عدہ کرتا ہے کہ پرسوں جمعہ کی نماز سے پہلے کا اپنے چادگا
 مرعبد القیوم حسنا کا مہمان خانہ بہت شاندار اور مشرق و مغرب کے
 طرز کا مجموعہ ہے۔ اور یہاں ہمیشہ مہمان آتے رہتے ہیں۔

۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۷ھ ہجری مطابق ۱۹۳۷ء
 یومِ پنجشنبہ۔ سفر افغانستان
 پشاور سے روانگی صبح ناشتہ کے بعد چل قدمی کی

جناب میرزا بدرالدین صاحب (خال صفا حلاجی غلام خیل صاحب کنٹرکٹر کے خسر) تشریف لائے اور ستری صاحب نظامی کا پاسپورٹ پشاور میں امور افغانستان سے تصدیق کرانے لے گئے۔ کچھ دیر کے بعد پھر آئے اور کہا امور صاحب آپ کا دستخطی رقعہ چاہتے ہیں میں نے وہ بھی لکھ دیا تب ستری کے پاسپورٹ کی تصدیق ہوئی اور روانگی کا سامان شروع ہوا۔

صوفی حاجی محمد صبا پشاور میں کسی کو اطلاع نہیں دی تھی۔ یہاں تک کہ میرے بہت پرانے رفیق تبلیغ صوفی حاجی محمد صبا کو بھی میرا پشاور میں نامعلوم نہ تھا لیکن ان کی معلوما مقامی سے فائدہ اٹھانے کے لئے میں نے ان پاس آدمی بھیجا۔ فوراً تشریف لے آئے۔ کبھی صورت نہ دیکھی تھی خط و کتابت سالہا سال سے تھی۔ میرے تبلیغی کام کو نہایت عمدگی سے انجام دیتے تھے۔ آج دیکھا تو چہرہ بھی ذہین اور آنکھیں بھی تیز و مستعد پائیں۔ بہت اخلاق سے ملے اور فوراً لٹری کوئلے کے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اور مجھے ان کی اتنی رفاقت بھی بہت غنیمت معلوم ہوئی۔

ٹھیک گیارہ بجے صبح موٹر میں سوار ہوا۔ عبدالکریم صاحب کارندہ سر عبدالقیوم صاحب اور میرزا بدرالدین صاحب اور مولانا عبدالرحمن نظامی سے رخصت ہوا اور موٹر افغانستان کی طرف اپنے پیہ کو حرکت دی۔

غزنوی میدان جنگ پشاور کی آبادی سے باہر آتے

ہی پہاڑوں کے دامن میں ایک وسیع میدان نظر آیا صوفی حاجی محمد صاحب بتایا کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں سلطان محمود غزنوی کا ہندو فوج سے مقابلہ ہوا تھا۔ میدان پر ٹھوالتے ہی مجھے خیال آیا کہ یہاں ہزاروں مسلمان کھڑے ہو گئے اور یہاں لاکھوں ہندوؤں کی فوجیں ہوں گی۔ اور اس جگہ سلطان نے شکست کے آثار دیکھ کر خاک پر سجدہ کیا ہو گا (اس میدان کو کچا گڑھی بھی کہتے ہیں)۔

تاریخوں سے ثابت ہے کہ سلطان کے پہلے حملہ کے وقت پشاور کے سامنے لڑائی ہوئی تھی اور پنجاب کا راجہ لاکھوں کجزار فوج کے ساتھ مقابل ہوا تھا اور جب شکست کے آثار پیدا ہوئے تو سلطان گھوڑے سے اُترا۔ خاک پر سجدہ کیا اور فتح کی دعا مانگی۔ یکایک ہندوؤں کو شکست ہو گئی اور مسلمان کامیاب ہو گئے۔

جب تک موٹر اس میدان کے سامنے رہی مجھے اپنے تصور سے ہوش نہ آیا۔ یکایک صوفی صاحب نے کہا یہ اسلامیہ کالج کی عمارتیں ہیں۔ بھاگتی ہوئی موٹر میں پورا نظارہ تو نہ کر سکا تاہم کالج کی عظمت و شان کا عمارتوں سے اندازہ ہو گیا۔

تھانہ ہری سنگھ اسلامیہ کالج کے بعد ہری سنگھ تھانہ ہری سنگھ سردار کا تھانہ نظر آیا۔ اس کو ہری سنگھ کا برج کہتے ہیں ہری سنگھ نے بھی اس علاقہ میں خوب شہرت حاصل کی تھی اور اسی جگہ ایک افغان کے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔

جمرود کا قلعہ اس کے بعد جمرود کا قلعہ آیا۔ یہ بھی ہرنی

نلوہ کا بنوایا ہوا قلعہ ہے۔ کہتے ہیں اس کی بنیادوں میں آفریدیوں کے سر کاٹ کر رکھے گئے تھے۔ اب اس قلعہ میں انگریزی فوج رہتی ہے۔

قلعہ شہ گئی اس کے بعد شہ گئی قلعہ آیا۔ بہت مستحکم اور شاندار ہے۔ یہ سڑک انگریزی قبضہ میں ہے اور اطراف میں آزاد قبائل سرحد کے مکانات ہیں۔

سرحدی مورچے آزاد قبائل کے مکانات کچے اور سیٹھے ہیں۔ یعنی کچی ٹیٹی کی چار دیواریاں بنی ہوئی ہیں اور ہر مکان کے اندر ایک اونچا مینار ہے جو دور سے نظر آتا ہے مینار کے اوپر بندوق چلانے کے سولہ رخ بنے ہوئے ہیں ایک مینار میں چار پانچ آدمی کھڑے ہو کر بندوقیں چلا سکتے ہیں یہ مینار آج کل بھی کام آتے رہتے ہیں۔ کیونکہ سرحدی قبائل تو انگریزوں سے لڑتے ہیں یا آپس میں لڑتے ہیں اس لئے ان مورچوں کا استعمال جاری رہتا ہے۔

علی مسجد قلعہ شہ گئی کے بعد وہ مسجد آگئی جسکی زیارت کے لئے ساری عمر سے ترس رہا تھا۔

مسجد کیا ہے ایک چھوٹا سا مقبرہ معلوم ہوتا ہے۔ چار پانچ گز اندر جگہ ہے۔ چار دروازے ہیں اس پر ایک میزج مسجد کے آس پاس مسلمانوں نے جھنڈیاں لگا رکھی ہیں۔ حضرت علیؑ کے نام سے اس لئے منسوب ہے کہ لوگوں کے

عقیدہ میں حضرت علیؑ یہاں آئے تھے یا ان کا تیر یہاں آکر گرا تھا۔ بہر حال حضرت علیؑ کا اثبات نہ بھی ہو تب بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کے نام سے مسلمانوں کی قوت یہاں کی بڑا کام نکالا۔
درہ خیبر علی مسجد سے درہ خیبر شروع ہوتا ہے۔ اس درہ کی شہرت یحیٰ بن سے سنتا تھا۔ حفیظ صاحب جالندھر جیہ درہ خیبر کی نظم سناتے تھے تو میری قومی روح کو وجد آتا تھا اور بار بار اس نظم کو سنتا تھا۔ جب افغانستان کے سفر کا تصور کرتا تھا درہ خیبر کی عجیب ہیئت خیال میں آتی تھی۔ کتابوں میں دیکھتا تھا کہ یہ درہ اتنا تنگ ہے کہ ایک سوار بشکل گزرتا ہے اور دوسرا اس کے برابر نہیں چل سکتا۔ اور دس بارہ میل تک ایسا ہی تنگ راستہ ہے۔

یہی وہ درہ خیبر ہے جس سے سکندر ذوالقرنین گزر کر ہندوستان میں آیا۔ اور اسی درہ سے سلطان محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری اور نادر شاہ درانی اور احمد شاہ بدالی وغیرہ فاتح ہندوستان چمکے اور ہوئے میں ان تاریخی جلو کو یاد کر کے درہ خیبر کی دید کے لئے بے قرار تھا۔ اس کی خاک کو۔ اس کی دیواروں کو گزشتہ زمانہ کے تصور سے دیکھنا چاہتا تھا۔

مگر آج سارا شوق برباد ہو گیا کیونکہ درہ خیبر کی قدیمی شان باقی نہیں ہے۔ قوموں کی فوجی ضروریات نے درہ کی تنگی کو فراموش کر دیا ہے۔ علی مسجد سے دکان تک کسی کشادہ راستے بنا دیا

گئے ہیں اور اب وہ ایک سوار کے گزرنیکے قابل تنگ راستہ
باقی نہیں ہے اور یا موٹر ایسے نئے راستے سے گزری کہ وہ تنگ
کسی اور سمت رہ گیا۔ صوفی حاجی محمد صاحب نے کہا کہ
اب کئی راستے فوجی ضروریات کے سبب بنادے گئے ہیں
درہ خیبر کی گزشتہ ہیئت باقی نہیں ہے۔

علی مسجد سے ڈاکہ تک بارہ تیرہ میل کا فاصلہ سب
درہ خیبر کہلاتا ہے اور پہلے افغانستان کے قبضہ میں تھا مگر اب
انگریزی قبضہ میں ہے۔

لنڈی کوتل | پشاور سے ۲۹ میل طے کرنے کے بعد
لنڈی کوتل چھاؤنی آگئی۔ جہاں سے صوفی حاجی محمد صاحب
ہم سے رخصت ہو کر پشاور چلے گئے۔ ان کی معلومات سے
مجھے بہت فائدہ ہوا۔ اور انہوں نے اپنا حرج کر کے پورا کرنا
قربان کر دیا۔ اب وہ شام تک کسی لاری میں پشاور پہنچ جائیے
لنڈی خانہ | لنڈی کوتل کے بعد لنڈی خانہ مقام آیا اور
اسی کے قریب طور خام مقام ملا۔ جہاں انگریزی انسپریٹ
دیکھتے ہیں۔

پشاور کے ایک خان بھائی میر حمی | طور خام میں
موٹر چھری۔ میں مستری حبیب خاں کے ساتھ اندر دفتر میں
گیا۔ دونوں پاسپورٹ دکھائے۔ محمد یعقوب صاحب نائب
تخصیصہ اس خدمت پر مامور ہیں۔ سیر رسائل کے خریدار
اور معقول مسلمان ہیں۔ کھڑے ہو گئے۔ کھانے چار پانی کو۔

پوچھا۔ مگر پاسپورٹ دیکھتے ہی بولے کہ آپ نے ان پرسی۔ آئی
ڈی پشاور کی مہر نہیں لگوائی؟ میں نے کہا مجھ سے کسی نے اس
ضرورت کو بیان نہیں کیا اور میں خود واقف نہ تھا۔ انہوں
نے اسی وقت پشاور کے دفتر سی۔ آئی۔ ڈی کو ٹیلیفون کیا
خان بہادر عبدالغنی صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ حالات
سُن کر جواب دیا کہ خواجہ صاحب کے ساتھ رعایت کرو اور ان
کو جانے دو مگر ان کے ساتھی کو واپس کر دو۔ محمد یعقوب
صاحب نے کہا۔ خواجہ صاحب کے اپنے رفیق سفر کے بغیر تکلیف
ہوگی مگر خان بہادر صاحب کے کچھ پروانہ کی اور اپنا حکم بحال رکھا
میں نے کہا اگر غلطی ہے تو ہم دونوں کے پاسپورٹ
میں ہے۔ مجھ سے رعایت کیوں کی جاتی ہے اور یہ رعایت
تو ایسی ہے کہ ہم آپ کا سر نہیں کٹتے مگر ہاتھ پاؤں کاٹ
لیتے ہیں۔ اتنے بڑے سفر میں مجھ بھیا اور ڈھے مسافر کے
لئے رفیق کی ضرورت بے حد ہے۔ رفیق کے بغیر میرے
ہاتھ پاؤں بیکار ہیں۔

بہر حال خان بہادر صاحب کی بیرحمی اور حکم مطلق
کا علاج نہ ہو سکا اور مستری حبیب خاں کو پشاور واپس کیا گیا
محمد یعقوب صاحب نے بہت مہربانی سے ایک لاری ایران کے
جانے کا بندوبست کر دیا۔ خان بہادر صاحب کی میر حمی
سے بیس لپٹے کا زائد خرچ بھی ہو گا۔ مجھے اور مستری تکلیف
بھی ہوگی اور مجھ کو اُن کرنے کی اجازت بھی نہ ملے گی



مستری حبیب خان نظامی - رفیق سفر افغانستان



کیونکہ انہوں نے میرے ساتھ تو رعایت کر دی۔ اگر پشاور کی خفیہ پولیس نے یہ قاعدہ نکالا ہے تو اس کو بند و بست کرنا چاہئے کہ پشاور سے نکلے ہی پاسپورٹ دیکھ لئے جائیں اور ۳۰ میل دور جا کر یہ مصیبت مسافروں کو نہ ہو۔

ایک خان بہادر عبدالغزنی لاہور کے ہیں جو پبلک کی آسانی کے لئے ہمیشہ سرگرم رہتے ہیں اور ایک خان بہادر عبدالغزنی پشاور کے ہیں جو ٹیلی فون میں بے رحمی کا حکم دے کر خوش ہوتے ہیں۔ پشاور کے حکام کو چاہئے کہ وہ ایسے مسافر نواز خان بہادر کو ڈبل خان بہادر کا خطاب دیدیں۔

بدخشاں کا مترلیاس | میں طورخام کے پاسپورٹ آفس میں ایک گھنٹہ سے زیادہ دیر تک بیٹھا رہا۔ مستری کی جدا کی کوفت کے ساتھ ہی عجیب غریب مسافروں کی دیکھا لطف بھی اٹھایا جو اپنے پاسپورٹ دکھانے آرہے تھے۔ ایک صاحب بدخشاں سے آئے تھے۔ بوڑھے آدمی سفید ٹاٹھی روئی کا چوغہ پہنے ہوئے۔ نام پوچھا تو کہا مترلیاس۔ میں نے حیرت سے اس نام کو سنا۔ محمد یعقوب صاحب نے نام کی تفسیر پوچھی تو معلوم ہوا نام ہترلیاس ہے اس کو بگاڑ کر مترلیاس بنا لیا ہے۔

میں نے کہا۔ کیوں جناب! بدخشاں میں لعل ب بھی ہوتے ہیں؟ بڑے میاں نے جواب دیا۔ لعل کیا چیز؟ وہاں لعل نہیں ہوتے۔ محمد یعقوب صاحب ان کی زبان میں

میرے سوال کا ترجمہ کرتے تھے اور بڑے میاں کے توروں سے مجھے بہت لطف آتا تھا میں نے کہا تو بس لعل بدخشاں ہمارے لٹرچر میں ہتھیاروں کے ناموں کی طرح رہ گیا ہے اصلیت ختم ہو چکی ہے۔ اب کسی معشوق کے لب لعل کی تعریف کرنی ہوگی تو بدخشاں کے لعل سے تشبیہ نہ دی جائیگی بلکہ یوں کہا جائے گا کہ میرے محبوب کے ہونٹ ایسے لال ہیں جیسے بندر کا منہ۔ یا جرمنی کا لال رنگ۔ یا جاپان کا لال ٹیلاج۔ یا پولیس کے سپاہی کی لال گپڑی۔ یا پشاور کے خان بہادر عبدالغزنی کا غضبناک چہرہ۔ یا ان کے دستخط کرنے کی لال وشنائی۔

ہنس ل کیلا اڑا | آخر مستری حبیب خاں کو جھکا کر کہیں اکیلا افغانستان کی طرف چلا۔ محمد یعقوب صاحب ان کے ساتھی موٹر تک پہنچانے آئے۔ جان محمد موٹر ڈرائیور نے باتیں شروع کیں اور میں بھی جی بہلانے کے لئے سوالات کرتا رہا۔

میلے کپڑوں کی وجہ | جان محمد چھ ہزار روپے قیمت کی موٹر کے مالک ہیں۔ بیوک موٹر ہے۔ کہتے تھے خدا نے سب کچھ دیا ہے۔ ایران و ترکستان کی سیر بھی کر چکا ہوں موٹر سے بہت کماتا ہوں مگر کپڑے میلے اس لئے رکھتا ہوں کہ لوگ امیر سمجھ کر لوٹنے کی حرص نہ کریں۔

ڈک | طورخام سے نکلے ہی افغانی چوکی ملی اور بندوق بازار نو عمر خوبصورت سپاہی نے موٹر کو روکا۔ جان محمد ڈرائیور نے

نے کہا یہ حضرت صاحب ہیں اور اعلیٰ حضرت (بادشاہ کے) ذاتی مہمان ہیں۔ یہ سنتے ہی اس نے سلام کیا اور آگے جانے کی اجازت دے دی۔ ڈرائیور پشتو اور فارسی خوب بولتا ہے۔ سگرٹیں ملا کر چرس بھی پیتا ہے۔ اور چرس کے نشہ میں باتیں بھی خوب کرتا ہے۔

تھوڑی دور جا کر افغانی چوکی ڈک نامی آئی۔ ڈک کا نام بہت سنا تھا۔ بہت سے مسلح سپاہی کھڑے تھے۔ میں موٹر سے اتر کر اندر کمرہ میں گیا۔ محمد حسن صنامی ایک نو عمر افسر تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے۔ پاسپورٹ دیکھ کر تصدیق کر دی اور حکم دیا کہ ان کے اسباب کی تلاشی نہ لو۔ پھر چار منگاکر پلائی اور موٹر تک پہنچانے آئے۔ اسلامی اخلاق کا پورا نمونہ دکھانا۔ سب نے ہاتھ چوم کر فقیر دوستی کا مظاہرہ کیا۔

موٹر کی قلا بازی رات کو جان محمد صاحب موٹر ڈرائیور مجھ سے چالیس روپے پیشگی لئے تھے اور نائک و کیفے کے کار خیز میں بھی اس میں سے کچھ خرچ کیا تھا۔ رات بھر جاگے تھے اس لئے افنگ رہے ہیں۔ طور خام تک انگریزی سڑک تھی اور بہت عمدہ تھی۔ اب افغانی سڑک ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سڑک کی مرمت کرنے کے لئے کسی نے سڑک کو

کھودا ہے اور تختہ لگا دیا ہے کہ مرمت کے لئے سڑک بند ہے یعنی سڑک کھدی ہوئی ہے جگہ جگہ گڑھے۔ روڑی کچھری ہوئی۔ بڑے بڑے پتھر بھی جگہ جگہ راستہ کی مزاحمت کرتے ہوئے۔ مگر یہ خرابی بعد میں جا کر

بہت غنیمت معلوم ہونے لگی۔ کیونکہ پھر تو ایسی سڑک اتنی کہ اس کو سڑک کہنا خوش اعتقادی ہے کیونکہ پہاڑی ندی ٹالوں کی بٹیاں بھی ہوئی ہیں۔ موٹر اچھلتی ہے تو چھت کی لکڑی سر میں لگتی ہے مگر ڈرائیور صاحب بے تحاشا دوڑائے ہوئے جارہے ہیں۔ سامنے ایک بڑا نالہ آیا جس کے پل کے کنارے لوٹے ہوئے تھے۔ موٹر نے اس کو عبور کر لیا۔ آگے بڑھی تو نالے کی گہرائی کی طرف سڑک چھوڑ کر ٹھکی۔ میں سمجھا کسی بڑے پتھر سے بچانے کے لئے موٹر کو موڑا ہے مگر جب موٹر کے دائیں رخ کے دونوں پہیے غاریں گرے اور موٹر آڑی ہو گئی تو معلوم ہوا کہ موت نے دھککا دیا ہے۔ میرے منہ سے بے اختیار ”یا اللہ“ کی چیخ نکلی اور میں موٹر کی چھت کی لکڑی کو پکڑ کر لٹک گیا۔

مگر آفریں ہے جان محمد کو کہ میری آواز سنتے ہی جاگاؤ ایک سکند میں موٹر کو موڑ لیا اور جو پہیے نیچے گر چکے تھے ان کو ایک چکریں اوپر لے آیا مگر موٹر دس بارہ قدم اوپر آنے کے بعد بھی پتھروں سے ٹکراتی ہوئی چلی اور ایسا معلوم ہوا کہ موٹر پاش پاش ہو گئی۔

ڈرائیور اور ان کے ساتھی موٹر روک کر اترے اور موٹر کو دیکھا کہ کیا کیا ٹوٹا۔ میں نے کہا۔ کیوں جان محمد! نیند تو بڑے مزہ کی تھی؟ بولا۔ حضور! رات کو نائک میں گیا تھا۔ پارسی نائک کمپنی جانے والی تھی۔ آخری تماشا تھا۔

بہت ہی میلے اور پٹھے ہوئے کپڑے پہنتے ہوئے۔ جان محمد نے کہا۔ یہ سب زمیندار اور خوش حال ہیں مگر اپنی دولت کو مخفی رکھنے کے لئے میلے کپڑے پہنتے ہیں۔ ان لوگوں کے چہرے خوب سرخ اور آنکھیں خوشوار ہوتی تھیں۔ جگہ جگہ مٹی پر لیٹے ہوئے ملتے تھے یا بیٹھے ہوئے۔ ان کی عورتیں پردہ نہیں کرتیں کالے کپڑے پہنتی ہیں اور ہندو عورتوں کی طرح غیر دکھانے کے کپڑے کی آڑ چہرہ پر کر لیتی ہیں۔

جلال آباد عصر کے بعد موٹر جلال آباد پہنچی مگر یہاں ٹھہرا نہیں کیونکہ ڈاکہ کے کرنل محمد حسن خاں صاحب نے کہا تھا کہ آپ مملکت مقام پر رات بسر کیجے گا وہاں کے ڈاک بنگلہ میں ٹیلیفون کر دیتا ہوں۔

جلال آباد گرم مقام ہے سردی کے ایام میں کابل کی حکومت کبھی کبھی یہاں آجاتی ہے۔ امیر حبیب اللہ خاں صاحب شہید کا مزار بھی یہاں ہے۔ میں نے راستے سے دیکھا پتاجنا ہوا ہے۔ جلال آباد میں بھی مٹیالے مکان ہیں اور اکثر مکانات شہابی دور میں جلادے گئے ہیں اور ویران پڑے ہیں۔

جلال آباد سے آگے فتح آباد مقام آیا۔ یہاں موٹر پانی ڈال گیا۔ بازار میں مرجھائے ہوئے تر بوڑبک رہے تھے اور چار کے سوا تو ہر بازار میں نظر آتے ہیں۔ میلے کپڑوں کے دکاندار بے دودھ کی چار فروخت کرتے ہیں۔

مملکت مغرب کے بعد مملکت پہنچے۔ ڈاک بنگلہ میں گئے ملازم

ساری رات جاگا تھا۔ بندہ ہے آنکھ لگ جاتی ہے۔ آپ بے فکر رہتے ہیں بہت آرام سے آپ کو لے جاؤں گا۔ مگر موٹر چلانے میں نیند آجانے کی تو مجھے عادت ہے۔ یہ کہہ کر ایک قہقہہ لگایا۔ جان محمد کے ساتھی نے کہا۔ ایک دفعہ میری مٹی گری تو میں کو دھڑا اور موٹر میں آگ لگ گئی۔ یہ کہہ کر دونوں خوب ہنسے۔

میں نے مل میں کہا۔ مسلمان ہوں تو ایسے بے فکرے ہوں موت کے منہ سے بچے ہیں اور ہنستے ہیں۔ جان محمد نے کہا آپ کی برکت سے موٹر بچ گئی اور کوئی پرزہ خراب نہیں ہوا میں نے کہا میری برکت سے تمہاری موٹر بچی اور تمہاری کراست سے میں بچا۔ ورنہ میں فائیں طرف تھا نالہ کے اندر گر پڑتا تو سرحدیوں کے لئے ایک سید پیر کی قبر بن جاتی۔ مگر میری عقل میں یہ بات اب تک نہیں آئی کہ ادھی موٹر نالہ کے اندر لٹک گئی اور پھر ایک ہی حرکت میں اوپر کیونکر آگئی۔ جان محمد نے جواب دیا۔ یہ تو میں بھی نہیں جانتا۔ آپ کی کیا آکٹس آواز سے میری آنکھ کھلی اور میں نے بے اختیاری میں پہیہ زردیا اور خداموٹر کو اوپر لے آیا۔

قبروں کی کثرت راستے میں جگہ جگہ کثرت قبریں ملتی تھیں جن پر پتے اور پتھر لگے ہوئے تھے۔ معلوم ہوا اگر شہ انقلاب کے زمانے میں جو لڑائیاں ہوئیں ان میں یہ لوگ مارے گئے تھے۔ راستوں پر بوڑھے۔ جوان۔ بچے پھان ملتے تھے

نے کہا چاول منگائے ہیں وہ آجائیں تو پکا دینگے۔ جان محمد
 کہا ابھی ایک فرانسیسی کو لایا تھا اس کے لئے چاول کچے
 تو برابر کے کنارے تھے وہ نہ کھا سکا۔ یسٹن کر میں نے کہا ہمارے
 ساتھ کھانا ہے۔ تم فقط مکان اور پانی اور روشنی دے دو
 دلی محمد نوکر پانی لایا۔ مینے نمک پانی سے ناک صاف کی۔
 کیونکہ نزلہ کی شدت ہے۔ جو دہلی سے شروع ہو گیا تھا۔ کسیر
 نزلہ ٹرنک میں بند ہے اور کبھی غلطی سے مستری کے ساتھ پاشاؤ
 چلی گئی ہے۔

تاڑ سے پڑے سرو ڈاک بنگلہ شاہ جہاں بادشاہ
 باغ میں ہے۔ جہاں حوض اور سرو کے درخت شاہ جہاں کی
 یادگار ہیں۔ نرگس کا پھول بھی یہاں بہت عمدہ ہوتا ہے
 شاعر سے سنا تھا کہ

سب اس کو سرو باندھتے ہیں تو اس کو تاڑ باندھ

بوسہ کی گرہوس ہو تو گرد اس کے پاڑ باندھ

مگر نمالہ کے باغ میں تاڑ سے اونچے سرو دیکھے جو بڑی طرح گنجان
 اور پھیلے ہوئے ہیں اور ان کے تنے اتنے موٹے ہیں کہ دو
 آدمی کی کوئی میں نہ آسکیں۔ راستہ کا سچا ہوا کھانا میں نے
 بھی کھایا۔ ڈرائیوروں کو بھی دیا اور بنگلہ کے ملازمین کو بھی
 بانٹا۔ بے سوگیا۔ اتنا تنگ گیا تھا کہ بے خبری کی نیند آئی
 اور تین بجے آنکھ کھلی سردی زیادہ تھی یعنی دہلی سے دوا زیادہ
 تھی۔ جلال آباد تک گری رہی اب سردی شروع ہوئی۔

ڈاک بنگلہ کے نوکروں کو انعام دینا چاہا تو انہوں نے انکار کیا
 ان میں بھرتی اور چستی نہیں ہے مگر حیرت ہے۔ لالچی نہیں ہیں۔ جد
 حکومت کا رعب بھی اس حیرت پر کا ایک باعث ہے اور یہ بھی کہ
 افغان فقراء اور علماء سے بہت عقیدت رکھتے ہیں پادشاہ خان
 کا گملہ بھی ایک لازم بنگلہ نے خود صاف کر دیا۔ کتا تھا دلی کہبت
 شوق ہے کہ وہاں جاؤں اور پیران عظام کی زیارت کروں۔

دلی محمد نوکر خوب سُرخ و سفید نو جوان و تندرت آدمی ہے
 مگر گاندھی کی چال چلتا ہے یعنی جواہر لال کی سچی ادبیری کا کاج ہے
 نہیں ہے۔ دوسرا فسر جسے گملہ صاف کیا تھا عمر میں باسے مگر خوب اور زیر ہے
 نمالہ کے باغ کو اور سرو کی قطار کو اور قیدی حوضوں دیکھ کر
 تصور کو شاہ جہاںی دور یاد آگیا۔ کیا زمانہ تھا کہ وہ اگرہ اور دہلی سے
 تفریح کرنے اتنی دور آتے تھے۔ ایک ہم ہم کو موٹر میں لے رہے بنے
 ہوئے ہیں اور راستہ کی تکلیف سے ہمت پست ہوئی جاتی ہے۔
 تکلیف کی برداشت بھی ایک عادت ہے جس کو یہ عادت ہو وہ تکلیف
 کو برداشت نہیں کر سکتا میں باوجود برداشت کی عادت ہونے کے
 اس سفر سے گھبرا ہوا معلوم ہوتا ہوں۔

۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۵ھ ہجری مطابق ۸ اکتوبر ۱۹۳۵ء
 یوم جمعہ سفر افغانستان

نملہ سے روانگی ملک سلیمان میں نمل (چنیٹی) نے آنکھ
 کھولی تلی ہوئی دال ساتھ ہے۔ اس کا ناشتہ کیا۔ بے دودھ کی چار پی اور
 سات بجے روانہ ہوا خیال ہے کہ جمعہ کی نماز کا بل میں مل جائیگی۔

لاری سے ٹکر راستہ میں کابل سے پشاور جاتی اور آتی ہوئی لاریاں بکثرت ملتی ہیں جن میں میوہ جاتا ہے۔ ڈرائیور عموماً پٹھان ہوتے ہیں اور ایسی بے احتیاطی سے موٹر چلاتے ہیں کہ روزانہ میوے غاروں میں گرتی ہیں۔ چنانچہ میں نے راستہ میں جگہ جگہ گری ہوئی اور ٹوٹی ہوئی موٹریں دیکھیں۔

نملہ سے روانہ ہوتے ہی جان محمد نے سگرٹ نوشی شروع کی۔ وہ ہر پانچ منٹ کے بعد سگرٹ پیتا ہے اور میں ایک پان کھاتا ہوں۔ سگرٹ کی یہ حالت ہے کہ ہر دس قدم کے بعد ایک موڑ آتا ہے۔ پہاڑوں پر ایسی ہی چکر دار سڑکیں ہوتی ہیں۔ سگرٹ اگرچہ چوٹی ہے لیکن اس میں گڑھے ہیں اور پہاڑی روڑے اور بٹیاں ہیں۔ موٹر اچلتی ہوئی چکرتی ہوئی۔ ڈگمگاتی ہوئی چلتی ہے۔ ڈرائیور صاحب کے ہاتھ میں سگرٹ تھا۔ دوسرے ہاتھ میں ٹرک کا پیچھا۔ موٹر کا ہارن کیونکر بجاتے۔ اُدھر سے ایک لاری آرہی تھی اس میں بھی پٹھان ڈرائیور تھا اور سردی کے سبب اس کو بھی ہارن بجانے کے لئے کپڑوں سے باہر ہاتھ نکالنے کی بہمت نہ تھی آخر ایک موٹر اوپر سے لاری آئی نیچے سے میری موٹر گئی اور دونوں میں گم جوشی کا ایک معانقہ ہوا یعنی ٹکر ہوئی مگر دونوں ڈرائیوریں وقت پر ہوشیار ہو گئے۔ اور ہر ایک نے موٹر روک لی اس لئے زیادہ صدمہ نہ پہنچا نہ کوئی چیز ٹوٹی۔

البتہ یہ لطف ہوا کہ ہر ڈرائیور نے پشتون زبان میں ایک دوسرے کو گالیاں دیں۔ ان کی پشتوں کی تو معمولی بول چال بھی لٹانی معلوم ہوتی ہے

جان محمد نے کہا حضرت صفا کی برکت سے خیر ہو گئی ورنہ دونوں کا یہاں خاتمہ ہو جاتا۔ حضرت صاحب کا لفظ سن کر لاری کے ڈرائیور نے نہایت ادب و عقیدت کے انداز سے مجھے سلام کیا۔ **خاک جبار کی چڑھائی** دوپہر کے قریب خاک جبار پہاڑ کی چڑھائی شروع ہوئی جو اس قدر خوفناک ہے کہ کابل کے سفر کو ایک یا دو گار سفر بنادیتی ہے۔ ہر قدم پر معلوم ہوتا تھا کہ موٹر لڑکی اور کسی غار میں گرمی۔

مسلمان فاتح کیسے دلیر تھے کہ ان راستوں سے آتا جانا معمولی بات سمجھتے تھے۔

بت خاک خاک جبار کی دشوار گزار منزل ختم ہوئی تو بت خاک کی منزل شروع ہوئی جس کے بعد کابل آجائے گا۔

بت خاک بدھ مذہب کی حکومت کے زمانہ کا نام ہے یہاں بت خانہ تھا مگر اب اس کا نشان باقی نہیں ہے۔

کابل کی حدود باوجود کوشش اور جلدی کرنے کے دو بج گئے اور کابل نہ آیا۔ میری گھڑی میں دو بجے ہیں مگر کابل میں سوا بجا ہے۔ یہاں پون گھنٹے کا فرق ہے۔ میں اپنی گھڑی کا خیال کر کے یہ سمجھ لیا کہ اب جمعہ کی نماز نہیں ملے گی۔ ورنہ سوا بجا تھا۔ نماز مل جاتی۔

قلعہ بالاحصار کابل کا مشہور قلعہ بالاحصار دوسرے نظر آیا اور میری ملت پرست روح میں ایک خروش پیدا ہوا۔ کابل کے لاہوری دروازہ پر موٹر ٹرکی چنگی فالوں نے

ڈرائیور سے ”محضرت صاحب“ کا لفظ سن کر اسباب کلمائے نکیا۔ اور آگے جانے کی اجازت دیدی۔ یہ سب ہی فقراء کا ادب کرتے ہیں۔

کہاں ٹھہروں؟ ڈرائیور نے کہا کہاں جانا ہے میں نے کہا مجھے معلوم نہیں کہاں ٹھہروں گا۔ پشاور سے وزیر خاں کو تار دیا تھا انہی کے پاس چلو۔ معلوم ہوا جمعہ کی تعطیل کے سبب قریب نہیں ہیں۔ میں نے کہا وزیر صاحب کے گھر چلو۔ بازار میں وزیر صاحب کے مکان کا راستہ پوچھا۔ افغان اس محلہ میں یورپین ہیں بہت سے جمع ہو گئے اور ہر ایک نے راستہ کی تفصیل بتانی شروع کر دی۔ ایک خوبصورت نوعمر سپاہی دوڑ کر آیا اور موٹر میں بیٹھ گیا اور کہا چلو میں وزیر صاحب کے مکان پر پہنچا دوں۔ میں نے کہا اگر مکان دور باشد شمارا بواپسی تکلیف شروع اگر وزیر صاحب کا مکان دور ہے تو تم کو یہاں ڈالیں آنے میں تکلیف ہوگی۔ بولا ”نہ۔ خیر صاحب اگر دروس باشند نمی“ نہیں جناب اگر وہ روس میں ہوں تب بھی جاؤں گا۔ کچی دیواروں کے ایک عالیشان پھانک پر موٹر رکی باغ کے اندر سے ایک گورا چٹا لڑکا بھاگا ہوا آیا۔ اور کہا ”وزیر صاحب بیروں رفتہ اند“ وزیر صاحب شہر سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ البتہ ان کے والد موجود ہیں۔ میں نے کارڈ دیا۔ لڑکا بھاگا ہوا گیا۔ تھوڑی دیر میں سردار گل محمد خاں صاحب سابق غیر افغانستان تشریف لائے جن سے میری اٹھارہ سال کی دوستی

ہے۔ فیض محمد خاں صاحب زیر خاں انہی کے فرزند ہیں اور حضرت مولانا سید محمد بلال صاحب خلف حضرت مولانا سید شاہ ابوالخیر صاحب دہلوی کے ساتھ کابل سے باہر لوہ گھٹ گئے ہوئے ہیں۔

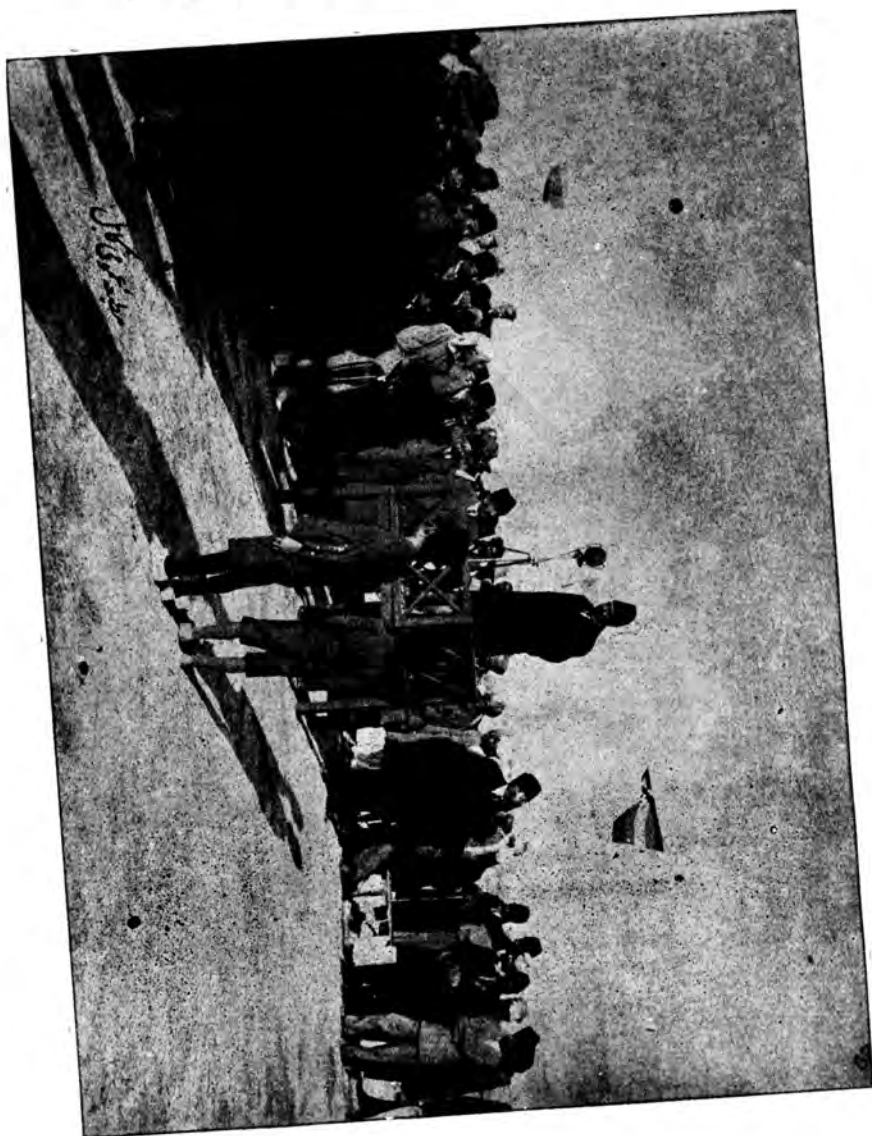
سردار گل محمد خاں صاحب نے سینہ سے لگایا اور کہا یہ بے اطلاع آپ کہاں سے آگئے۔ خدائے برہوں کی آرزو پوری کی کہ آپ ناگہاں میرے گھر پر آگئے۔ مجکو بڑا فخر ہوا۔ اسباب اندر لے گئے اور فوراً ”مرگرا“ خر بوزہ منگایا اور کھلایا سردہ سے بہت زیادہ شیریں اور لطیف تھا۔

مجھ پر نکان کا غلبہ تھا۔ بالوں میں خاک جمع تھی نیم غودی طاری تھی۔ گرم قالین پر بیٹھ گیا اور سردار صاحب سے باتیں کرنے لگا۔ **وزیر صاحب کی آمد** عصر کے بعد وزیر صاحب اور مولانا سید

محمد بلال صاحب بھی آگئے۔ مولانا صاحب بھی اسی مکان میں مقیم ہیں۔ دونوں سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ وزیر صاحب نے کہا۔ اعلیٰ حضرت (بادشاہ سلامت) کو آپ کی اطلاع ہو چکی ہے اور انہوں نے آپ کے قیام کا بندوبست کر دیا ہے۔ مگر ابھی آپ کو میرے مکان پر رہنا چاہئے۔ میں نے کہا میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ ایک رات یہاں آرام کروں کہ آپ کے والد اور مولانا سید بلال صاحب دہلوی یہاں ہیں اور اپنے گھر کی راحت معلوم ہوتی ہے۔

بادشاہ سلامت کا ٹیلی فون بعد مغرب وزیر صاحب

سردار فیض محمد خان صاحب وزیر خارجہ کی تقریر



کو بادشاہ سلامت نے ٹیلی فون پر یاد کیا۔ وزیر صاحب بات کر کے میرے پاس یہ پیغام لائے کہ اعلیٰ حضرت بعد سلام مسنون کے فرماتے ہیں:-

”میں آپ کا خیر مقدم کرتا ہوں اور خوش آمدید کستا ہوں۔ آپ میرے ذاتی تہمان میں میرے دسترخوان کا کھانا آپ کے لئے آئے گا۔ علیحدہ مکان کا بندوبست کروایا گیا ہے۔ مجھے اپنا بھائی تصور کیجئے۔“

میں نے وزیر صاحب کے ذریعہ سلام کے بعد جواب دلویا:-
خدا نے آپ کو فاتح بنایا ہے۔ آپ کے یہ الفاظ دلوں کو فتح کرنے والے ہیں۔ یقیناً آپ کو بھائی تصور کرتا ہوں۔“

کھانے کے بعد وزیر صاحب سے خوب باتیں ہوئیں۔ وہ سوئے چین کے تمام دنیا کا سفر کر چکے ہیں۔ اور نہایت دانشمند اور تعلیم یافتہ اور پابند مذہب نوجوان ہیں۔

رات کو تکان کے سبب جلدی سو گیا۔ سڑی سی تھی جیسی نومبر کے مہینہ میں دہلی میں ہوتی ہے۔

نزلہ کی شدت بڑھ گئی ہے۔ رات کو خوب غفلت کی نیند آئی
ہجری ۱۳۵۷ ذی القعدہ مطابق ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۷ء
پیر شنبہ۔ کابل

آج کا دن عکان کا اثر دور نہیں ہوا۔ ستری صریحاً

شاید آج شام تک یہاں آجائیں۔ میں نے دس بارہ خط لکھے۔ روزنامہ لکھا۔ دہلی کو تار بھی بھجوایا۔

کابل میں میرے آنے کی کسی کو خبر نہیں ہے تاہم سردار ایبٹورنگھ اور رحمت اللہ صاحب ہمایوں ملنے آئے۔

سردار صاحب انقلابی پارٹی کے ممبر ہیں۔ سانولارنگ ہے آنکھیں چکدار ہیں۔ میانہ قدر ہے۔ ہوائی جہاز کے ذریعہ روس جائینگے وہاں سے جرمن جائینگے۔ امریکہ کی غدر پارٹی سے تعلق رکھتے ہیں۔ امرتسر کے رہنے والے ہیں۔

میں نے کہا۔ بال تجھے بھی ہیں؟ مسکرا کر کہا ہاں تھے مگر سنا ہے ایک بچہ مر گیا۔ مجھے تو اپنے مقصد سے محبت ہے بال بچوں سے کچھ تعلق نہیں رہا۔ یہ کہا تو ان کی آنکھوں میں خوشی اور فخر کی ایک چمک پیدا ہوئی۔

یہ وہی صاحب ہیں جن کے لئے سردار سردول سنگھ صاحب کوشش نے مجھ سے دہلی میں سفارش کرنے کے لئے کہا تھا مگر یہ تو خود ہی افغانستان سے جرمنی جانے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ ہوائی جہاز کا ٹکٹ بھی لے لیا ہے۔

رحمت اللہ صاحب ہمایوں حاجی شمس الدین صاحب سابق سکریٹری انجمن حمایت الاسلام لاہور کے صاحبزادہ ہیں۔ یہاں شاہی سرتربان کے عہدہ پر مامور ہیں۔ ہجرت کی تحریک کے زمانہ میں یہاں آئے تھے۔

میں شام تک تاریخ محاربہ کابل و قندھار پڑھتا رہا جو

ہیں۔ مولانا سید بلال صاحب کے ساتھ کھانے اور نماز کا لطف رہتا ہے۔

مولانا سیف الرحمن صاحب آج مولانا سیف الرحمن صاحب

ملنے آئے تھے۔ یہ فتح پوری کی مسجد دہلی میں پڑھاتے تھے انقلابی خیالات رکھتے ہیں اور عرصہ سے ہجرت کر کے یہاں آ گئے ہیں ان کے لڑکے بھی ساتھ تھے۔

مولانا محمد بشیر صاحب لاہوری ایڈیٹر ”المجاہد“ بھی ملنے آئے۔ یہ بھی انقلابی مسلمان ہیں سرحد کے مقام چپرکنڈ میں رہتے ہیں جہاں مجاہدین اور مہاجرین کا جتھا آباد ہے۔

عصر کے بعد اسباب نئے مکان میں چلا گیا۔ اور میں مولانا سید محمد بلال صاحب اور وزیر صاحب کے ہمراہ ”دارالامان“

میں گیا جو امان اللہ خاں نے بنایا ہے۔ کئی میل کی شہر ہے جس کو دونوں طرف چنار کے نازک نازک درختوں کی قطار ہے

جو سرو کی طرح سیدھے اور بہت اونچے ہیں۔ ان کے سفید اور خوبصورت تنے دیکھ کر میں نے کہا ”ایں راہ سیم تنان است“ اس شہر کو

راہ سیم تنان کہنا چاہئے۔ باغ میں مغرب کی نماز پڑھی۔ یہ باغ کشمیر کے شالامار باغ سے بڑا اور بہت خوبصورت ہے۔ یہاں

امان اللہ خاں کی بنوائی ہوئی اور جبرین انجینئر کی بنائی ہوئی ایک بڑی عمارت ہے جس کو ”دارالحکومت“ کہتے ہیں۔ غازی نادر شاہ نے

اس عمارت کی چھت بنوائی ہے مگر اب بھی اس کی پوری تکمیل نہیں ہوئی ہے۔

وزیر صاحب کے کتب خانہ سے ملی ہے۔

وزیر صاحب اور ان کے والد سے انقلاب افغانستان کے حالات کی تفصیل بھی سنی حضرت مولانا سید محمد بلال صاحب دہلوی کے ساتھ کھانا کھاتا ہوں۔ نماز پڑھتا ہوں اور خوب خوش ہوں۔ نزلہ کی تکلیف بڑھ رہی ہے۔

مستری کی واپسی اشام کو مستری حبیب خاں نظامی پشاور سے پاسپورٹ کی تصدیق کر کے واپس آ گئے اور ان کے آنے سے مجھے اطمینان ہو گیا۔

آج بھی کہیں نہیں گیا۔ کیونکہ نزلہ میں آرام کرنا مفید ہوتا ہے بادشاہ سلامت نے جو مکان مقرر فرمایا ہے وہاں بھی گیا۔ کل جانے کا ارادہ ہے۔ آج یہاں اور آرام کروں گا۔

خدا کے فضل سے آج بھی رات کو آرام سے رہا۔ آج اخبار ”اصلاح کابل“ کے نمائندے ملنے آئے تھے

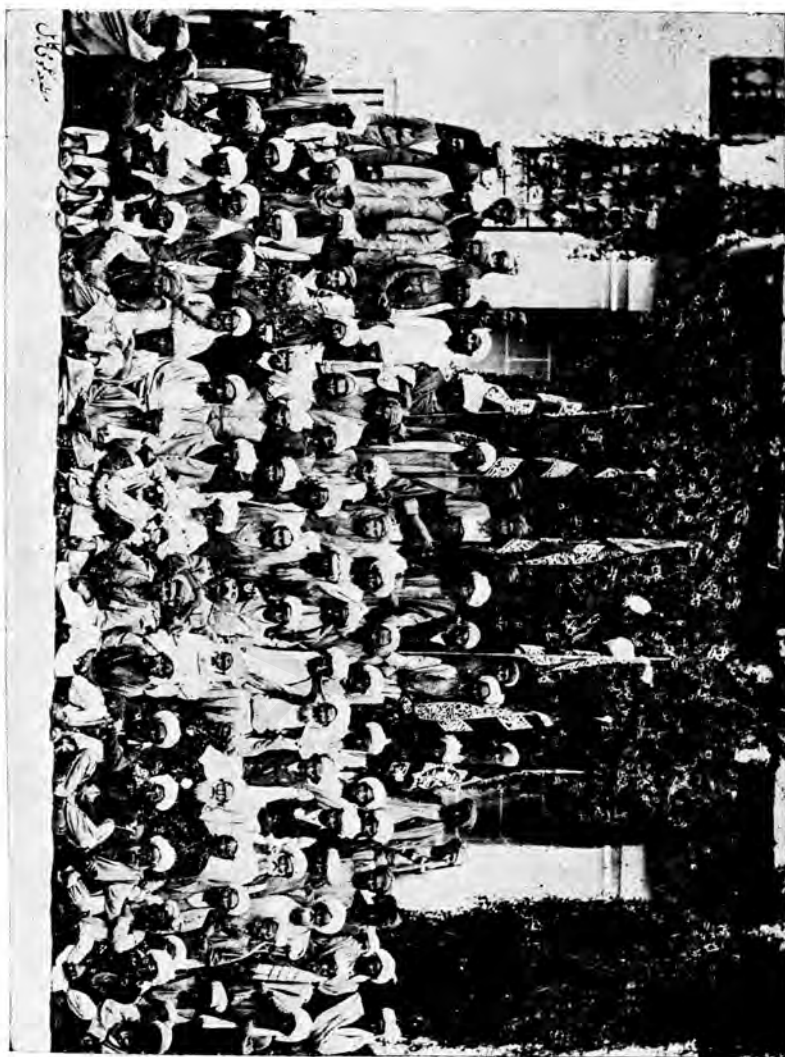
یہ سرکاری اخبار ہے ہفتہ میں دو بار شائع ہوتا ہے۔ معقول اشاعت ہے۔ نمائندے نے میرا بیان اپنے اخبار کے لئے حاصل کیا۔

۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۳ھ بمطابق ۲۴ ستمبر ۱۹۳۳ء

یوم یک شنبہ۔ کابل

آج کی کیفیت نزلہ کو آرام نہیں ہے۔ میں افغانستان سے واقف ہونے کے لئے دن بھر تاریخ افغانستان پڑھتا رہا۔ ڈالر گل محمد خاں صاحب ہر وقت میرے پاس رہتے ہیں اور باتیں کرتے

سردار علی احمد خان صاحب موحوم جماعت مجاہدین افغانستان کے ساتھ



سردار علی احمد خان

باغ میں شہزادہ احمد علی خاں صاحب سے ملاقات ہوئی جو احمد شاہ درانی کی اولاد ہیں اور لاہور میں رہتے ہیں۔ سردار علی احمد خاں شہید کے لڑکے بھی ملے۔ چاندنی رات میں خوب سیر کی اور خوش شعر بازی ہوئی۔ شہزادہ احمد علی خاں اردو کے اچھے ماہر ہیں اور ان کو شاعری کا بھی اچھا ذوق ہے۔ وزیر صاحب بھی ساتھ تھے۔ قیام گاہ پر آیا۔ بہت آراستہ مکان ہے۔ قالین اور مسہریاں اور میزیں گریساں ضرورت سے زیادہ ہیں۔ شاہی دسترخوان کا کھانا آیا۔ بادشاہ سلامت نے اپنی خدمت کے ایک خاص سید زادہ سید مومن کو بھیجا جنہوں نے نہایت ادب و سلیقہ کے ساتھ کھانا کھلایا اور سونے کے وقت تک حاضر رہے۔ نو عمر ہیں اور بہت شائستہ اور مہذب ہیں۔

سردار عبدالقدوس خاں صاحب جو سابق صدر اعظم افغانستان کے صاحبزادہ بھی شریک طعام ہوئے۔ ان کو بھی میری ہمانداری کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔

محمد رفیعی خاں نظامی خلع گورنر کشمیر بھی ملے آئے جو یہاں چمڑے کے کارخانہ میں لگے رہیں اور میرے پرانے فرید ہیں۔ سفرنامہ کی تیاری کر رہا ہوں۔ جزئیات کی تفصیل اس میں لائیگی۔ کل سے کابل کی سیر شروع ہوگی۔ بادشاہ سلامت نے خاصہ کی ایک موٹر مقرر کر دی ہے جو ہر وقت موجود رہے گی۔ سید مومن صاحب نے بچہ سقہ کی موت کے حالات سنائے وہ اس کے قتل کے وقت موجود تھے۔ کہتے تھے بارہ آدمیوں کو

ایک وقت میں گولیوں سے مار گیا۔ مرنے سے پہلے ان کو خون خشک ہو گیا تھا اور چہرے سفید ہو گئے تھے۔ گولیاں لگنے کے بعد خون بہت کم نکلا۔ رعایا بچہ سقہ کے ظلم سے اس قدر ناراض تھی کہ اس کی لاش کے جوتیاں ماریں اور ایک عورت نے اس کا گوشت کاٹ کر کباب بنائے اور سب کے سامنے کھائے۔ رات کو آرام سے سویا۔ سردی بڑھ رہی ہے۔

۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۸ھ ہجری بمطابق ۱۲ ستمبر ۱۹۳۹ء

یوم دوشنبہ۔ کابل

اسٹریٹس ماشے | ”ماندہ نباشید“ تم کو تنکان نہ ہو۔ تم ہشاش بشاش رہو۔ افغانستان میں یہ لفظ بہت عام ہے۔ پشتو بولنے والے جب کسی سے ملنے ہیں اسٹریٹس ماشے کہتے ہیں۔ سننے والا جواب دیتا ہے ”خوارے یے“ تم بھی سلامت رہو۔“ لفظی معنی شاید یہ ہوں کہ تم کو خواری دلت نہ ہو۔ فارسی بولنے والے کہتے ہیں ”ماندہ نباشید“ تم تازہ دم رہو۔ تم ہر ماندگی سے محفوظ رہو۔ اسکے جواب میں ”سلامت باشید“ کہا جاتا ہے۔ پھر دونوں کھڑے ہو کر جوڑ ہستی (تم ہست ہو) خوب ہستی (تم اچھے ہو) احوال شما گود (اپنا حال کہو) عیاں اطفال خوب ہستند (بال بچے اچھے ہیں) خوش آمدی (خوب آئے) غرض یہ کہ چند منٹ مذکورہ الفاظ کی تکرار ہوتی ہے اور دونوں بڑی گرمجوشی سے یہ الفاظ کئی کئی دفعہ استعمال کرتے ہیں۔

صبح ناشتہ کر کے سید مومن کے ساتھ سیر و زیارات کے لئے روانہ ہوا۔ خاصہ کی شاہی موٹر صبح سے رات تک حاضر رہتی ہے پہلے روز ناچہ تیار کیا۔ خطوط ۳۸ عدد لکھے اور دہلی بھیج دیئے۔

مزار عاشقان عارفان | ان مزارات کی نسبت بیان کیا گیا۔ کہ کسی صحابی رسول کے فرزندوں کے مزارات ہیں گویا یہ دونوں تابعی ہیں۔ ان کے والدین نے حضور رسول مقبول کی دعوت کی تھی۔ یہ دونوں بچے اس وقت تنوریں گرم کر گئے مگر ماں باپ نے اس حادثہ کو پوشیدہ رکھا۔ حضور نے کھانے کے وقت بچوں کو بلا یا تو معلوم ہوا کہ کھیلے میں حادثہ ہو گیا اور بچے تنوریں گرم کر رہے مگر ماں باپ نے حضور کی دعوت کے خیال سے صبر کیا اور خبر نہ دی۔ حضور نے دونوں بچوں کی لاشوں کو سامنے منگایا اور دعا کی۔ بچے زندہ ہو گئے اور معجزہ سے مدتوں زندہ رہے۔

یہ دونوں بڑے ہوئے تو حضرت عثمانؓ کی خلافت میں اسلامی فوج کے ساتھ جہاد کے لئے کابل آئے اور یہاں شہید ہوئے۔ کابل والے ان کو عاشقان عارفان کہتے ہیں اور ان کی درگاہ مشہور ہے۔

دریائے کابل کے پل سے عبور کر کے تنگ گلی کو چوں سے ان مزاروں کا راستہ گیا ہے۔ مزارات الگ الگ ہیں مقبروں کی تعمیر ہی معلوم ہوتی ہے۔ لکڑی کی چھتیں ہیں مزار بہت لمبے ہیں۔ شاید سات آٹھ گز لمبی قبریں ہیں۔ افغانستان

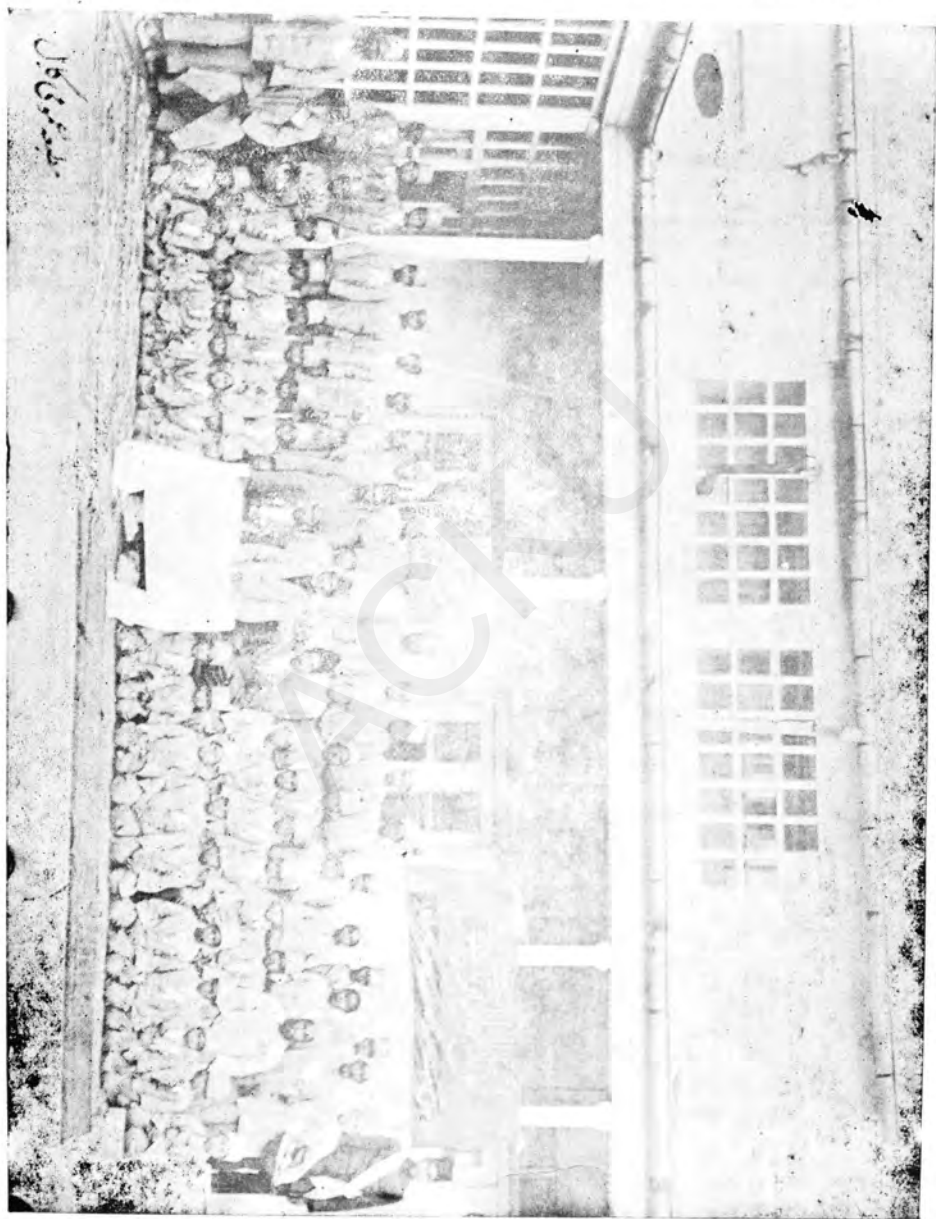
کے دستور کے موافق قبروں کے چاروں طرف چوبی جنگلہ ہے جو بند ہے۔ جالیوں سے زیارت کرتے ہیں۔ مزار اندر سے گرد آلود تھے۔ مزار چوٹ کے بنے ہوئے تھے۔ بانسوں اور بلیوں پر جھنڈے لگے ہوئے تھے اور یہ بانس بلیاں بے تمیزی سے قبروں پر کھڑی تھیں۔ یہاں نئے زمانہ کی تعمیر کے کتبے بھی ہیں جو میں نے سفرنامہ کے لئے نقل کئے۔

نادری یتیم خانہ | ان درگاہوں کی زیارت کر کے واپسی میں نادری یتیم خانہ دیکھا جو غازی نادر شاہ نے قائم کیا ہے ۵۶ یتیم لڑکے عمدہ قالینوں پر بیٹھے پڑھ رہے تھے۔ میں نے ایک یتیم سے سوال کیا۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد کیا کام کرو گے؟ دلیری سے جواب دیا وطن کی خدمت کروں گا۔ بچوں کی تصویر اور پورے حالات سفر نامے کیلئے حاصل کئے گئے۔

کابل کا دریا | دریا کا نام سن کر خیال آریگا کہ گنگا جمن سے بڑا دریا ہو گا کیونکہ کابل کا نام سن کر تو ہر چیز ایک پہاڑ کی طرح بہت بڑی ہو کر تصویر میں آتی ہے مگر دریائے کابل کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ کسی شاعر نے اس کو دریا کہہ دیا ہو گا ورنہ پندرہ بیس گز چوڑی ایک نہر ہے جو سوکھی ہے اور تھوڑا سا پانی اس کے اندر اس طرح رینگ رینگ کر چل رہا ہے جیسے مجھ نالواں کی رگوں میں خون۔

یہ دریا کابل شہر کے وسط میں بہتا ہے۔ اسی کے کنارے بازار کی دکانیں ہیں۔

نادری یتیم خانہ کابل — غازی محمد نادر شاہ کے دور حکومت کی یادگار



عاشقاں عارفان کی زیارت کر کے آیا تو بازار کا نام پوچھا کہا گیا۔ ”سہ دکان“ میں نے کہا یہاں تین نہیں بہت سی دکانیں ہیں۔ جواب ملا پہلے یہاں تین دکانیں تھیں اب بڑھ گئی ہیں۔

بازاریں ایک آدمی دکان پر بیٹھا حضرت امام حسین علیہ السلام کی لڑائی کا قصہ خوش لہنی سے پڑھ رہا تھا۔ عورتیں بازاریں فرش خاک پر بیٹھی قصہ سن رہی تھیں۔ کچھ مرد بھی سن رہے تھے مگر عورتیں قصہ گو کی طرف پیٹھ کئے بیٹھی تھیں اور بازار کی خاک کو قالین سمجھ رکھا تھا۔

یہ قوم زندگی کی ہر چیز سے زیادہ جنگی افسانوں کو محبوب رکھتی ہے۔ عورت مرد۔ بچے بوڑھے سب میں جنگی ولولہ ہے۔

مزار عاشقاں عارفان کے برابر پہاڑ ہیں۔ پہاڑ کے وسط میں ایک عمارت نظر آئی۔ معلوم ہوا عالمگیر بادشاہ کے زمانہ میں کوئی درویش یہاں رہتے تھے ان کا مزار ہے۔

افغانستان کی پہلی مسجد واپسی میں کابل دریا کے کنارے ایک مسجد دیکھی اور کہا گیا کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے زمانہ میں اسلامی فوج نے کابل کو فتح کر کے یہ مسجد بنائی تھی اور افغانستان کی پہلی مسجد یہ ہے۔ امان اللہ خاں کی حکومت کے زمانہ میں اس مسجد کو از سر نو بنایا گیا ہے۔

رسول اللہؐ نے پشتو میں بات کی افغانستان میں یہ بات بہت مشہور ہے کہ رسول اللہؐ نے ایک دفعہ فرمایا کہ اہل

جنت کی زبان عربی ہوگی اور دوزخ والوں کی زبان عجمی ہوگی۔ خالد بن ولید بن عتبہ بن عکرمہ سلیمانی (افغان) نے یہ حدیث سنی تو اس کو بہت رنج ہوا کہ میری زبان پشتو ہے اور عجمی ہے اس لئے دوزخ کی زبان ہے۔ پس خالد نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہونا ترک کر دیا۔ حضورؐ نے سبب پوچھا اور یہ سن کر کہ خالد بن ولید افغان کو زبان پشتو کے سبب رنج ہے تو حضورؐ خود خالد بن ولید افغان کے مکان پر تشریف لے گئے اور خالد کو پشتو زبان میں آواز دی۔ اور لفظ ارشاد فرمایا

”اللّٰهُمَّ ارْشِدْ رَاسِي لِيَسْمَعُ لِيَسْمَعُ رَاسِي“

اے خالد! ادھر آ اور تیرا کمان لا۔

خالد حضورؐ کی زبان سے پشتو لفظ سن کر خوش ہو گئے اور پھر جہاد میں بڑے بڑے کام کئے۔

میں نے اس حدیث اور خالد کے نسب کی پوری تحقیقات مقبرہ کتابوں سے سفرنامہ کیلئے تیار کر لی ہے جو نہایت ہی دلچسپ ہے اور مجھے یقین ہے کہ پشتو میں بات کرنے کی روایت درست ہے۔ اور حضورؐ رسول مقبولؐ ہی نے افغانوں کو ”پتان“ کا لقب دیا تھا۔ اور سب افغان بنی اسرائیل یعنی حضرت سلیمانؑ پیغمبر کی اولاد ہیں اور اسی لئے سلیمانی کہلاتے ہیں۔ بخت نصر بادشاہ کے فتنہ کے زمانہ میں افغانستان میں آ گئے تھے حضورؐ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے تو ان کے چند سردار حضورؐ کی خدمت میں جا کر مسلمان ہو گئے۔

شاہ دو شمشیرا دریائے کابل کے کنارے قدیمی مسجد کے بعد ایک سڑک ہے اور سڑک کے کنارے حضرت شاہ دو شمشیرا کا مزار ہے جو صحابی رسول تھے اور قیس نام تھا۔ کفار کابل سے جہاد ہوا تو ان کے دونوں ہاتھوں میں تلواریں تھیں اور دونوں تلواروں سے جہاد کر رہے تھے۔ اس لئے شاہ دو شمشیرا کے نام سے مشہور ہوئے۔

میں نے گنبد کے اندر جا کر مزار کی زیارت کی۔ کتبہ پڑھا نہیں گیا۔ کسی افغان امیر کی لڑکی کی قبر بھی وہاں بنا دی ہے۔ باہر بھی چند قبریں ہیں جن پر کتبے لگے ہوئے ہیں۔ مگر یہ سب بعد کی ہیں۔

ڈاک خانہ اس مزار کے قریب فغانی ڈاک خانہ بھی ہے جہاں میں نے روز نامہ چتر پٹری کر کے دہلی روانہ کیا۔ ریڈیو زبان میں ملی اور میرا دل اس کو دیکھ کر باغ ہو گیا۔ سفرنامہ میں اس سید کی نقل بھی شائع کروں گا۔

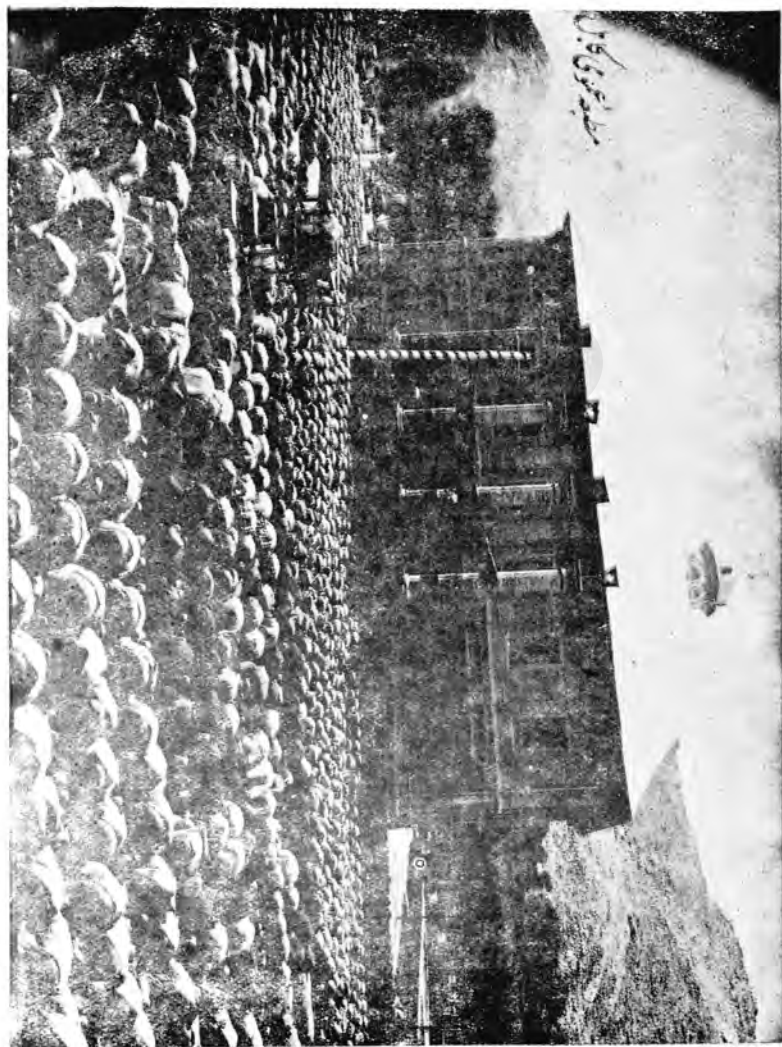
قیام گاہ ایک بچے قیام گاہ پر آیا۔ کھانا کھایا۔ شاہی دسترخوان سے کھانا آتا ہے۔ کئی قسم کے پلاؤ۔ کئی قسم کے سالن روٹیاں ایسی چوڑی جھکی جیسے ہاتھی کے کان۔ طرح طرح کی مٹھائیاں اور قسم قسم کے میوے۔ مرغ اور دنبہ کا گوشت ہر چیز میں ہے اور چیر لئے یہ غذا میں ہر مہینے۔ بوا سیر کا خون صبح شام آتا ہے۔ نزلہ بھی بڑھ گیا ہے۔ کھانا اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ تیس چالیس آدمی کھالیں۔ بادشاہ سلامت نے

خیال کیا ہو گا۔ بھوکے ملک کا پیر ہے خوب کھاتا ہو گا یا خوش کھائے تاکہ موٹا تازہ ہو کر اپنے ملک میں جائے مگر بادشاہ سلامت نے افغانی معہ ہضم کر نیکے لئے نہیں بھیجا۔

سفیر ترکی اظہر کی نماز کے بعد ترکی سفیر سے ملنے گیا۔ بڑی شاندار کوٹھی ہے مگر باہر سے کچھ دیواریں ہیں۔ کابل میں سب امیروں و وزیروں کے مکان کچھ ہیں۔ کچھ اینٹوں کی دیواریں جن کو اوپر بھس اور پٹی سے لپ دیتے ہیں مگر مکانوں کے اندر خوب آرائش ہوتی ہے۔ ہر جگہ قیمتی قالینوں کے فرش ہوتے ہیں۔ پہلے عارف امین صفا ترک میز نشی سے ملاقات ہوئی مٹر چرچل کا چہرہ تھا۔ خیال ہوا۔ مٹر چرچل جنرل ون شٹڈ کے ساتھ قید ہو کر آگئے ہیں۔

سفیر صاحب اطلاع ملتے ہی باہر آگئے۔ دہلی میں ملاقات ہو چکی تھی۔ بہت اخلاق سے ملے۔ مکتف ناشتہ میز پر آتے کرایا۔ مگر میں نے فقط سادہ (بیغ و دودھ کی) چائے پی۔ سفیر صاحب نے کہا کہ میں دہلی سے کابل تک موٹر میں آیا تھا۔ میں نے چاہا کہ کابل کے راستہ کی خرابی بیان کر کے اپنے سفر کی داد لوں کہ بڑی مشکل سے کابل تک پہنچا ہوں۔ مگر سفیر صاحب نے اس راستہ کی خرابی کو بہت معمولی کہہ کر مجھے دم بخود کر دیا۔ زندہ آؤنا تو میں سب مشکلات کو معمولی تصور کرتی ہیں اسی لئے زندہ آؤں آزاد ہیں اور ہم غلام لوگ معمولی تکلیف سے گھبرا جاتے ہیں اس لئے محکوم اور غلام ہیں۔ میرے دل نے اس سفر کی جو اہمیت

کابل مہن عید کی نماز



قائم کی تھی وہ سفیر صاحب کی بات سن کر پانی پانی ہو گئی۔
 سچ ہے سفر ابن بطوطہ کا تھا۔ یا اور دوسرے سیاحوں کا نہ ہو
 نہ ریل نہ ٹرک نہ امن نہ گروہ تمام دنیا کا چکر لگاتے تھے او
 ذرا نہ گھبراتے تھے۔ ہم کو نئی روشنی کے تمدن نے آرام طلب
 بنادیا ہے۔ بہر حال آج کی گفتگو سے میری ہمت سفر میں ایک
 نئی روح پیدا ہو گئی۔

باغی قیدی | سفیر ترکی سے مل کر واپس آیا تو راستہ
 میں قیدیوں کا ایک گروہ ملا۔ پیروں میں بیڑیاں تھیں
 اور ہاتھوں میں تسبیح۔ چہرے مطمئن اور بشاش تسبیح پڑھتے
 ہوئے آہستہ آہستہ جا رہے تھے۔ میں نے ان کو حیرت
 سے دیکھا اور انہوں نے مجھ کو غور اور توجہ سے دیکھا معلوم
 ہوا تپہ سقہ کے ساتھی ہیں۔ بغاوت کے جرم میں قید ہیں
 اسلامی ملک ہے نماز و تسبیح کی اجازت ہے۔

عباس آفندی | ایک ہندوستانی نوجوان ملنے آئے
 عباس آفندی نام ہے۔ ترکی سفارت خانہ میں ترجمان ہیں
 بہت خلیق اور ملنسار ہیں۔ میں نے ان کو سفیر صاحب کی
 کے ایک آل کا جواب سمجھایا کہ شاید میری فارسی بولی سفیر
 صاحب سمجھے ہوں تو آپ سمجھا دیں۔

مسٹر رحمت اللہ ہمایوں بھی ملنے آئے۔ مسر دارگل محمد
 خاں صاحب بھی ملنے آئے۔ وہ یہاں بھی دن میں دوبار
 ملنے آتے ہیں اور خوب باتیں ہوتی ہیں۔

دارالامان کی سیر | شام کو مستری حبیب خاں نظامی اور
 مرتضیٰ خاں نظامی اور سید مومن کے ساتھ دارالامان کی سیر
 کیا۔ مغرب کی نماز باغ کے ایک بروج میں پڑھی۔ چاروں طرف
 پھول تھے۔ چشمے زور سے بہہ رہے تھے۔ ہوکا عالم اور خوشی
 چھائی ہوئی تھی۔ باغ کتنا تھا کہ مجھے دیکھ کر مین میں کی بہشت
 ہوں۔ میں کتنا تھا شاد کی بہشت مجھ سے زیادہ شاد رہی
 اور اس میں بہشت کے سب مان موجود تھے مگر شاد اس کو
 نہ دیکھ سکا۔ اسی طرح مجھ کو بھی تیرا بنانے والا امان اللہ خاں
 ایک دفعہ بھی نہ دیکھ سکا اور جب وہ ملک کو چوروں کے
 حوالے کر کے قذحار کی طرف بھاگا تو اسی باغ کے پاس
 سے گزرا اور حسرت سے اس منظر کو دیکھتا ہوا چلا گیا۔

نماز کے بعد چشموں کے کنارے چاندنی رات کی
 بہار دیکھی۔ چاندنی پہاڑی چشموں میں غوطے لگا رہی تھی اور
 اپنے سفید جسم کو پانی کی رفتار میں اس طرح غلطال بیچاں کر رہی
 تھی جس طرح آجکل کی نئی روشنی والے اپنے عقائد کو
 یورپ کے الحاد میں غوطے دیا کرتے ہیں۔

سرور گویا | آج شہزادہ احمد علی خاں کے ساتھ ایک خوبصورت
 جان بھی آئے تھے۔ سرور گویا نام بتایا۔ آنکھوں کے دلکش
 حسن میں علمیت و شرافت کا ایک خمار بھی ہے۔ افغانستان کے
 بہت اچھے ادیب ہیں۔ فارسی کے بے شمار اشعار یاد ہیں
 تاریخ پر عبور رکھتے ہیں جس صورت کے ساتھ حسن سیرت بھی

غیر معمولی ہے۔

دس بجے رات | یہاں حکم ہے کہ رات کو دس بجے تک سب لوگ اپنے گھروں میں چلے جائیں۔ دس بجے کے بعد جو راستہ میں نظر آئے گا اور پولیس کا خفیہ جملہ یاد نہ ہوگا تو گرفتار کیا جائے گا۔ گرفتاری میں مزاحمت کرے گا تو گولی مار دی جائے گی۔

اس لئے میرے ملاقاتی دس بجے چلے جاتے ہیں۔
دریچہ کی سیر | جب سب چلے گئے تو میں نے کمرہ کا دریچہ کھول لیا اور جاننا دیکھا کہ بیٹھ گیا اور چاندنی میں باہر کے منظر کو دیکھنے لگا۔ بالاحصار قلعہ اور پہاڑ اور شہر کی عمارتیں اور موجودہ بادشاہ کا ارک (قلعہ) سامنے تھا۔

تصور نے دکھایا۔ آریہ قوم شہر آریا (پہلے آریا نام تھا پھر ہری نام ہوا۔ پھر ہرات مشہور ہوا جو اب بھی ہرات کہلاتا ہے۔ ہندو قوم اسی مقام سے ہندوستان میں آئی تھی) سے ہندوستان جا رہی ہے۔ پھر سکندر رومی کو دیکھا۔ فوجیں لے ہندوستان جا رہا ہے۔ پھر ایرانی فوجوں کو دیکھا ہندوستان جا رہی ہیں۔ پھر صحابہ رسول کی فوجوں کو حملہ آور دیکھا۔ پھر محمود غزنوی۔ شہاب الدین غوری اور احمد شاہ ابدالی کے جوش جہاد کی بہار دیکھی۔ پھر اپنی غلامی اور ناکیسی اور ناتوانی کو دیکھا۔ رونا آگیا۔ جاننا اٹھائی۔ پلنگ پر لیٹ گیا۔ نیند بہت دیر میں آئی۔

بواسیر کے خون نے جسم کی طاقت کو بہت کم کر دیا، نزلہ دہلی سے شروع ہوا تھا۔ اب تک موجود ہے۔ پکنا بھی نہیں۔ دوائیں کھا رہا ہوں مگر کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔

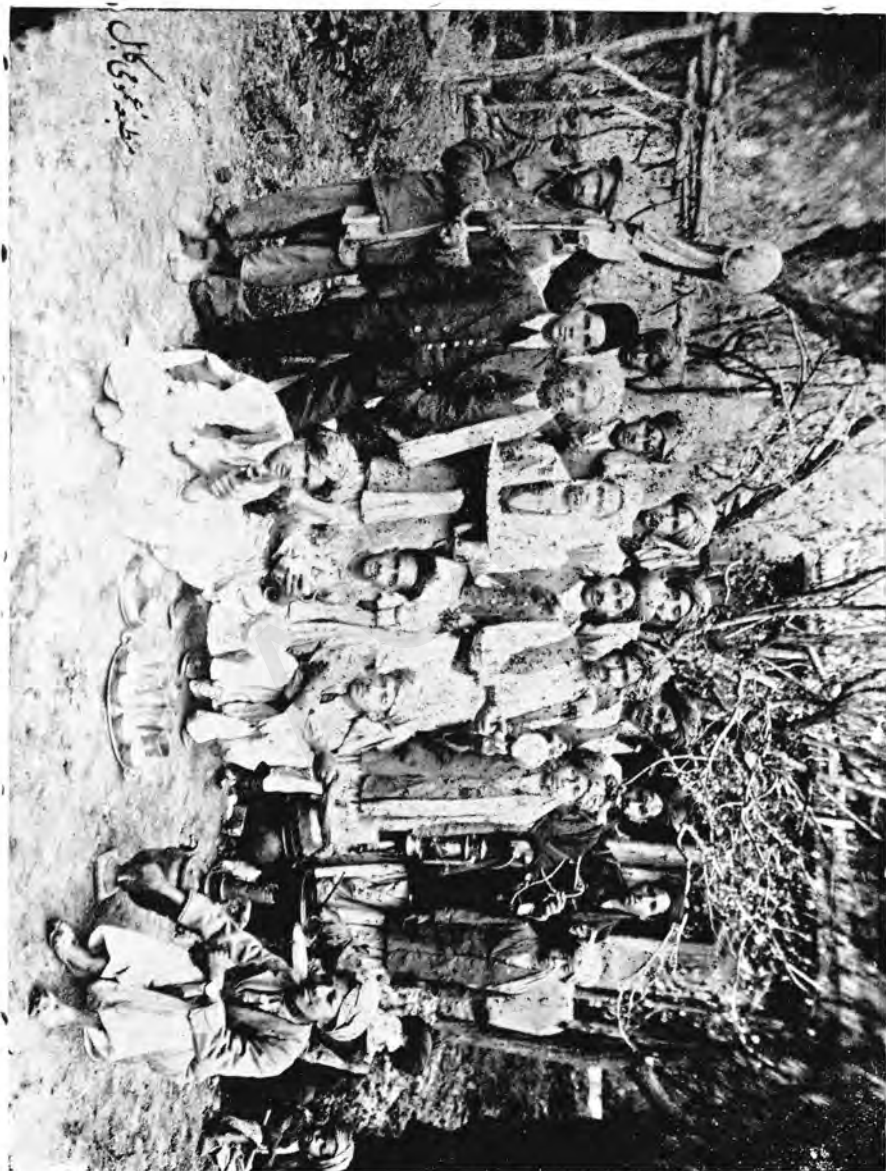
کوئی ہے؟ جو بواسیر و زکام کو میرا فرمان پہنچائے کہ ماجنا غنیمت مآب تم دونوں کو آگاہ کرتے ہیں کہ تم کتنا ہی زور دکھاؤ ہمارا غم تم سے مغلوب نہیں ہوگا۔ ہم پھر ارشاد فرماتے ہیں کہ نہیں ہوگا۔ اور اگر میں مغلوب ہو بھی گیا تب بھی تم دونوں کی اطاعت سے سرکشی کرتا رہوں گا اور روز تم کو ستا رہوں گا۔

۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۵ھ بمطابق ۲۲ ستمبر ۱۹۳۶ء
یوم شنبہ۔ کابل

دو۔ بو | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عیسیٰ کی تعظیم کرانے کے لئے فرمایا تھا قیوم السیّد کڈ اپنے سردار کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ فرانسیسی زبان میں اس حدیث کا ترجمہ کرنا ہو تو کہیں گے۔ ”دو۔ بو“ کھڑے ہو جاؤ۔ فارسی میں کہا جائے گا۔ ”برخیز“ اردو میں کہنا ہو تو ”کھڑے ہو جائیے۔ اٹھئے“ کہا جائے گا۔

مجھے بھی ایک نیک انسان کی عزت کرنی ہے۔ ایسا انسان جو افغانستان کا فرمانروا ہے۔ تاجدار ہے۔ ملک و ملت کا خادم ہے۔ دین کا بھائی ہے۔ وہ دُلا دُلا۔ وہ لمبا

نوجوان افغانونکی ایک جماعت



وہ سفید ڈاڑھی والا۔ وہ فصیح و بلیغ اُردو بولنے والا۔
جو غازی ہے جس کے جہاد فی سبیل اللہ کی توہین گواہ
ہیں۔ بندوقیں اور تلواریں اور سنگینیں اور سپتول اور بمب
شہادت دیتے ہیں کہ اس نے محض اللہ کے حکم سے اللہ کی
رضامندی کے لئے اپنے ملک و قوم کو آزاد کرانے کے لئے
جہاد کیا اور ملک و ملت نے اس بنا پر اس کو غازی کا لقب
دیا اور جس کو اعلیٰ حضرت بھی کہتے ہیں اور جو اپنے حسن عمل سے
یقیناً اعلیٰ حضرت مشہور ہونے کا مستحق ہے۔

آج صبح بوا سیر کا خونی حملہ مجھ پر بہت سخت تھا۔ ٹڈھال
پڑا ہوا تھا کہ وزیر صاحب صبیحہ خارجہ تشریف لائے اور
اطلاع دی کہ اعلیٰ حضرت غازی نادر شاہ نے گلیاہ بچے طلاق
کا وقت مقرر کیا ہے۔ میں نے کہا۔ دُو۔ بُو۔ میں اُن کے
پیغام کی تعظیم کرتا ہوں مگر کھڑا نہیں ہو سکتا ذرا لیٹا ہوں۔
مگر فوری کے سبب چکر آرہے ہیں۔ مگر چکر آنا تو ایک
محاورہ ہے ورنہ کون آتا ہے کون جاتا ہے۔ یعنی نہ کوئی آتا
ہے۔ نہ کوئی جاتا ہے۔

گلیارہ بچے قصر دل کشائیں گیا جوارک (قلو شاہی) کے
اندھے اور بہت خوبصورت اور شاندار محل ہے۔ ایک راستہ
ہال کے اندر سے گزر کر زمین پر گیا۔ جگہ جگہ سلع افغان کھڑے تھے
بالا خانہ پر وزراء اور فوجی جنرل کرنل ہاتھ باندھے خاموش
کھڑے ہوئے تھے۔ میں سیدھا شاہی کمرہ میں گیا۔

بادشاہ سلامت میرے اندر داخل ہوتے ہی کمرہ میں
آگئے۔ پتلون کوٹ پہنے ہوئے سر پر ناختی نگ کی کھال کی
اوچی یا پاخ۔ چہرہ کتابی۔ ڈاڑھی سفید اور کہیں کہیں کالے بال
گوار رنگ۔ لمبا قد۔ چہرہ پابدن۔ آنکھوں میں دانائی اور نیکی
کا نور۔ چہرہ پر تعجب گرا ہونے کے نمایاں آثار۔

آگے بڑھے۔ جھک کر مصافحہ کیا۔ خوش آمدید کی مروجہ
تکرار کی۔ ہم دونوں کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ کمرہ ملکی سامان آرایش
سے آراستہ تھا۔ وزیر خارجہ بھی بیٹھ گئے۔ پون گھنٹے تک گفتگو
ہوئی۔ زیادہ وقت خدا کی ذات پر بھروسہ کرنے اور انسانی تدبیر
کے نقائص کی بحث میں گزرا۔ ان کی گفتگو بہت سنانت
آمیند اور سنجیدہ ہوتی ہے۔ بادشاہ سلامت
کا عقیدہ ہے کہ انسانی تدبیر اچھی ہے مگر فضل خدا اور تائید
خدا کی محتاج ہے۔ انہوں نے ذاتی حالات بیان کر کے فضل
ربانی کے کرشمے سنائے۔ زبان اُردو ایسی صاف اور شستہ
تھی گویا کوئی شائستہ ولی والا بول رہا ہے۔

خدا کی عظمت اس شخص کے دل پر اتنی زیادہ ہے اور
دل ایسا گداز اور نرم ہے کہ بات کرتے کرتے آنکھوں میں آنسو
آجاتے تھے۔ اور مجھ سنگدل پر بھی رقت طاری ہو جاتی تھی۔
اب اسلامی دنیا میں اس مسلمان بادشاہ کے سوا اور
کوئی بادشاہ ایسا پابند مذہب و سچا و پکا مسلمان نظر نہیں آتا۔
بارہ بچے کی توپ چلی تو میں نے رخصت چاہی بادشاہ

سلامت کھڑے ہو کر معاف کیا اور میں ایک خاص اثر لیکر واپس آیا۔
بادشاہ میں کینہ نہیں ہے | میرا خیال تھا بادشاہ ان لوگوں کی شکایت کرینگے جو امان اللہ کی حمایت میں نادر شاہ کو برا کہتے ہیں۔ اور خود امان اللہ خاں کی برائیاں بھی بیان ہوں گی۔
 کیونکہ کابل میں سب نئے پڑائے افغان گزشتہ انقلاب کے حالات بیان کرنے کے وقت امان اللہ کی ذاتی ضروریات کی بہت شکایتیں کرتے تھے اور میرا خیال تھا کہ نادر شاہ بھی ایسا ہی کہیں گے۔

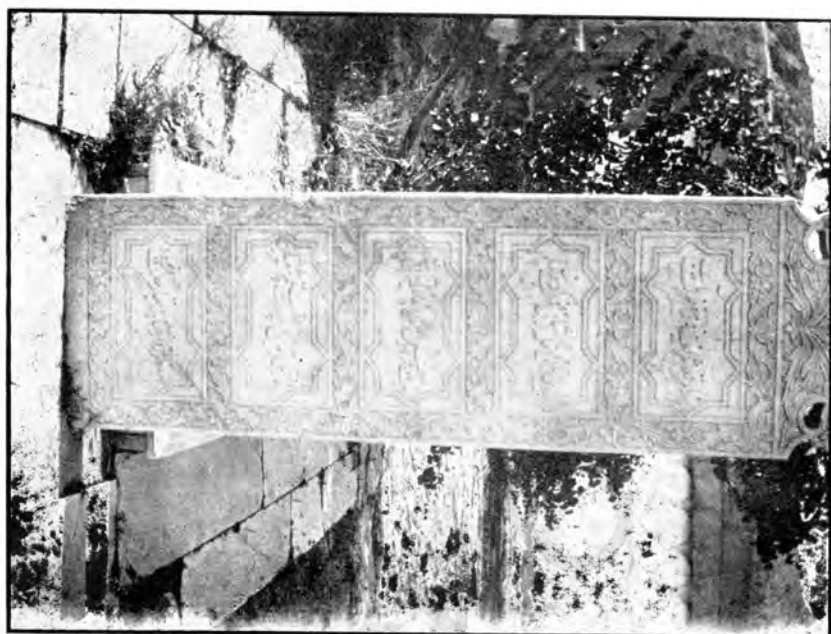
مگر آفریں ہے۔ نادر شاہ کا ظرف بڑا عالی ہے انہوں نے ایک حرف کسی مخالفت کے خلاف زبان سے نہ نکالا۔ بس اتنا کہا کہ اللہ تعالیٰ نے غازی امان اللہ خاں کو اتنی عزت و ناموری عطا فرمائی کہ یورپ کے بڑے بڑے بادشاہوں کو شاید اتنی ہی عزت ملی ہوگی مگر انہوں نے بشریت کے یہ خیال کیا کہ یہ عزت ان کو اپنی تدبیر کے سبب حاصل ہوئی حالانکہ یہ سب خدا کا فضل تھا اور خدا کو یہ غور ناگوار ہوا اور اس نے اپنی شان دکھادی کہ چہرہ قد ایک چودہ اور ڈاکو نے اتنے بڑے شخص کو مغلوب کر لیا۔

والپسی | میں ایک خاص اثر اور کیفیت لے کر قیام گاہ پر واپس آیا۔ کھانا کھایا۔ ظہر کے بعد محمد یوسف خاں صاحب ملے آئے کہ اعلیٰ حضرت نے آپ کو کابل کے تاریخی مقامات دکھانے کے لئے مجھے مامور فرمایا ہے۔ میں ان کے ساتھ روانہ ہوا محمد رفیق خاں نظامی بھی ساتھ تھے۔

مزار شہنشاہ بابر پہلے شہنشاہ بابر کے مزار پر گیا۔ راستہ میں میر حبیب اللہ خاں کا بنایا ہوا ایک محل ملا۔ پھر بابر کا مقبرہ آیا۔ کابل سے کئی میل باہر ہے۔ بابر نے اونچے پہاڑ پر ایک بہت خوبصورت باغ بنایا تھا۔ اسی باغ میں اس کو دفن کیا گیا۔ باغ میں ایک خوبصورت عمارت بھی ہے۔ جہاں پہلے جرنی سفیر رہتا تھا اور آج کل خالی ہے۔ بابر کی قبر کھلے میدان میں ہے۔ سنگ مرمر کا نقوید ہے۔ مرنے والے لوح ہے جس پر خوبصورت کتبہ لگا ہوا ہے۔ میں نے اس لوح کا فوٹو اتارا۔ بابر میرزا حکیم اور ہندال مرز کی قبریں ہیں جو ہمایوں کے لڑکے تھے اور میرزا حکیم نے اکبر کے خلاف بغاوت بھی کی تھی۔
 قبر بابر کے غرب میں عالمگیر ثانی کی اہلیہ مدفون ہیں ان کی لوح مزار کا فوٹو بھی لیا۔

چوترا مقابر کے غرب میں نیچے شاہ جہاں بادشاہ کی بنائی ہوئی ایک خوبصورت مسجد ہے جس کی پیشانی پر لکھا ہے کہ شاہ جہاں نے ترکستان و ہرات کی فتح کی یادگار میں مسجد بنائی کتبہ اونچا تھا مگر میں نے اس کا فوٹو بھی لیا اور اچھا آگیا۔ مسجد سنگ مرمر کی ہے مگر مقبرہ اور مسجد دونوں شکستہ حالت میں ہیں مرمت نہ ہوئی تو نیست و نابود ہو جائینگے۔ حکومت کو ایک حکمہ محافظانہ عتیق قائم کرنا چاہئے تاکہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے آثار قدیم محفوظ ہو جائیں۔ واپس ہو کر دالامان میں گیا اور میوزیم دیکھا اور قدیم ہتوں اور اسلامی آثار کے فوٹو لئے۔

لوح مزار بیگم عالمگیر ثانی مقام کابل



لوح مزار شهنشاه بابر مقام کابل



ہجرت کر کے آئے ہیں اور بڑی عزت کی نظر سے دیکھ جاتے ہیں۔ شہزادہ احمد علی خاں صفا درانی اور سردار گو یا صاحب اور سردار حیدر جان صاحب معین وزیر دربار خلف سردار عبدالقدوس خاں صاحب حرم سابق صدر اعظم افغانستان وغیرہ احباب ملے آئے۔

۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۲۸۵ھ ہجری مطابق ۲۳ ستمبر ۱۹۳۲ء

یوم چار شنبہ۔ کابل

اطہر بیاض | ہندو قوم کے چار وید ہیں۔ جن کا تلفظ بید بھی کیا جاتا ہے۔ وید کے معنی علم کے ہیں اسی لئے علم تصوف کو ویدانت کہا جاتا ہے۔ وید یعنی علم اور انت کے معنی انجام عاقبت۔ آخری نتیجہ موت کے ہیں۔ پس ویدانت کا مطلب یہ ہے کہ انجام حیات کا علم۔

چار ویدوں میں آخری وید اتھروید ہے جس میں نمبر آخر الزماں کے ظہور کی بشارتیں بھی ہیں اور اس لحاظ سے اس وید کو اطہر بیاض کہنا چاہئے۔ فرق صرف املا کے حروف کا ہے۔ عربی زبان میں بہت پاکیزہ چیز کو اطہر کہتے ہیں۔ سنسکرت والے اطہر کو اتھر کہتے ہیں۔ ایسے ہی وید کا تلفظ بید بھی ہوتا ہے۔ اور بیاض اور بید بھی حروف املا کے تغیر سے دونوں ایک ہیں۔ پس اتھروید کی بشارتوں کے سبب اس کو اطہر بیاض کہنے میں کچھ مضائقہ نہیں معلوم ہوتا۔

پھر منارہ استقلال دیکھا جس پر غازی نادر شاہ کی فتح کا کتبہ امان اللہ خاں نے لگایا ہے جبکہ انگریزوں کے مقابلہ میں غازی نادر شاہ نے فتح حاصل کی تھی۔ یہ کتبہ لگا تو دیا مگر اس کے بعد امان اللہ خاں کبھی اس ٹرک سے نہیں گزرے۔ کیونکہ وہ نادر خاں سے اور ان کی ناموری سے بہت بیزار تھے۔ پھر قلعہ بالا حصار دیکھا جس کا ایک حصہ انگریزوں نے غدر سے پہلے مسمار کر دیا تھا اور بڑا حصہ باقی ہے یہی وہ قلعہ ہے جس کے برج پر اکبر کو اس کے چچا نے بٹھایا تھا جبکہ بہاؤں نے اس قلعہ پر

گولہ باری شروع کی تھی۔

شہدائے صالحین کے مزارات | قلعہ بالا حصار کے دامن میں ایک بڑی چڑھائی چڑھ کر شہدائے صالحین کے مزارات پر گیا۔ یہ مزارات صحابہ رسول کے ہیں جو فتح کابل کے بعد غدار کفار کی غداری سے شہید ہوئے ان کی مفصل کیفیت سفرنامہ میں لکھوں گا۔ تاریخی حالات جمع کر لئے ہیں۔

واپسی میں منارہ نجات بھی دیکھا جو بچہ ستھ کو مغلوب کرنے کی یادگار میں بنایا گیا ہے اور اس پر ایک بہت عمدہ کتبہ ہے۔

منزب کے وقت گھر میں پس آیا۔ خون بہت زیادہ آیا۔ جس سے کمزوری بڑھ گئی۔ رات کو مولانا منصور انصاری صاحب خلف جناب مولانا عبداللہ صاحب انصاری مرحوم سابق ناظم دینیات غنی گڈہ کالج ملنے آئے جو یہاں عرصہ سے

ہندو مسلم اتحاد کیلئے الفاظ کا اتحاد | میں کابل میں ہوں

اور سوچ رہا ہوں کہ یہ ملک ہندوستانی اقوام کا قدیمی وطن ہے اس لئے ہندوستانی اور افغانی آپس میں غیر نہیں ہیں بلکہ ایک ملک کے باشندے ہیں۔ خیال آیا افغان باپ کو پدر کہتے ہیں اور ہندو پتا اور یہ دونوں آپس میں بہت مشابہتیں فارسی زبان میں ماں کو مادر کہا جاتا ہے اور سنسکرت میں ماتا ہندی میں کہتے ہیں عمر طیر ہو گئی۔ یعنی گزر گئی۔ بسر ہو گئی۔ فارسی میں بولتے ہیں راہ طیر شد (راستہ طے ہو گیا ختم ہو گیا۔ گزر گیا) اور افغانوں پر کیا منحصر ہے میں تو سب ہندو مسلمانوں کو متحد دیکھنے کے لئے مسلمانوں سے کہتا ہوں کہ ہندو قوم ہندوستان کے ایک دریا کو جہنا کہتی ہے مسلمان یوں کہیں کہ اس کا نام یمناس ہے۔ یم عربی زبان میں دریا کو کہتے ہیں۔ یم ناس کا مطلب ہوا ہمارا دریا۔ ایسے ہی ہندو ایک دریا کو گنگا کہتے ہیں۔ یہ اصل میں غنغہ ہو گا۔ جب ہندو افغانستان سے ہندوستان میں آئے اور انہوں نے گنگا کا وہاں دیکھا جہاں پانی کا بہت شور تھا تو انہوں نے کہا کہ یہ غنغہ ہے۔ رفتہ رفتہ گنگا کہنے لگے۔ ایک دریا کو دیکھ کر کہا کہ یہ یم بل (دریا سے پر زور) ہے۔ پھر اس کو چنبیل کہنے لگے۔

سرسوت | سب زیادہ مشابہت سرسوتی دریا کے نام میں ہے۔ مسلمان صوفیوں کا عقیدہ ہے کہ کائنات میں حقیقت صدائیں بلند ہیں یہ سب ذات الہی کی صوت امرا راجس کو

صوت سرمدی کہتے ہیں) کا طور ہے حضرت اکبر الہ آبادی نے کہا تھا ایک صوت سرمدی ہے جس کا اتنا جوش ہے

ورنہ ہر ذرہ ازل سے تابندہ خاموش ہے

پس افغانستان سے آئے ہوئے ہندوؤں نے جب سرسوتی دریا کو دیکھا تو اس کو "سرسوتی" کہا رفتہ رفتہ سرسوتی نام ہو گیا۔

حضرت اکبر الہ آبادی نے کہا ہے

یہ اختلاف صورت فطرت کی ہستیاں ہیں

یہ اختلاف معنی ذہنوں کی ہستیاں ہیں

پس میں نے جو مشابہت مذکورہ الفاظ کی بیان کی وہ سب ذہن کی ایجادیں ہیں اور اس غرض سے ہیں کہ ہندوستان و افغانستان کی قومیں آپس میں دوست بنیں اور ہندوستان کے ہندو مسلمان آپس میں محبت کریں ورنہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ مشابہت درست ہے، البتہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس مشابہت میں جدت اور کچھ ضرور ہے (اور یہ مولانا کرامت علی کے ذہن کی ساسکی شان ہے) **سمرگدشت** | تو خستی؟ چشم واکن۔ تماشا کے حیات افغانی راہیں۔ تو جاگا۔ آنکھ کھول۔ حیات افغانی کا تماشا آج صبح بھی موزی مرض نے ستایا۔ جسم کو جان کنیم جا

بنایا۔ اسی عالم بے توانی میں تو انانی کی کمر بخت و غم سے

باندھی اور سیر کے لئے چلا۔ پہلے وزیر صاحب خاں کے مکان پر

گیا۔ حضرت مولانا سید محمد بلال صاحب دہلوی آج کابل سے

رخصت ہو رہے ہیں۔ ان کے مریدوں کا ایک بڑا حلقہ موجود تھا

محراب مسجد تعمیر شاهجهان یادگار فتح بدخشان قریب مزار بابر کابل



قلعه غزنوی کا بدروانی منظر



زمانہ کی بربادیوں کو بیان کر کے ثابت کرنا چاہا کہ اگر اسکولوں کے معائنہ میں کوئی خرابی نظر آئے تو اس کو درگزر کیا جائے وہ بہت متین اور شائستہ افسر معلوم ہوتے ہیں۔

فرانسیسی مکتب | پہلے فرانسیسی مکتب کو دیکھا فریسی

پرنسپل ساتھ رہے۔ یہ فارسی خوب بولتے ہیں جس جماعت میں جاتا تھا لڑکے دو۔ بونکر کھڑے ہو جاتے تھے۔ میں نے ہر جماعت سے کچھ کچھ سوالات بھی کئے۔ جوابات عموماً صحیح تھے مگر ایک خوبی خاص تھی کہ ہر لڑکے میں جرات و دلیری بہت زیادہ تھی کوئی لڑکا امتحان سے خائف نہ ہوتا تھا۔ اس کے معائنہ سے مجھ پر یہ اثر ہوا کہ انتظام اور صفائی بہت اچھی ہے اور تعلیم کا طریقہ بھی فو ب ہے

فرانسیسیوں کے قد چھوٹے ہوتے ہیں اور جسم بہت بھاری نہیں ہوتے مگر یہ لوگ بہت ذہین اور زندہ دل معلوم ہوتے ہیں موسیو بوزلے نے مجھے اسکول کی سیر کرائی **تعلیمی راز** میں نے فرانسیسی اور جرمنی اسکول

کو دیکھنے کے بعد محسوس کیا کہ ہندوستان میں جس طریقہ سے تعلیم دی جاتی ہے تقریباً وہی طریقہ یہاں بھی ہے لیکن ایک فرق ایسا ہے جس کو میں عمدہ تعلیم کا راز تصور کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ یہاں کے پڑھانے والے اس نیت سے پڑھاتے ہیں کہ لڑکے کچھ حاصل کر لیں۔ اور ہمارے ملک میں تعلیم دینے والوں کے سامنے یہہ

بات نہیں ہوتی بلکہ وہ اس نیت سے تعلیم دیتے ہیں کہ ان کے دفاتروں کا کام چلتا رہے۔ اور ہم ان کے کلرک بنے رہیں۔ نصب العینی اور نیت کا فرق انسانوں کو جانور بھی بنا سکتا ہے اور فرشتہ بھی بنا سکتا ہے۔

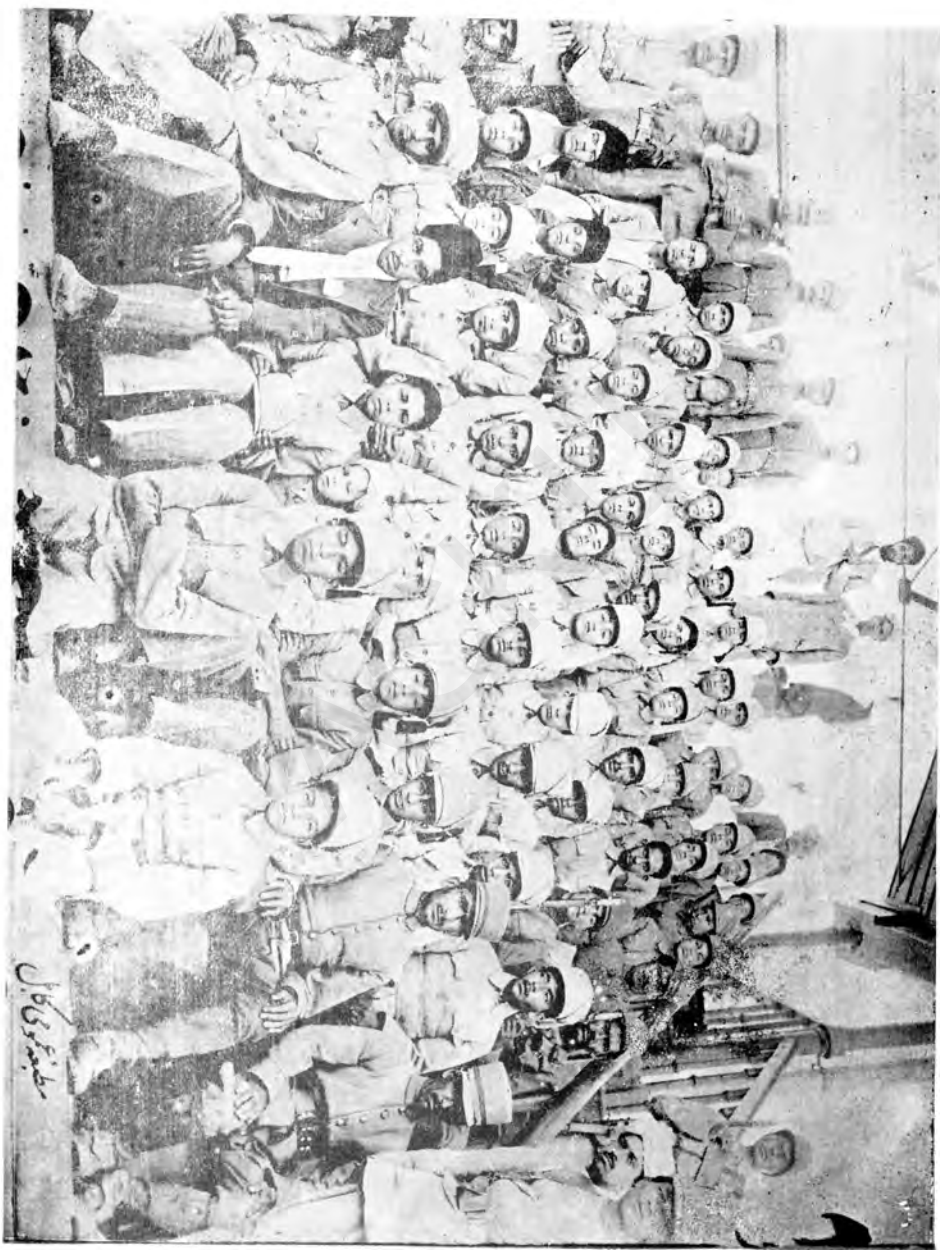
جرمنی مکتب | میں گیا ڈاکٹرای ورن پرنسپل نے

پہلے اسکول کی مشکلات کا ذکر کیا کہ انقلاب کی وجہ سے بہت سی خامیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ میں نے ہنس کر کہا آپ ناحق ڈرتے ہیں ہمارے ملک کے اسکولوں میں بغیر کسی انقلاب کے بکثرت خرابیاں پائی جاتی ہیں۔

ڈاکٹرای ورن کا قد لمبا ہے اور خوب مضبوط جسم ہے مگر بال سفید ہو گئے ہیں۔ عمر پچاس سال ہے۔ میں نے کہا بال جلدی سفید ہو گئے کہا جنگ یورپ کے مصائب نے ان کو سفید کر دیا۔ ڈاکٹرای ورن میں ۸ سالہ نوجوانوں کی سی تیزی پھرتی ہے وہ میرے ساتھ ہر چیز دکھانے کیلئے دوڑتے رہے۔

یہاں بچہ بچہ کے سپر سالار جی سین کا لڑکا سینہ حسن بھی پڑھتا ہے۔ میں نے اس کو غور سے دیکھا۔ حکومت اس کا خرچ دیتی ہے۔ او۔ امیر حبیب اللہ خاں مرحوم کا ایک لڑکا عبدالشکور بھی پڑھتا ہے میں نے اس کو بھی دیکھا۔ اس میں ہندو لڑکے بھی ہیں ایک ہندو لڑکے کے سینہ پر گاندھی جی اور موتی لال جی اور جواہر لال جی کی تصویر بھی لٹکی ہوئی تھی جرمنی اسکول میں سائنس کا

کابل کا ایک اسکول



مفتی محمد رفیع کابل

سامان بہت اعلیٰ درجہ کا ہے۔ یہاں بچہ سقہ کے گدھے اور گھوڑے باندھے جاتے تھے۔ اس لئے سائینس کے کمرہ میں لید کی بوتل تک ہے۔ اور کھڑا ہونا مشکل ہے۔

وزیر صاحب خارجہ اور وزیر صاحب معارف بھی اس معائنہ میں ساتھ ہیں۔ میں نے یہاں بھی مختلف جماعتوں سے مختلف سوالات کئے۔ اور لڑکوں نے بہت دلیرانہ عمدہ جوابات دیئے۔

جیمیہ اسکول | جرمنی، فرانسیسی اسکول، لیکچر جیمیہ اسکول دیکھا۔ یہ پہلے جیمیہ کالج کے نام سے مشہور تھا۔ یہاں ہندوستانی استاد زیادہ ہیں۔ اور فارسی کے ذریعہ تعلیم ہوتی ہے۔ افغانی زبان میں اسٹینڈ (کھڑے ہو جاؤ) کی جگہ الہام کہتے ہیں۔ اس اسکول کی حالت بھی اچھی ہے۔

مگر ویسی استاد ہر اسکول میں عموماً کمزور معلوم ہوتے ہیں اور ہندوستانی استادوں کی جسمانی حالت زیادہ خراب نظر آتی ہے۔ شاید ان کی رہائش کی جگہ اچھی نہیں ہے؛

دو بجے تک اسکولوں کی سیر میں مصروف رہا بہت تھک گیا۔ بخار معلوم ہونے لگا۔ قیام گاہ پر آیا۔ کھانا کھا کر لیٹ گیا۔ ملنے والے آتے رہے۔

مدیر صاحب مجلہ کابل محمد انور صاحب ملنے آئے۔ پھر سفیر صاحب ٹرکی اپنے نائب عارف امین صاحب کے ساتھ بازدید کے لئے آئے اور کچھ دیر خوب باتیں ہوئیں سردار گل محمد خان صاحب بھی آئے۔ اور بھی ہندو مسلمان مہاجرین ملنے آئے۔

کارخانہ ہتھیار سازی | تین بجے محمد مرتضیٰ خاں نظامی اور محمد یوسف خاں صاحب کے ساتھ ہتھیار سازی کا کارخانہ دیکھنے گیا۔ جہاں بلب، بندوبست وغیرہ ہتھیار تیار ہو رہے تھے۔ سب کاریگر افغان تھے۔ چند ہندوستانی بھی تھے۔ کام لینے والے افغان یورپ کے تعلیم یافتہ ہیں۔ میرے دل پر اس کارخانہ کی سیر سے بہت ہی اثر ہوا۔ ایک یہ ہیں کہ بناتے ہیں ایک ہم ہیں کہ ان کا نام لینے سے پکڑے جاتے ہیں۔ ہماری جنت تو ان کے ساتھ میں ہے۔ یہ ہتھیار تو ہماری مذہبی تعلیم کا ایک جزو ہیں۔ پھر ہم ان سے کیوں محروم ہیں۔

پشیمینہ بانی | حربی کارخانہ سے ملا ہوا پشیمینہ بانی کا کارخانہ دیکھا۔ جہاں ہر قسم کے اوننی کپڑے مشینوں کے ذریعہ تیار ہوتے ہیں۔

کوہ آسمانی | جس پہاڑ کے نیچے یہ کارخانہ واقع ہیں اس کو کوہ آسمانی کہتے ہیں۔ محمد مرتضیٰ نظامی نے

کہا۔ یہ ہندو حکومت کے زمانہ کا نام ہے۔ یہاں پہلے آسامانی دیہی کا ایک مندر تھا۔

ٹکسال | انہی کارخانوں کے برابر ٹکسال بھی ہے اسکو بھی اندر جا کر دیکھا۔ سونے چاندی کے سکے بن رہے تھے۔ کاریگر ہر جگہ افغان اور ہندوستانی ہیں۔ غرقوم کا کوئی نہیں ہے۔ ہندوستانیوں میں ہندو کاریگر بھی ہیں۔

امیر بخارا سے ملاقات | یہ کارخانے دیکھ کر

امیر بخارا سے ملنے گیا جو کابل سے دس میل دور ایک قلعہ میں رہتے ہیں۔ ان کو چودہ ہزار روپے ماہوار وظیفہ افغانستان کی حکومت دیتی ہے۔

ان کے ملک پر روس نے قبضہ کر لیا ہے۔ اور یہ دس سال سے جلاوطن ہو کر یہاں آ گئے ہیں۔

ان کے پاس اتنی دولت تھی کہ جب یہ بھاگ کر چلے آئے تو ان کا خزانہ اشرفیوں اور جواہرات کی صورت میں تین ٹرینوں میں بھر کر روس کے خزانہ میں بھیجا گیا۔

ہم سب کو ملاقات کے کمرہ میں بٹھایا گیا جس کے آس پاس قد آدم شیشہ کے کواڑ تھے۔ کمرہ مختصر تھا اور

انصرودہ تھا۔ امیر صاحب تشریف لائے معانقہ کیا اور بہت اخلاق سے ملے۔ پچاس کے قریب عمر ہے۔

بہت خاموش اور معصوم معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے

اہلکار دست بستہ سامنے کھڑے تھے۔ ایک اہلکار کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ میں نے اسکو آپ کے پاس ہی بھیجا تھا۔ میں اہلکار کی طرف مخاطب ہوا۔ اس نے کہا میں دو روز آپ کے مکان کے قریب درگاہ کے حجرہ میں ٹھہرا ہوا مگر آپ کی نسبت کہا گیا کہ کام میں مصروف ہیں۔ بل نہیں سکتے۔ ایک شخص نے یہ بھی کہا کہ باہر گئے ہوئے ہیں۔ اس لئے میں ملاقات کے بغیر واپس چلا آیا۔ امیر صاحب نے اپنی ایک کتاب بھی دی جس میں انقلاب حکومت کے حالات ہیں۔ چار نوشی کے دو دور ہوئے۔ اور میں بات چیت کر کے رخصت ہوا۔ واپسی میں علم و جہل کا سنارہ دیکھا۔ جس پر ان اشتر خاں کے زمانہ کی جنگ قبائل کے مقتولوں کے نام کندہ ہیں۔

مغرب کے بعد گھر میں آیا۔ بہت تھک گیا تھا۔ ذرا آرام کیا۔ شہزادہ احمد علی خاں اور سردر گویا وغیرہ اجاڑ ملنے آتے رہے۔

صدر اعظم کے ہاں دعوت | آج افغانستان

کے صدر اعظم سردار محمد ہاشم خاں نے میری دعوت کی ہے۔ آٹھ بجے ان کے ہاں گیا۔ حکومت کے تمام وزراء

موجود تھے۔ شگلا سردار فیض محمد خاں وزیر خارجہ۔ سردار احمد خان وزیر دربار۔ سردار محمد ایوب خاں وزیر مالیات

والا حضرت شاه ولی خان صاحب فاطمہ کابل



بنیاد اندیشه
۱۳۷۵

سردار میرزا محمد خاں وزیر تجارت - سردار علی محمد خاں
وزیر معارف - غازی شاہ محمود خاں وزیر جنگ -
سردار عبدالاحد خاں وزیر شوراے (کونسل) -
افغانستان کے مشہور توپاں قاسم جو اور بوڑھا خاں
ہندی بھی سو جو تھے کچھ دیر توپاں کا لطف رہا -
صدر اعظم صاحب نے میرے سلسلہ چشتیہ کی وجہ
سے توپاں کا خاص اہتمام کرایا تھا -

کھانا میسر پر تھا اور بہت سکتھ تھا - مگر ہاتھوں
سے کھایا گیا - کہانے کے بعد پھر کچھ دیر توپاں ہوئی - اس کے
بعد صدر اعظم صاحب نے زمانہ انقلاب کے حالات سناے -
صدر اعظم اردو میں باتیں کرتے تھے اور نہایت صاف
وضوح اردو بولتے تھے - ان کا سارا خاندان اردو بولتا
ہے - غازی نادر شاہ اپنے گھر میں عورتوں اور بچوں سے
بھی اردو میں بات چیت کرتے ہیں - جتنے وزراء سے ملاقات
ہوئی وہ سب نہایت ذکی تعلیم یافتہ اور وجہ معلوم ہوتے
تھے - ان میں بعض کے چہروں پر تہجد گزاری کے آثار
بھی تھے - صدر اعظم صاحب نے میری بھی بہت سی
باتیں سنیں اور رات کے گیارہ بجے تک بات چیت
رہی - گیارہ بجے کے بعد رخصت ہوا - میرے
مہاندار سید مومن کو افسر پولیس نے بتایا جو دروازہ پر
موجود تھا کہ آج رات کا خفیہ نشان (مارشل ہے) -

راستہ میں پہرہ دار توکیں تو ان کے کان میں یہ خفیہ لفظ
کہہ دیا جائے - آج رات کو نیند بہت اچھی آئی - اگرچہ آج
بھی خون بہت زیادہ آیا تھا - میں نے دعوت میں بہت
احتیاط سے غذا کھائی یعنی تھیل چیز کوئی نہیں کھائی -

کابل کا پلاؤ تمام دنیا میں مشہور ہے - اور میرے
لئے شاہی دسترخوان سے روزانہ عمدہ عمدہ قسم کے
پلاؤ آتے ہیں مگر میں اُن کو دیکھ لیتا ہوں کھاتا نہیں - کہ
آنکھوں کا بھی ایک حق ہے جس طرح زبان اور معدہ
کا ایک حق ہے -

اچھا دی لاوالی ۱۳۵۱ھ بمطابق ۲۴ ستمبر ۱۹۳۱ء
یوم پنجشنبہ - کابل -

راخ صبح ہو یا شام - دن ہو یا رات - ہر وقت کابل
کے بازاروں اور آبادی کی گلیوں میں ایک آواز سنائی
دیتی ہے جسکو "راخ" کے لفظ سے تعبیر کر سکتے ہیں -
مگر یہ آواز زبان کی حرکت کے بغیر سانس اور طلق اور
ناک کی مدد سے تیار ہوتی ہے - یوں سمجھو کہ جب کسی کو
شدت کا نزلہ ہو اور اس کی ناک بند ہو گئی ہو اور وہ
زور سے بذریعہ ناک سانس لینا چاہے تو جو آواز
نکلے گی اسکو اس راخ کے مشابہہ کہا جائیگا -

یہ راخ گدھوں کے لئے روانگی کا حکم ہے - سنا
تھا کابل میں گدھے بہت ہوتے ہیں - خیال کیا تھا

کہ شاید شہریروں نے شرارت سے کابل کے ساتھ گدھوں کا نام شہور کیا ہے مگر جا کر دیکھا۔ واقعی اس ملک میں حضرت عیسیٰؑ کا یہ مرکب بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔ بچارہ ہر قسم کا بوجھ اٹھاتا ہے۔ تجارتی اسباب کے لئے اونٹ اور گدھے زیادہ کام میں آتے ہیں۔ اور گدھے پر شرفاً و خصوصاً انکی عورتیں بھی بہت سوار ہوتی ہیں۔ اور جب گدھے کو اس کا مالک چلاتا ہے تو پہلے رخ کرتا ہے۔ رخ سنتے ہی جناب حمار روانہ ہو جاتے ہیں اور پھر برابر کانوں کو جنبش دیتے ہوئے پتلے رہتے ہیں۔

میں نے بھی آج اپنے جسم کو جو قرآن مجید کی مثال کے بموجب ایک گدھا ہے جس پر کتا ہیں لدی ہوئی ہیں۔ رخ کی۔ اور میرے وجود لاغر کا جس کی صورت شتر بے مہار سے مشابہہ ہے سیر کابل کے لئے تیار ہو گیا۔

میں اپنے قد کی درازی کے اعتبار سے اونٹ ہوں۔ اور علم بے عمل کے لحاظ سے گدھا ہوں۔ اور انگریزوں کی رعایا ہونے کے سبب بیل بھی ہوں۔ کیونکہ انگریزوں کا قومی نام "جان بل" ہے اور بیل انگریزی میں بیل کو کہتے ہیں۔

پس اگر میرا جسم گدھا ہے تو رخ کہتا ہوں۔

کہ اسکو متحرک کرنے کے لئے رخ مقرر ہے۔ اور اگر میرا جسم اونٹ ہے تو اُنٹ کہتا ہوں کہ اونٹ کے چلنے کا حکم دینا ہو تو افغان اُنٹ کہتے ہیں۔ اور اگر میرا جسم بیل ہے تو اُو اُبیہ کہتا ہوں کہ بیل کی روانگی کے لئے یہاں یہی لفظ استعمال ہوتا ہے۔

اے حسن نظامی! بقول مولانا روم رحمہ اللہ تو جہادی تھا، تو نباتی تھا، تو حیوانی تھا اور اب بشکل انسان بھی تیرے اندر جہادات و نباتات و حیوانات کے خواص موجود ہیں۔ اور جنات و ملائکہ کی صفات خیر و شر بھی تیرے اندر پائی جاتی ہیں۔ لہذا تو کو ہرستان افغانستان کا پتھر بھی ہے۔ اور اگر ما سر وہ سیوہ بھی ہے اور کابل کا گدھا، اونٹ، بیل بھی ہے۔ اور نادشاہ کی صفات حسنہ اور امان اللہ خاں کی صفات یورپیہ اور گاندھی جی کی صفات عدم تشددیہ اور ستر چل کی صفات حربیہ تشدد آمیز۔ اور فرانس کی دو۔ بو۔ اور بنی اسرائیل کا اَنَا هُمْہُنَا قَاعِدٌ وَنَاہِم تو یہاں بیٹھے ہیں سب ہی تجھ میں موجود ہیں۔ پھر کیوں موزی مرض سے گھبراتا ہے۔ چل۔ اٹھ! کابل کی سیر کر۔

تو کجانی سلطان جان؟ تم کہاں ہو سلطان
بی۔ زو و بیہ جان؟ آؤ جلدی آؤ۔

کابل مین والا حضرت شاه ولی خان کا فاتحانہ داخلہ



موٹر لاؤ۔ میں سیر کے لئے جلدی جانا چاہتا ہوں۔ اعلیٰ نے شاہی خاصہ کی جو موٹر میرے لئے مقرر کی ہے اس کے ڈرائیور کا نام سلطان جان ہے۔ انہوں نے موٹر دروازہ پر کھڑی کی۔ میں سید سومن اور یوسف خاں اور ستری حبیب خاں نظامی کے ساتھ بالافانہ نے سے نیچے اترے۔ زمین پر چڑھتا ہوں تو سانس چڑھتا ہے۔ اترتا ہوں تو پاؤں کانپتے ہیں۔ کوئی ہے اپنی جوانی کی طاقت پر غور کرنے والا؟ میں اس سے کہہ دوں کہ میاں ۵۵ برس کے ہو جاؤ گے تو یہی حال تمہارا ہوگا۔

بنسی لال فوٹو گرافر اپنے فوٹو گرافر کی دکان پر گیا۔ اپنی اتاری ہوئی تصویریں اسکو دیں کہ دہو کر تیار کر دے۔ بنسی لال نام ہے۔ ہندوستانی ہے۔ عرصہ سے یہاں کار بار کرتا ہے۔

پھر فقیر محمد صاحب دہلوی سے ملا۔ پہلے دہلی کے محکمہ خفیہ پولیس میں انسپکٹر تھے عوام نے مارا۔ زخمی ہوئے۔ نوکری چھوڑ دی۔ تجارت شروع کی۔ میونسپل کمیٹی کے ممبر ہو گئے۔ جب دوبارہ انتخاب ہوا تو میں نے انکے حریف کی حمایت میں کام کیا۔ یہ ناکام ہوئے۔ اس لئے مجھ سے ناراض رہتے ہیں۔ اب عرصہ سے کابل میں تجارت کرتے ہیں۔ میری قیام گاہ کے قریب ہی ان کی دکان ہے۔ موٹر کا اسباب فروخت کرتے ہیں۔ اتفاق سے

سامنے آ گئے۔ بہت اخلاق سے ملے۔ کہتے تھے مجھے آپ کے آنے کی خبر نہ ہوئی۔ بیشک خبر نہ ہوئی ہوگی۔ کیونکہ اب وہ خفیہ پولیس کی نوکری چھوڑ چکے ہیں۔ جب خفیہ پولیس میں تھے تو میری ہر آمد و رفت ان کو معلوم رہتی تھی۔ خوشی کی بات ہے کہ وہ اپنے کام میں اتنے مصروف ہیں کہ انکو میرا نام بھی معلوم نہ ہوا۔ حالانکہ کابل کے سچے سچے کو میرا نام معلوم ہے۔ اور ہندوستانی تو سب ہی مجھ سے ملنے آتے ہیں۔

سفارت خانہ برطانی چونکہ کابل سے روانگی نزدیک

ہے اس لئے پاسپورٹ کی تصدیق انگریزی سفارت خانہ میں کرانی ضروری ہے۔ بازار سے وہاں گیا۔ شہر سے کئی میل دور ہے۔

خاں صاحب سکندر خاں صاحب اور ٹیل سکریٹری سفیر صاحب موٹر تک لینے آئے۔ بہت خوش اتفاقاً مسلمان ہیں۔ ان کے کمرہ میں بیٹھا تو سفارت خانہ کے اور عہدہ دار بھی ملنے آ گئے۔ میان غلام محمد صاحب ایس۔ ڈی۔ او۔ سید ارشد حسین صاحب متقی میرمنشی۔ خاں صاحب حاکم الدین صاحب اور میر۔ ستر رحمت اللہ کلرک۔ محمد منظر خاں صاحب اسٹور کیپر۔ میان حیات محمد صاحب ٹھیکیدار و ستری۔ ڈاکٹر عطا محمد خاں صاحب قاضی۔ عبدالواحد صاحب کمپوٹر۔ فتح اللہ خاں نظامی سے

باتیں اور ملاقاتیں ہوئیں۔ سکندرخاں صاحب نے سیوے اور مٹھایاں میزوں پر آراستہ کیں اور مہماں نوازی کی اسلامی شان کا مظاہرہ کیا۔

کابل کی ایک مورت بولنے لگی | سفارت خانہ میں

ایک خوبصورت آفریدی نوجوان بھی تھے۔ نام پوچھا تو کہا کابل خاں۔ ٹھیک ہے دہلی خاں کے سامنے کابل خاں کا آنافرووری تھا۔ لمبا قد۔ کتا بی چہرہ۔ بڑی بڑی گتیز و طرا آنگھیں۔ جرأت و بیباکی پلکوں کی نوکوں پر رقص کناں۔ عمر اٹھارہ انیس سال۔ پشانی سے آٹا رقبال و ترقی ہویدا۔ سوڑوں کی تجارت کرتے ہیں۔ اسلامیہ کالج پشاور میں تعلیم پائی ہے۔ کہنے لگے ہم آفریدیوں نے ہمیشہ ہندوستانی مسلمانوں کے لئے سرکٹائے۔ مگر جب بھجوری میں ہم پر مصیبت آئی تو کسی ہندوستانی نے مدد نہ کی۔

بچپن بھی کیا زمانہ ہے۔ کابل خاں نے اس پر غور نہ کیا کہ آفریدی آزاد۔ اور ہندوستانی غلام۔ بھلا غلام بھی کسی کی مدد کر سکتا ہے۔

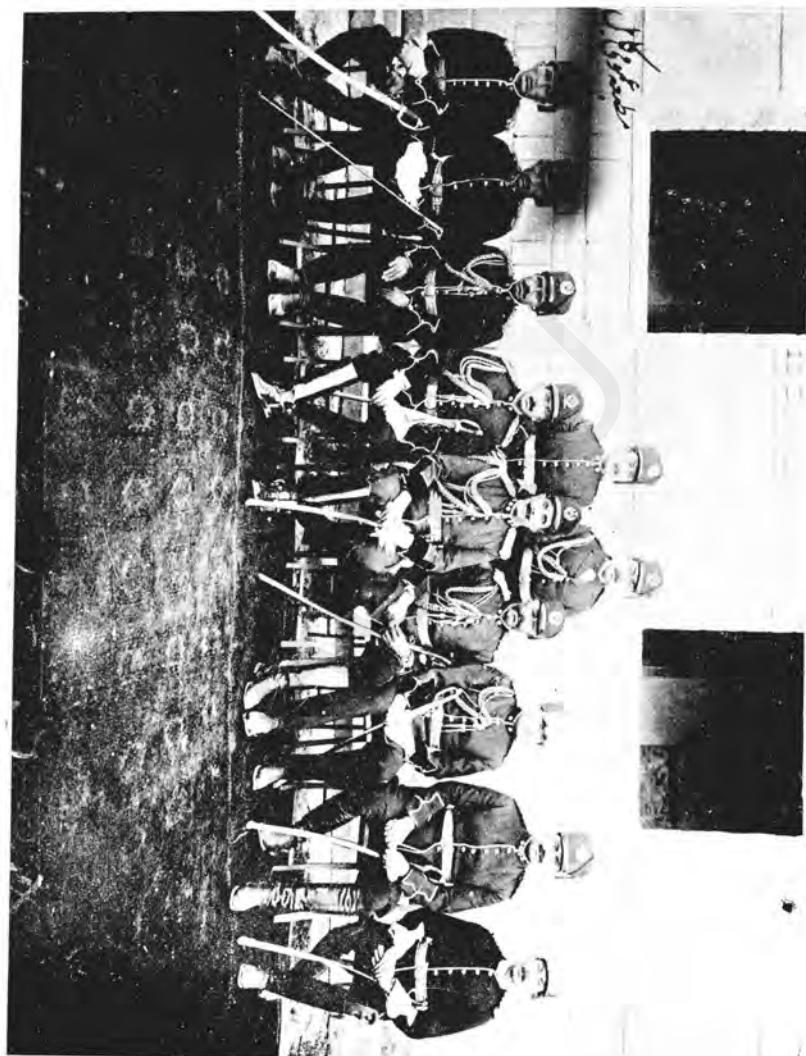
آج کل انگریز سفیر صاحب رخصت ہو گئے ہیں۔ ان کے قائم مقام بھی کابل شہر میں کسی سے ملنے گئے ہوئے تھے۔ اس لئے ان سے ملاقات نہ ہو سکی۔ اور پاپہورت کی تصدیق سکندرخاں صاحب نے کر دی۔

واپسی میں شہر آرا محل کے کھنڈر دیکھے۔ جہاں تپہ تھ نے حملہ کابل کے وقت مورچے لگائے تھے۔

قیام گاہ پر آکر کھانا کھا یا۔ پھر دفتر اخبار "اصلاح" میں گیا۔ جس کے نمایندے مجھ سے ملنے آئے تھے۔ اخبار "اصلاح" ہفتہ میں دو بار شائع ہوتا ہے۔ اس کو غازی نادر شاہ نے حملہ کابل کے وقت مورچوں میں جاری کیا تھا۔ مگر ذرا خیال کرنا نام نادر الاخبار نہیں رکھا حالانکہ امیر حبیب اللہ خاں نے اپنے لقب پر سراج الاخبار نام رکھا۔ امان اللہ خاں نے امان افغان۔ اور بچہ سقہ نے حبیب الاخبار۔ مگر نادر شاہ نے محض "اصلاح" اس سے ان کی طبیعت کا اندازہ ہوتا ہے کہ نام نمود سے کتنے بنیرا ہیں۔

اس اخبار کے مالک صاحب کا نام محمد امین خاں خوجانی ہے۔ اور سرکاتب شیر گل خاں ہیں اور نائب ایڈیٹر ان مولوی غلام جیلانی خاں اور میرزا غلام سنگھ خاں اور میرزا محمد قلی خاں اور میرزا عبدالاحد خاں ہیں۔ ایک ہندوستانی مقبول احمد خاں مہاجر اردو اخباروں کا ترجمہ کرنے پر نوکر ہیں۔ ان سے بھی ملاقات ہوئی۔ اس اخبار میں سرکاری اطلاعات بھی شائع ہوتی ہیں۔ اور یہ تمام صوبوں کے اہل کاروں کے پاس جاتا ہے۔

وزیر صاحب خدیوہ و محمد ثوث صاحب



مطبع عمومی

ارک (قلعہ) شاہی میں سرکاری چھاپنا دیکھا۔ جس کو مطبع عمومی کہتے ہیں۔ یعنی عام پبلک کا مطبع۔ اس میں اخبارات اور رسالے اور سرکاری کاغذات۔ پاسپورٹ ٹکٹ۔ پوسٹ کارڈ۔ اسٹامپ وغیرہ طبع ہوتے ہیں۔ ۱۳ ٹریڈل مشینیں کام کر رہی تھیں۔ کئی بڑی مشینیں لیتھو اور ٹائپ کی بھی مصروف عمل تھیں۔ بلاک سازی اور بلاک چھاپنے کی ایسی اعلیٰ مشینیں ہیں۔ کہ ہندوستان میں شاید کہیں نہ ہوں گی۔ میں نے کلکتہ اور بمبئی کے بڑے بڑے تصویر گر کارخانوں کو دیکھا مگر یہ سامان کہیں نہیں تھا۔ سب سے بڑی خوبی اس میں یہ تھی کہ ہر چیز صاف اور سنھری تھی۔ پریس کی کئی بڑی بڑی عمارتیں ہیں۔ مگر کہیں کاغذ کا ایک پڑزہ اور کوڑہ کا ایک تنکہ موجود نہ تھا۔ چھاپنے والے کاریگر بھی سب ہی صاف تھے۔ بمبئی میں ہائے پریس جرمینوں کا دیکھا تھا وہاں بھی صفائی اچھی تھی مگر عمارت بڑی نہ تھی اور صفائی اتنی مکمل نہ تھی۔ چھاپہ خانہ کے کام کا ۳۵ سالہ تجربہ مجھ کو ہے۔ میں نے کسی پریس میں اتنی صفائی اور سلیقہ نہیں دیکھا۔

صوفی عبدالحمید صاحب اس کے افسر اعلیٰ ہیں اور انہی کی نفیس طبع کا یہ کرشمہ ہے۔ چھوٹا قد۔ خاموش صفت۔ چہرہ پر متانت و وقار کا آفتاب درخشاں

رہتا ہے۔ بابو محمد برکت اللہ خاں ہندی یہاں سا لہا سال سے کام کرتے ہیں۔ محمد نوری بک ایک ترک زینگو گرافی کے انچارج ہیں۔ سید محمد ایشاں خاں، سید محمد داؤد خاں اور عبدالودود خاں وغیرہ عہدہ دار کام کرتے ہیں۔ میں نے اپنے سفرنامہ کے لئے بھی تقاضا دیا اسی کا خانہ کو بلاک سازی کے لئے دیں۔ کیونکہ کام اچھا اور نرخ کم۔ اور مطبع کے مدیر جناب صوفی عبدالحمید خاں صاحب طباعت کے فن کے بڑے ماہر ہیں۔

انجمن ادبی

آیا۔ یہ انجمن بہت عمدہ کام کر رہی ہے۔ اس کا ایک خوبصورت ماہوار رسالہ بھی شائع ہوتا ہے۔ اعلیٰ حضرت کو اس کی کامیابی و بہبودی کا خاص خیال ہے۔ اس کے مدیر محمد انور خاں صاحب بسمل ہیں۔ دفتر میں موجود تھے۔ اس کے معاون شہزادہ احمد علی خاں درانی ہیں۔ اور ممبران خصوصی سیر غلام محمد خاں غبار۔ اور غلام جیلانی خاں غزنی اور محمد سرور گویا صاحب ہیں بصری شام مجھ سے ملنے آتے ہیں۔ دفتر میں ایک خوش جمال بیلے پتلے نوجوان ایک مضمون لکھنے میں موصوفے۔ میں نے انکی محویت دیکھی تو پوچھا۔ کیا لکھ رہے ہو؟۔ بولے شراب کے خلاف مضمون۔ میں نے کہا۔ رفیعہ منکافجہ للناس شراب میں انسانوں کے لئے نفع بھی ہیں،

بے ساختہ جواب دیا۔ دَرَا شَهْمَا اَلْکَبْرُ مِنْ نَفْعِهِمَا
(مگر چوئے اور شراب کا گناہ اُن کے نفع سے بہت زیادہ
بڑا ہے)

مجھے اس بے ساختہ اور فوری جواب سے ایسا معلوم
ہوا کہ میری زبان سے شیطان بولا۔ اور انکی زبان سے
رحمٰنی وحی نے شہاب ثاقب بن کر شیطان پر رحم کیا۔
قیام گاہ پر آیا۔ رات کو وزیر صاحب خارجہ۔ اور
سر دارچیدرخاں صاحب معین دربار اور ان کے بچے
اور مدیر صاحب مطیع عمومی اور شہزادہ احمد علی خاں صاحب
اور سرور گویا صاحب اور مولانا منصور انصاری صاحب
اور مولانا محمد بشیر صاحب اور عباس آفندی صاحب اور
رحمت اللہ صاحب ہمایوں وغیرہ اجاب ملنے آئے
تھے۔ میں نے سر دارچیدرخاں کے بچے سے کہا۔ ”سننا تا
خودم نان در شکم من رفتہ صد کرد۔ سن ترمی خورم۔“
(میں نے روٹی کھائی تو روٹی نے پیٹ میں سے آواز دی
میں تجھ کو کھادوں گی، یہ سنکر بچہ خوب ہنسا۔

۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۵ھ بمطابق ۲۵ ستمبر ۱۹۳۱ء
یوم جمعہ۔ کابل

شور بازار | ہندوستان میں اگر ایک بچے سے بھی پوچھو
کہ شور بازار کو جانتے ہو تو وہ کہے گا کہ ملّا شور بازار کا نام سنا
ہے مگر شور بازار کو میں نہیں جانتا۔ گویا شور بازار کو ملّا کے

بغیر کوئی نہیں جانتا۔

نمک سب کھاتے ہیں مگر نمک کے محصول کی قانون
شنکشی گاندھی جی نے کی تو نمک ہر جگہ مشہور ہو گیا۔ گویا گاندھی
جی کے سبب نمک کو شہرت ہوئی۔

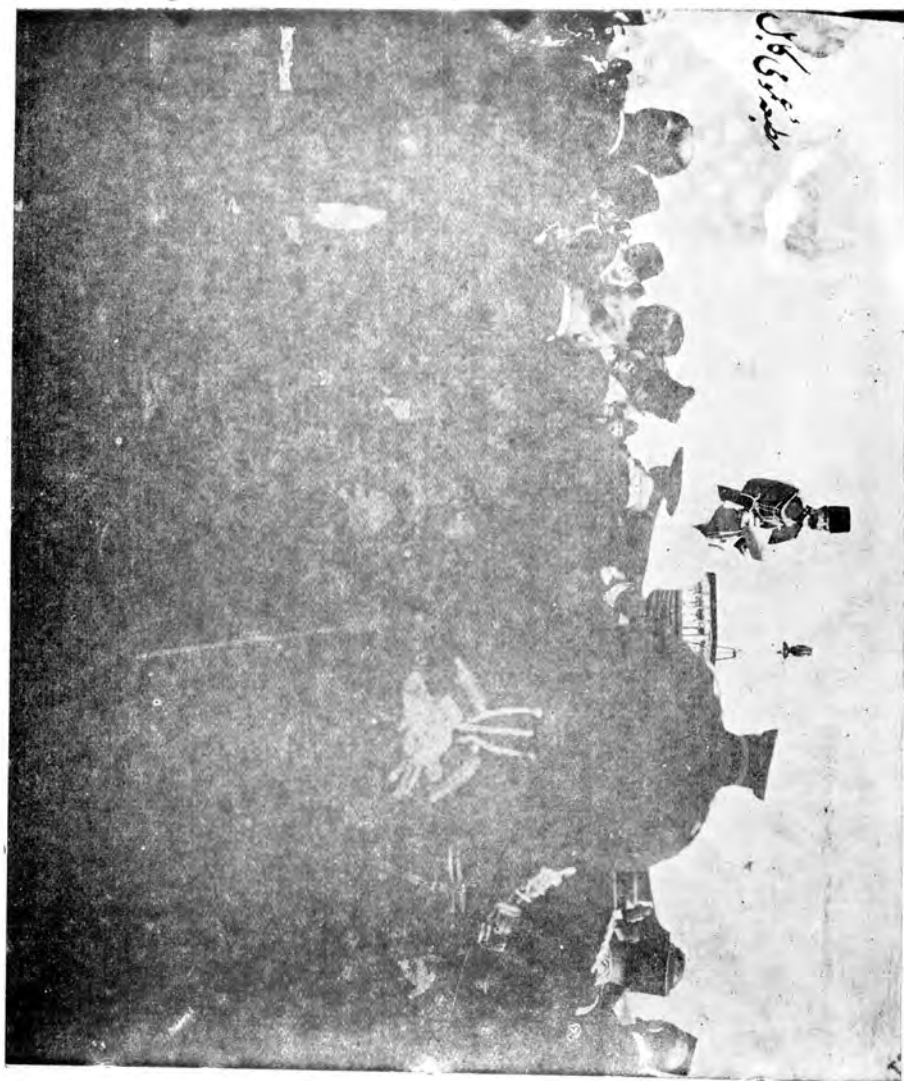
یہی حال شور بازار کا ہے۔ ہندوستانی یہ نہیں جانتے
کہ کابل میں شور بازار کسی بازار کا نام ہے یا ملّا صاحب کا لقب
شور بازار ہے۔ میں نے کابل میں آتے ہی پہلے اس سلسلہ کو
حل کیا۔ اور معلوم ہوا کہ کابل میں ایک مشہور اور بڑا بازار
ہے جسکو شور بازار کہتے ہیں۔ اس بازار کے آس پاس
آبادی ہے اور اس آبادی میں ایک با اثر ملّا صاحب
رہتے ہیں۔ جسکو ملّا کے شور بازار کہا جاتا ہے۔

انقلاب کے شروع میں جب ملّا شور بازار کے
خلاف خبریں شائع ہوئیں تو میں نے بھی ان کی مخالفت
میں بہت کچھ لکھا لیکن کابل آنے کے بعد معلوم ہوا کہ ملّا
صاحب تاحق بدنام ہوئے۔ انہوں نے محدود خیالی اور
تنگ نظری کی کوئی بات نہ کی تھی بلکہ امان اللہ خاں
ان کی جان کے ورپے ہو گئے تھے۔

واقعہ یہ ہوا کہ جب امان اللہ خاں یورپ سے
واپس آئے تو انہوں نے علاء الدین کے عجیب و غریب
چراغ کی طرح افغانستان کو پلک بھپکاتے یورپ بنادینا
چاہا۔ چنانچہ مشہور مجاہد جناب مولانا محمد بشیر صاحب ہندی

۴۰۵۱

جشن استقلال مین غازی محمد ناصر شاه کی تقریر



خطیب غازی کابل

نے مجھ سے بیان کیا کہ امان اللہ خاں نے ان سے کہا کہ میں افغانستان کو یورپ جیسا ترقی یافتہ بنا دینا چاہتا ہوں۔ مولانا نے جواب دیا۔ بے شک اسکی ضرورت ہے۔ مگر بتدریج پانچ سال کے عرصہ میں سب کچھ ہو سکتا ہے۔ یہ جواب سنکر امان اللہ خاں کو غصہ آگیا۔ اور وہ نفرت و حقارت سے مجھ کو دیکھ کر دوسری طرف مخاطب ہو گئے اور پھر مجھ سے بات بھی نہ کی۔

مولانا محمد بشیر لاہور کے رہنے والے اور انقلابی خیالات کے مسلمان ہیں۔ اہل وعیال اور مال و دولت کو ترک کر کے سترہ سال سے افغانستان میں پڑے ہوئے ہیں۔ مسجدوں کے ملاؤں کی طرح تنگ نظر نہیں ہیں اور انہوں نے جواب بھی عقل کے موافق دیا تھا مگر امان اللہ خاں پہلی پر سرسوں جمانی چاہتے تھے اس لئے وہ اس جواب سے خوش نہیں ہوئے۔

اس سے امان اللہ خاں کی جلد بازی اور

ناعاقبت اندیشی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ بہر حال ایک دن امان اللہ خاں نے فوجی افسروں سے کہا کہ آئندہ فوج کا کوئی سپاہی کسی پیر کا مرید نہ ہو۔ جسکو بیعت کی ضرورت ہو مجھ سے بیعت کرے۔ اور پورے

ایک قلم اٹھا دیا جائے اور سب لوگ اڑھیاں منڈا دیں۔ یہ تقریر سنکر بڑے درجہ کے ایک قاضی صاحب نے کہا۔ آپ کے یہ سب حکم شریعت کے خلاف ہیں آپ ایسا نہ کہئے۔ امان اللہ خاں نے قاضی جی سے سخت کلامی کی۔ قاضی کو مذہبی پیشوا ہونے کا گھمنڈ تھا۔ اس نے بھی سخت جواب دیا۔ بادشاہ نے حکم دیا۔ قاضی کو توپ کے منہ پر باندھ کر اڑا دو۔ یہ حکم سن کر سب وزراء اور اراکین حکومت دم بخود رہ گئے۔ اور انہوں نے بادشاہ کو نرمی اور تحمل کا شورہ دیا۔ مگر امان اللہ خاں نہ مانے اور قاضی صاحب کو توپ سے اڑا دیا گیا۔ اس سے شہر میں بہت زیادہ ہلچل مچا ہو گئی۔ شور بازار کے ملا صاحب ان قاضی صاحب کے قریب تھے اور ملا صاحب کا افغانستان میں بہت زیادہ اثر اور مذہبی اقتدار تھا۔ اس لئے امان اللہ خاں خاں کو اندیشہ ہوا کہ ملا شور بازار قاضی کے قتل سے لوگوں کو بغاوت کا فتوے نہ دیدیں۔ لہذا حکم دیا کہ شور بازار کے ملا کو گرفتار کر لیا جائے۔ مگر ملا صاحب نے قاضی کے قتل کی خبر سننے ہی کا بل چھوڑ دیا تھا اور اپنے مرید قبائل میں چلے گئے تھے۔ امان اللہ خاں کے آدمی گرفتار کرنے گئے تو ملا صاحب غائب تھے۔ اس واقعہ کے بعد دونوں کی آگ پھوٹ نکلی اور

بغاوت شروع ہو گئی اور تاشور بازار نے بھی امان اللہ خاں کے خلاف فتوے دیدیا۔

پس یہ وجہ ملا صاحب کے بدنام ہونے کی ہوئی۔ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو تاشور بازار نے اپنی جان بچانے کے لئے کابل کو چھوڑا اور اپنے مذہب کی حفاظت کے لئے امان اللہ خاں کے خلاف فتوے دیا۔ لیکن ممکن ہے کہ کچھ اسباب اور بھی ہوں جن کا علم مجھ کو نہ ہو۔ کابل میں جو بات عام طور پر مشہور ہے وہ وہی ہے جو میں نے لکھی۔

آج صبح ناشتہ کے بعد معلوم ہوا کہ اعلیٰ حضرت پٹان جانے والے ہیں۔

پٹان کابل سے تیرہ چودہ میل کے فاصلہ پر نہایت پُر فضا جگہ ہے جہاں سیر و تفریح کے لئے باغ اور آبشار کثرت سے ہیں اور کابل کے اکثر خواص و عوام تعطیل کے دن پٹان چلے جاتے ہیں۔

میں نے فوراً وزیر صاحب خارجہ کو اطلاع دی کہ مجھے مسلمان بادشاہ کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھنے کا شوق تھا اور سناتے ہیں کہ آج اعلیٰ حضرت پٹان جا رہے ہیں۔

وزیر صاحب نے میرا پیغام اعلیٰ حضرت تک پہنچا دیا۔ جواب میں اعلیٰ حضرت نے حکم دیا کہ

میرے سب ساتھی روانہ ہو جائیں۔ میں جمعہ کی نماز پڑھ کر پٹان جاؤں گا۔

وزیر صاحب کے والد ماجد سردار گل محمد خاں صاحب کو حکم ہوا کہ وہ مجھ کو لیکر جامع مسجد میں جائیں اور شاہی حجرہ میں جو نہر کے قریب بنا ہوا ہے ٹھہریں۔

اس خبر سے مجھے اطمینان ہوا اور میں شور بازار وغیرہ مقامات کی سیر کے لئے نکلا۔ مولانا محمد بشیر صاحب اور محمد تقی خاں نظامی میرے ساتھ تھے اور سستی حبیب خاں نظامی بھی تھے۔ شور بازار میں آیا۔

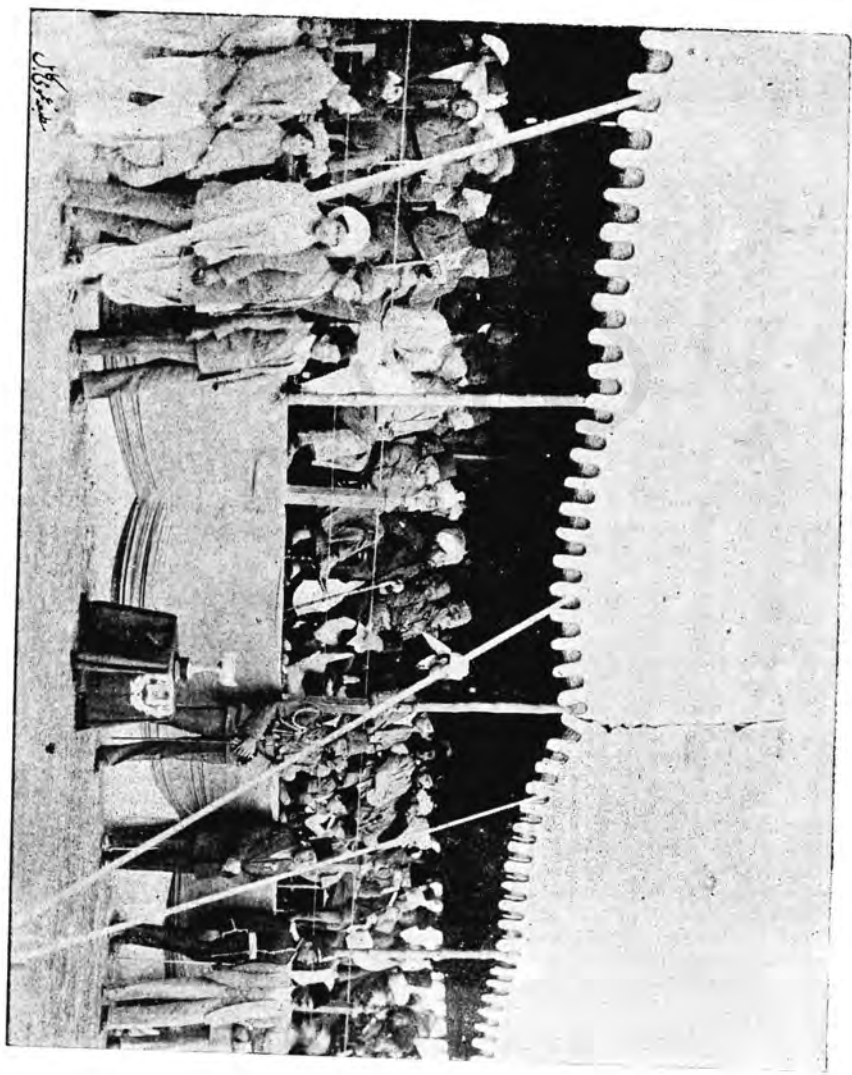
وہ بہت لمبا بازار ہے۔ یہاں بھی ملک شام و مصر کی طرح بازار پٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ شور بازار بھی پٹا ہوا ہے۔ اس میں ہر قسم کی دکانیں ہیں۔

کپڑے کی دکانیں زیادہ ہیں۔ جاپان کے ریشمی کپڑے اور یورپ کے کپڑے زیادہ فروخت ہوتے ہیں۔ سب سے زیادہ روس کی بنی ہوئی چیپٹ کی دھوم سنی تھی کہ کابل

میں بہت بکتی ہے اور بہت عمدہ ہوتی ہے۔ آج میں نے اس کو دیکھا تو بے اختیار سنسی آگئی۔ یہ چیپٹ نہایت گھٹیا تھی۔ ہندوستان میں تو کوئچ کے گدوں پر منڈھی جاتی ہے۔ بعض لوگ تو شک اور فرش کے کام میں بھی لاتے ہیں۔ روسی چیپٹ کا کپڑا اچھا نہیں ہے۔

اور رنگ بھی خراب ہے۔ بہر حال روس کی چیپٹ

جشن غازی محمد نادر شاه کابل مین



حفیظ الرحمن

روس کی صناعمی کا بہت بُرا نمونہ ہے۔ پانچ سٹار اور لنگا سٹار کی چھینٹیں اس سے لاکھ درجہ اچھی ہوتی ہیں۔

کپڑے والے عموماً ہندو تھے۔ یہ لوگ زردیا سرخ پگڑی سے پہچانے جاتے ہیں۔ کیونکہ کوئی مسلمان سُرخ و زرد پگڑی نہیں باندھتا۔ میں نے ہر ہندو دکاندار سے دکان پر بیٹھ بیٹھ کر باتیں کیں اور حکومت کے برتاؤ کا حال پوچھا کہ تم پر انقلاب کے زمانہ میں اور انقلاب سے پہلے امان اللہ خاں کے عہد میں اور موجودہ حکومت کے زمانہ میں کیا کیا ستم ہوئے۔

جواب دیا نہ امان اللہ خاں کے عہد میں کوئی ظلم تھا۔ نہ بچہ سقہ نے کچھ ظلم کیا نہ اب کچھ ظلم ہے۔ بچہ سقہ کے دور میں مسلمانوں کو جان و مال کا بہت نقصان ہوا مگر ہندو اور سکھ اور یورپین سب محفوظ رہے۔ ان کو کسی نے ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ وہ کہتے تھے یہ لیگ ہماری مہمان ہیں۔ اور نادر شاہ تو ایک اولیاء بادشاہ ہے اس کے عہد میں تو ہندو مسلمان دونوں ہی بہشت کی زندگی بسر کرتے ہیں۔

دیوان نرنجن داس کے مکان پر میں نے

امان اللہ خان کے شہور امیر دیوان نرنجن داس کو دریافت کیا کہ ان کو بچہ سقہ نے روپے کے لئے قتل کر دیا تھا۔ جواب ملا۔ غلط ہے وہ قتل نہیں ہوئے

اپنی موت سے ابھی حال میں مرے ہیں۔ ان کی دو لڑکیاں ہیں۔ ایک لڑکی نے شادی نہیں کی۔ دوسری نے شادی کی اور اس کے شوہر اور لڑکے اسی محلہ میں رہتے ہیں۔

راستہ میں سردار ہزام سنگھ صاحب مل گئے۔ یہ سکھ ہیں۔ جہاز کو ماگاما مارو کے مشہور سکھوں میں ہیں۔ جنگی انگریز گورنمنٹ تلاش میں رہتی ہے۔ یہاں بہانگ آگئے ہیں۔ سوڈا واٹر کی مشین کھڑی کر لی ہے۔ اسے گزرا دقات کرتے ہیں۔ میں نے دیوان نرنجن داس کا مکان دریافت کیا تو میرے ساتھ محلہ میں گئے۔

اور دیوان صاحب کے مکان تک پہنچا دیا۔

لالہ ڈھلورام سردار صاحب دیوان صاحب کے

مکان پر ملے گئے۔ دیوان صاحب کے داماد لالہ دھلورام

کو گھر سے بلایا وہ باہر آئے اور اپنے ساتھ گھر کے اندر

لے گئے۔ مکان اندر سے اچھا بڑا تھا۔ ایک کمرہ میں

عمدہ فشرش تھا وہاں بٹھا دیا۔ لالہ صاحب کٹر کا

بھوج راج بھی ملا۔ نو عمر ہے۔ سولہ سترہ سال کا ہے

مگر کچھ ہمایہ ہے۔ دیوان صاحب کی لڑکی اندر پردہ

میں تھیں وہاں سے سلام بھیجایا اور سیوہ کا خوات

بھی بھیجا۔ ہم سب نے سیوہ کھایا اور حکومت کے

حالات دریافت کئے۔ لالہ ڈھلورام نے کہا کہ

بچہ سقہ نے کسی ہندو پر ظلم نہیں کیا۔ ہمارے خاندان کے ایک آدمی نے اسکے ہاں شکایت کر دی تھی کہ دیوان صاحب کے گھر میں امان اللہ خاں کی بندو قیں پوشیدہ ہیں اس لئے بچہ سقہ نے مکان کی تلاشی لی اور ۴۰ ہزار روپے بھی وصول کئے مگر ہمارے سوا اور کسی ہندو کو کچھ تکلیف نہیں ہوئی۔

نادر شاہ کی نسبت کہا ایسا بادشاہ تو آج تک اس ملک میں کوئی بھی نہ ہوا ہو گا۔ ہندو مسلمان دونوں کو شکم ہے اور کسی کو کوئی شکایت نہیں ہے۔ سردار صاحب نے بھی اس کی تائید کی۔

مجھے خیال آیا کہ ایک زبردست انقلابی مسلمان مولانا محمد بشیر موجود ہیں جو انگریزوں اور ان کے طرفداروں کو پسند نہیں کرتے اور دوسرے مشہور سکھ انقلاب پرست ان کے سامنے نادر شاہ کی حکومت کی تعریف کرتے ہیں جنکی نسبت ہندوستان میں کہا جاتا ہے کہ انگریزوں سے ملے ہوئے ہیں۔ اگر ہندوستان کی شہرت درست ہوتی تو انگریزوں اور ان کے دوستوں کے دشمن نادر شاہ کی تعریف کیوں کرتے۔

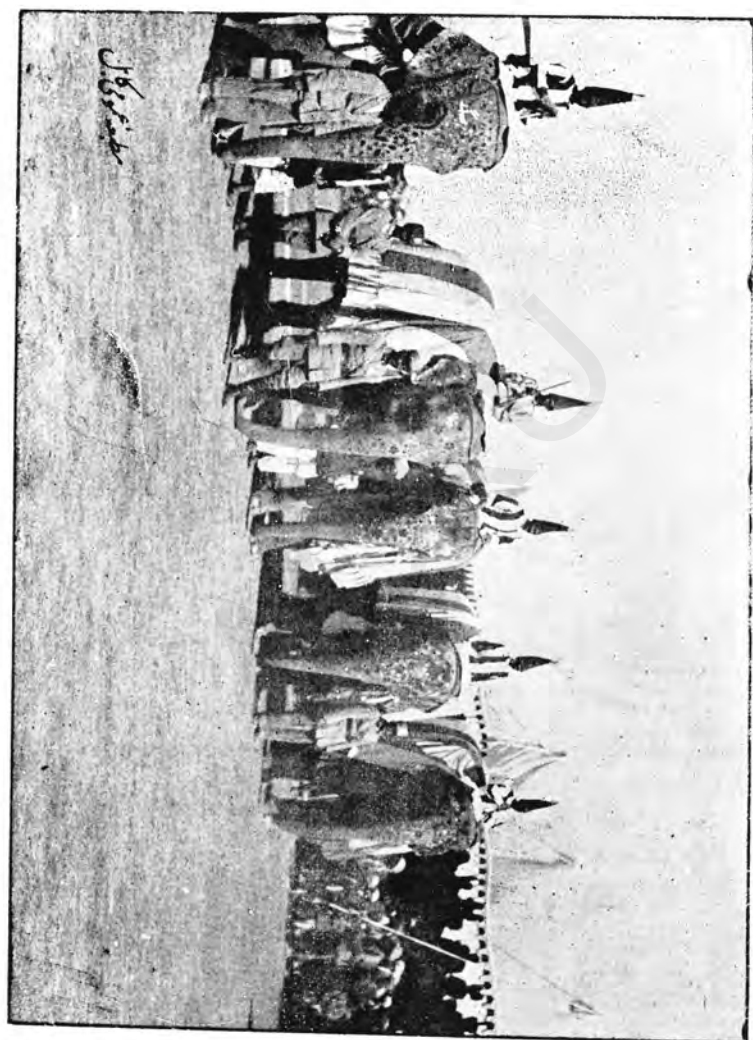
یہاں سے رخصت ہو کر سکھوں کا ایک گردوارہ بھی دیکھا۔ اور ایک سادھو سے بھی ملا۔ گردوارہ خوب آباد اور رونق دار تھا۔

مکتب حربیہ | کل کی تاریخ میں لکھنا بھول گیا کہ سفارت خانہ برطانیہ سے واپسی کے وقت مکتب حربیہ (جنگی کالج) کو دیکھنے بھی گیا تھا۔ یہاں فوجی افسروں کی تعلیم دی جاتی ہے یعنی افسر بنانے کی تعلیم ہوتی ہے۔ صفائی بہت عمدہ تھی۔ نوجوان لڑکوں کی باوردی صفت بندمی اور قواعد بھی دیکھی۔ کھانے کا وقت تھا۔ میزوں کا سلیقہ یورپ کی میزوں سے کم نہ تھا۔ خدا افغان کو سچا مسلمان بنائے رکھے کہ سچا مسلمان ہی صاف اور سلیقہ مند ہوتا ہے یورپین بننے کی ضرورت نہیں ہتی۔

جمعہ کی نماز | آخر وہ وقت آ گیا کہ میں سردار گل محمد خاں صاحب کے ہمراہ کابل کی جامع مسجد میں گیا۔ دہلی اور احمد آباد وغیرہ بڑے اسلامی شہروں کی جامع مسجدوں میں منبر کے قریب بادشاہوں کے لئے ایک مخصوص جگہ بنی ہوئی دیکھی تھی جو امیر معاویہ کی ایجاد ہے۔ تاکہ بادشاہ نماز کی حالت میں دشمن کے حملہ سے محفوظ رہے مگر کبھی اس حجرہ میں کسی بادشاہ کو نماز پڑھتے نہیں دیکھا تھا۔

کابل کی جامع مسجد بہت بڑی ہے۔ مسجد کے اندر گیا تو نمازیوں سے بھری ہوئی تھی۔ کہیں جگہ باقی نہ تھی۔ میں سردار گل محمد خاں صاحب کے ساتھ شاہی حجرہ میں چلا گیا۔ جس کے دروازہ کو میرے داخل ہونے

فوجی ہاتھی جشن استقلال کابل مین



کے بعد بند کر دیا گیا۔

عین اذان کے وقت اعلیٰ حضرت مسجد میں داخل ہوئے۔ چاروں طرف ہتھیار بند فوجی افسروں کا پہرہ تھا۔ نمازیوں میں بادشاہ کے دیکھنے کے لئے جنبش پیدا ہوئی۔ بادشاہ حجرہ کے اندر آئے بھستے لے اور سنتوں میں مصروف ہو گئے۔ امام نے خطبہ شروع کیا۔ جب نادر شاہ کا نام خطبہ میں آیا انہوں نے سینہ پر ہاتھ رکھ لیا اور زمین کی طرف خدا کے سامنے جھک گئے۔ ان کی اس عاجزانہ حرکت سے مجھ پر رقت طاری ہو گئی۔

جماعت کھڑی ہوئی تو اعلیٰ حضرت نے مجھے اپنے برابر اپنی جانناز پر کھڑا کر لیا۔ جانناز بہت چوڑی نہ تھی مگر ہم دونوں دبلے جسم کے تھے آسانی سے نماز پڑھ لی۔ نماز کے بعد سنتوں سے فارغ ہو کر بادشاہ جانے کے لئے کھڑے ہوئے تو میں نے کہا۔ ہم جمعہ کی نماز کے لئے ہندوستان میں مسلمان بادشاہ کو تلاش کرتے تھے تو بادشاہوں کے کاسہ سر اور بوسیدہ ہڈیاں دستیاب ہوتی تھیں۔ بادشاہ میسرنہ آتا تھا۔ مگر آج خدا کا شکر ہے کہ ایک آزاد بادشاہ کے برابر کھڑے ہو کر مجھے جمعہ کی نماز میسر آئی۔ بادشاہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور انہوں نے کہا

مجھے بھی فخر ہے کہ میں نے حضرت خواجہ نظام الدین دہلوی سے نسلی تعلق رکھنے والے کے ساتھ نماز ادا کی۔ آپ حضرت کے فرار پر میرا سلام عرض کیجے گا اور کہئے گا کہ محمد نادر کو اپنے روحانی تصرفات سے محروم نہ رکھیں پھر کہا۔ ہندوستان کے مسلمانوں کو میرا سلام کہئے گا اور کہئے گا کہ محمد نادر نے تمہارے ایک بھائی اور افغانستان کے بادشاہ کی حیثیت میں کہا ہے۔ کہ ہندوستان کے مسلمان قرآن مجید کے احکام پر عمل کریں اور اخلاق رسول اللہ کی تقلید کریں۔ اس کے بعد بآمان خدا کہہ کر رخصت ہو گئے۔

میں مکان پر آیا۔ کھانا کھا یا۔ اس کے بعد اور کہیں نہیں گیا۔ کیونکہ کل صبح کابل سے روانہ ہونا ہے۔ ملنے والے بکثرت آرہے ہیں۔

برطانی سفارتخانہ سے خاں صاحب سکندر خاں صاحب اور سید شفیق صاحب وغیرہ عہدہ دار بھی ملنے آئے تھے۔

افغانی اعتقاد کا ضبط | کابل کی جامع مسجد میں نماز کے بعد بے شمار افغان دست بوسی کے لئے ٹوٹ پڑے۔ کوئی سر کے بال چوستا۔ کوئی ڈاڑھی چوستا کوئی ہاتھ۔ کوئی کڑتہ کارامن۔ گمران کی یورش میں بے تمیزی نہ تھی جیسی ہندوستان کے بعض شہروں

میں دیکھی تھی کہ میں کسی دفعہ مرتے مرتے بچا تھا۔
نماز سے پہلے آج کابل کی عالمگیری مسجد بھی لکھی تھی۔
جس کے نیچے برف کے ایام میں مسجد گرم کرنے کے لئے تہخانہ
تھا۔ برف کے وقت تہخانہ میں آگ جلا دیتے ہیں جس
مسجد اوپر سے گرم ہو جاتی ہے

رات تک لٹنے والوں کا مجمع رہا۔ بوا سیر کا خون
دن میں تین بار آتا ہے۔ نیند بھی بے چین رہتی ہے۔
ملاشور بازار کے مکان پر آج جمعہ سے پہلے
ملاشور بازار کے مکان پر بھی گیا تھا۔ وہ خود تو مصر میں
سفارت کے عہدہ پر مقرر ہو کر چلے گئے ہیں۔ ان کے
بھائی سے ملنا تھا مگر وہ بھی مکان پر نہ ملے۔ کابل سے
باہر اپنے گاؤں میں گئے ہوئے تھے۔

کابل میں آخری رات آج کابل کے قیام
کی آخری رات ہے۔ میرے دل پر اس کا بہت اثر ہے۔
جی چاہتا ہے کہ ابھی چند روز اور بٹھروں مگر غزنی کا شوق
دامن گیر ہے اس لئے کل صبح کی روانگی مقرر ہو گئی ہے۔
شاہانہ تحالف آج اعلیٰ حضرت نے اپنے ہاتھ
کی ایک قیمتی شیج مجھے بھیجی ہے۔ سنگ مقصود کی ہے۔
کہا گیا بہت ہی نفیس ہے۔ مگر قد رجو ہر شاہ داندیا
بداند جو ہری۔ مجھے تو سبزی مائل پتھر کے سوا اور کوئی۔
خرابی معلوم نہیں ہوتی۔ البتہ بادشاہ کے ہاتھ کی ہے

یہ خوبی ضرور ہے۔ ایک عمدہ اونٹنی جاننا اور لباس کے
لئے قیمتی و نفیس کپڑے اور اونٹنی پٹو اور پہاڑی جانور کی
کی کھالیں جن کی ٹوپیاں بنائی جاتی ہیں۔ یہ سب
تحالف بھی تھے۔

میں نے وزیر صاحب خارجہ سے کہا کہ بس شیج
اور جاننا کافی ہے میں اور تحالف نہیں چاہتا۔ مگر
وزیر صاحب نے کہا اعلیٰ حضرت کو رنج ہو گا اس لئے
لے لے۔

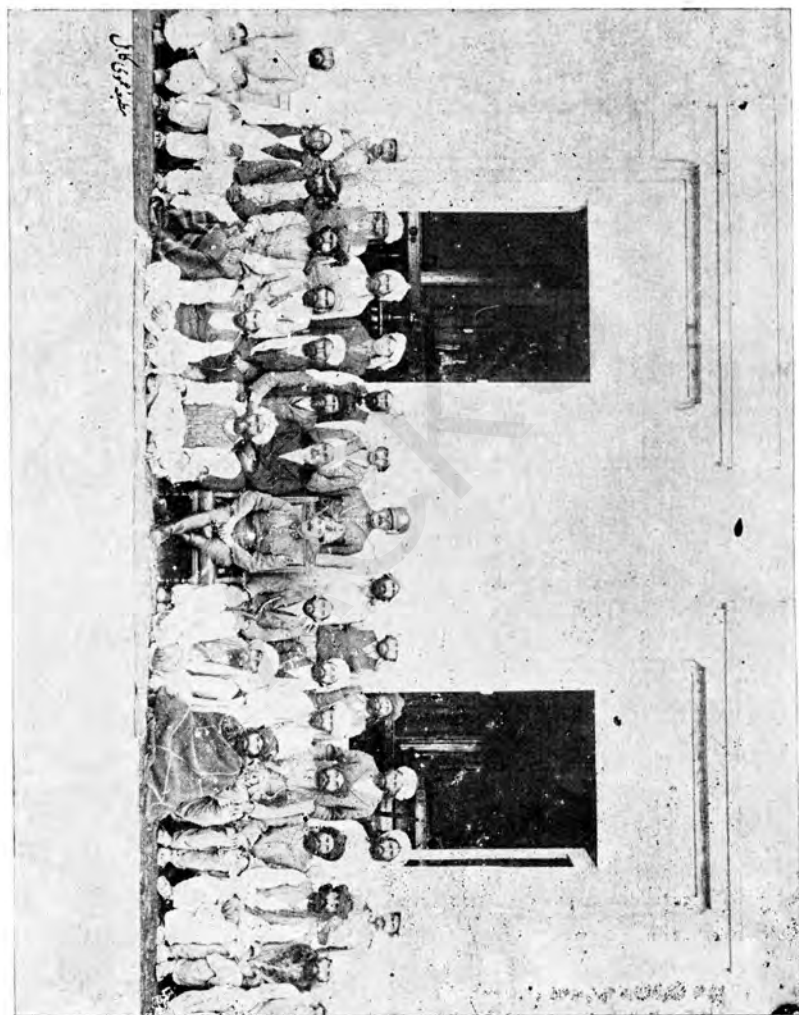
سطح عمومی کے مدیر صاحب آج بہت دیر تک
رہے اور ان کی علمی باتوں سے جی بہت خوش ہوا۔
رات کو دیر میں سو با تا ہم نیند نہ آئی۔ سردی
ایک گرم کبل کے قابل ہے۔ بہت زیادہ نہیں ہے۔

۳۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ ہجری مطابق ۲۴ ستمبر ۱۹۳۱ء
یوم شنبہ۔ کابل سے روانگی

افغانستان کا دل کابل آج صبح جس شہر
سے مجھے رخصت ہونا ہے یہ افغانستان کا دل ہے
اور دماغ بھی ہے اور بازوؤں کی قوت بھی ہے۔
ہندو مذہب کہتا ہے۔ برہمن ہندو قوم کا سر۔ راجپوت
بازو۔ تجارت پیشہ پیٹ اور خد متنگار قومیں اس کے
پاؤں ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ مسلمان اپنی قوم کا سر بھی ہے۔

وزیر حریہ اکابر قوم کے ساتھ



خبریں

بازو بھی - پیٹ بھی اور پاؤں بھی - یعنی وہ تالا بھی ہے -
سپاہی بھی اور تاجر و خدمتگار بھی - پس کابل چونکہ افغانستان
کا پایہ تخت ہے اس لئے وہ افغانستان کا دماغ، دل،
بازو اور پاؤں سب کچھ ہے -

آج میں اس شہر سے جدا ہوتا ہوں جو ہندوؤں،
ایرانیوں، بوزانیوں، مسلمانوں کی مختلف حکومتوں کے
زیر نگیں رہا - دیکھتے ہیں اسکی رونق ان لوگوں کو جو
یورپ یا یورپ کے آراستہ کردہ شہروں کو دیکھ چکے
ہیں - کچھ اچھی معلوم نہ ہوگی - کچھ مکان ہیں - سوائے
مسجدوں، مقبروں اور شاہی عمارتوں کے کہیں
پختی عمارت نظر نہیں آتی - راستے خراب - باشندوں
کے لباس میں قدامت، خیالات میں قدامت، غذا
میں قدامت، رہنے پہنے میں قدامت لیکن ان سب
کے باوجود کابل اب تک تمام دنیا میں تملاطم سمندر
کا دینار ہے جس کی روشنی سے امن کے جہازوں کو
سیدھا راستہ ملتا ہے - روس اور انگریز تو ایک بڑے مقصد
اس کو دیکھتے ہیں - لیکن جرمن و فرانس و اٹلی و امریکہ و
جاپان و ایران بھی افغانستان اور اس کے پایتخت
کو کچھ کم اہم نہیں سمجھتے - امان اللہ خاں کے خیر مقدم
کے اسباب کچھ ہی بیان کئے جائیں لیکن بنیادی
سبب افغانستان اور کابل کی سیاسی اہمیت تھی -

ایک حسرت مجھے کابل میں ایک حسرت رہ گئی کہ میں
یہاں کسی نامی درویش کی زیارت نہ کی - ہر چند تلاش کرتا
رہا مگر کوئی درویش نہ ملے - لوگوں نے کہا افغانستان میں
حسب ذیل فقراء اور علماء درویشی شان رکھتے ہیں -

(۱) حضرت صاحب شور بازار (حال وزیر عدلیہ) (۲) حضرت
صاحب ہرات (۳) ابن حاجی عبدالرزاق خاں رئیس تمیز
(۴) آخون زادہ صاحب ہڈہ شریف (۵) ملا ہڈے یا ملا ہڈا
کا نام اخبارات میں پڑھا تھا - ہڈہ شریف ایک مقام کا
نام ہے - ہندوؤں کے زمانہ کے قدیمی آثار بھی اس مقام
میں مدفون ہیں - (۵) آخون زادہ صاحب تگاب - (۶)
ستید عباس بادشاہ - (۷) عبدالمتان صاحب ابن صوفی
صاحب شزار - (۸) حاجی اسماعیل صاحب یرانی - (۹)
قاضی عطا محمد خاں صاحب (۱۰) معین صاحب داخلہ -
(۱۱) معین صاحب شورے -

آخری دونوں اصحاب سے شاید میں صدر اعظم صاحب
کے ہاں ملا ہوں مگر ٹھیک نہیں کہہ سکتا - مجھ کو تو صاحب بیعت
وارثا و فقر کی تلاش تھی - جس شہر میں عوام کا اعتقاد اتنا
زیادہ ہو کہ جب کبھی بازار میں پیدل نکلتا تھا - سیکڑوں دینی
ہاتھوں اور بابوں اور لباس کو بوسہ دینے کے لئے جمع ہوجا
تھے - مصری و نمک وغیرہ پر دم کراتے تھے - جگہ جگہ بٹخا
کبن (ایک دعا کیجئے) کی درخواست کرتے تھے - دہاں

کسی بڑے خاتقاہ نشین بزرگ کا نہ ہونا حیرت انگیز ہے میں چاہتا ہوں کہ چشتیہ خاندان کے کوئی بزرگ یہاں آکر رہیں کہ اس ملک میں چشتیوں کی کمی ہے۔ قادری اور نقشبندی تو بہت ہیں۔

مسجدیں | کابل کی چند بڑی مسجدوں کے نام۔

- (۱) مسجد پل خشتی (۲) مسجد باغبان باشی۔ محلہ دافغانا۔
- (۳) مسجد جامعہ میر لائے۔ محلہ دافغانا (۴) مسجد رسالہ شاہی اول (۵) مسجد معراج خاں (۶) مسجد گزرگدری۔
- (۷) مسجد علیا شور بازار (عالمگیری مسجد) (۸) مسجد ملا محمد شولانڈا
- (۹) مسجد عاشقان عارفان (۱۰) تکیہ سید مرتضیٰ فیض اول
- (۱۱) مسجد چوب فروشی۔ (۱۲) مسجد زرنگ۔ دہ افغاناں۔
- (۱۳) تکیہ بہت یار خاں چنداول۔ (۱۴) مسجد حاجی شاہ بیگ
- نواب دہ افغاناں (۱۵) مسجد سیاح شیخ احمد (۱۶) مسجد حاجی عزت اللہ باغ علی مردواں (۱۷) گزرشور بازار (۱۸)
- مسجد شاہ دو شمشیر (صاحبہ رخ کے زمانہ کی قدیمی مسجد (۱۹) مسجد
- مجنوں شاہ (۲۰) مسجد سید مہدی شور بازار (۲۱) مسجد
- رسالہ شاہی دوم (۲۲) مسجد میر حاجی صاحب بارانہ۔
- (۲۳) گزر حاجی فیض اللہ (۲۴) مسجد شہر آرا۔

مقبرہ تیمور شاہ | دریائے کابل کے کنارہ باغ عوام کے قریب امیر تیمور شاہ کا مقبرہ ہے۔ تیمور شاہ احمد بابا کے لڑکے اور جانشین تھے۔ ان کے مقبرہ کا گنبد دوسرے

ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے دہلی میں عبدالرحیم خانناں کا مقبرہ اُبار نظر آتا ہے۔ شاہ شجاع کی قبر بھی اسکے اندر ہے۔

باغ عوام | میں شام کے وقت بہت لوگ میر و قریح کے لئے آتے ہیں۔ رونق بڑھ رہی ہے۔ حکومت اس قسم کے مناظر کو ترقی دے رہی ہے۔

عید گاہ | جشن کے میدان کے سامنے شرک کے برابر عید گاہ بھی بہت شاندار ہے جہاں سے قلعہ بالاحصار کا منظر بہت اچھا معلوم ہوتا ہے۔

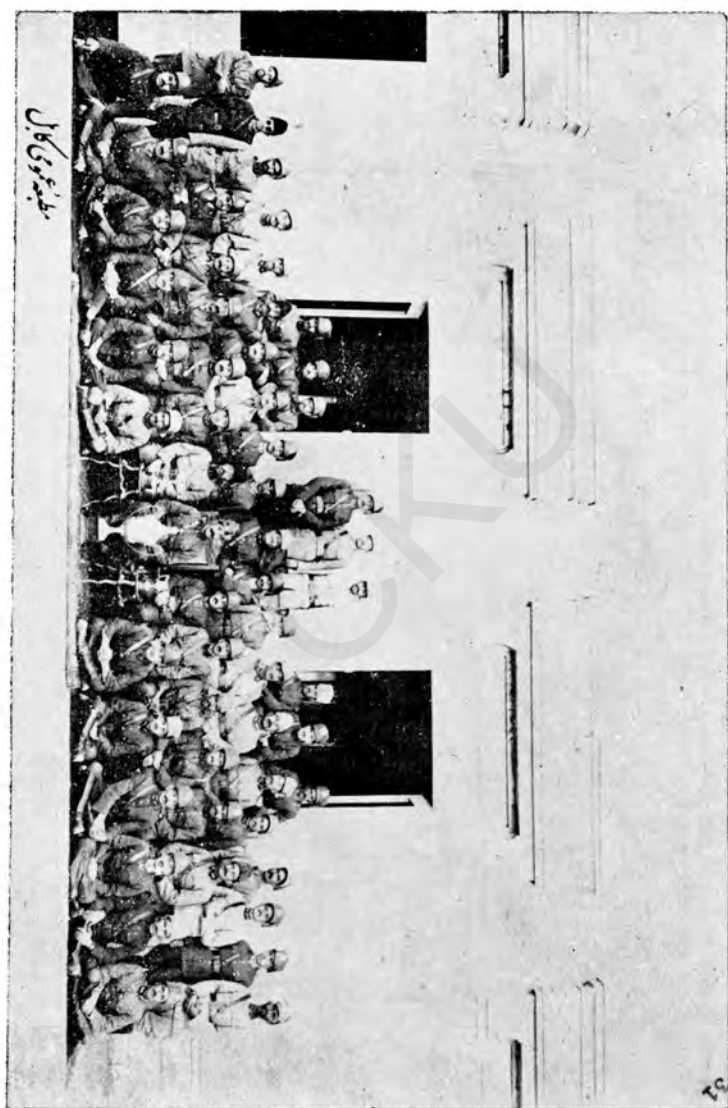
انجمن ادبی کے بقیہ ممبر | کل یار پارسوں انجمن ادبی کے چند ممبروں کے نام لکھے تھے۔ آج چند نام اور معلوم ہوئے ہیں۔ چونکہ یہ انجمن مجہد کو آگے جا کر بڑے بڑے کام کرتی معلوم ہوتی ہے اس لئے اسکے بقیہ ممبروں کے نام بھی لکھتا ہوں۔

محمد کریم خاں قاضی زادہ۔ محمد بشیر خاں منشی زادہ۔
گما عبد الغنی خاں ستغنی۔ عبد الباقی خاں لطیفی سرکاتب۔
حافظ محمد اکبر خاں حافظ۔ محمد سرور خاں بویا کاتب۔

روانگی کے وقت | مولانا محمد بشیر صاحب بہت سویرے لئے تشریف لائے۔ ان کی ملاقاتوں سے مجھے قرآن شریف پر غور کرنے کا بہت اچھا راستہ ملا۔ بہت صاف اور پُر جوش مسلمان ہیں۔

سفارت خانہ برطانی سے سید متقی صاحب جالندہری

وزیر صاحب حربی مع افسران فوج



مفتی محمد علی کمال

بھی اعمال حزب البحر کی اجازت کے لئے آئے تھے۔
میں نے ناشتہ کیا۔ موٹر میں اسباب رکھوایا۔ اور
ساڑھے آٹھ بجے صبح روانہ ہوا۔

دہلی اور کابل کا وقت | میری گھڑی میں دہلی
کا وقت ہے اور ساڑھے آٹھ بجے ہیں۔ کابل میں
پونے آٹھ بجے ہیں۔ کابل اور دہلی کے وقت میں
پون گھنٹہ کا فرق ہے۔

ایک شہید کی قبر کا دلچسپ کتبہ | کابل میں
سمرہ ایک شہید کی قبر پر سرخ رنگ سے یہ شعر
لکھا ہوا ہے اور اتنا جلی ہے کہ ہر شخص راستہ چلتے
اسکو پڑھ سکتا ہے۔

ماشہید ستم تیغ فرنگی شدہ ایم
مست دیدار خدا ئیم بہشتی شدہ ایم
کہتے ہیں کسی نے کہا شعر میں سکتہ ہے۔ افغان نے
جواب دیا۔ مست دیدار کو شاعری کا سکتہ دیکھنے کا
خیال کیونکر آ سکتا تھا۔

جو لوگ افغانستان کی حکومت کو انگریزوں کی
حکومت کا حلقہ بگوش کہتے ہیں وہ منظر عام کے اس
شعر کو دیکھیں۔ انگریزوں کا اثر ہوتا تو کیا وہ اس
شعر کو راستہ میں قائم نہ ہنسنے دیتے؟

غزنی کا راستہ | دارالامان باغ کے قریب

غزنی وقت ہمار کی سڑک گئی ہے۔ راستہ اچھا ہے۔
غزنی تک تمام سڑک صاف بے خطر اور ہموار ہے۔
اعلیٰ حضرت کے حکم سے وہ خاصہ کی شاہی موٹر جو کابل
میں میری سواری میں رہتی تھی اس سفر کے لئے
دی گئی ہے جو چین تک ساتھ رہے گی۔ سید مومن
بھی حکم شاہی کے بموجب میری رفاقت میں رہینگے۔
ایک عجیب اصلاح | ڈک اور مندر میں دیکھا تھا
کہ جب میں نے نوکروں کو انعام دینا چاہا تو انہوں نے
انکار کیا۔ اور اب کابل میں بھی دیکھا کہ جب قیام گاہ
سے رخصت ہونے لگا تو خدمت گاروں کو انعام
دینا چاہا مگر کسی نے قبول نہ کیا۔

یہ بات معمولی نہیں ہے بلکہ بہت بڑی ہے۔
یورپ والے بھی ٹپ مانگتے ہیں اور ہندوستان
میں بھی ہر جگہ بخشش اور انعام کی خواستگاری
ہوتی ہے۔ افغانستان ایک غریب ملک ہے چاہل
ملک ہے۔ اور بدنام ملک بھی ہے مگر یہاں بھی ایک
مانگنے والے فقیر زیادہ ہیں نہ انعام مانگنے والے نوکر۔
غازی نادر شاہ نے رشوت ستانی کا انتظام بہت
عمدہ کیا ہے۔ اب رشوت خواری کے سب راستے
بند ہو گئے ہیں یہاں تک کہ نوکر بھی انعام کو رشوت
کے تحت میں خیال کر کے اس سے گریز کرتے ہیں۔

میں کابل سے غزنی جا رہا ہوں اور کابل کا یہ وصف
مجدد کو حیران کر رہا ہے کہ ایک آدمی نے اس ملک پر کیا جاؤ
کر دیا کہ صدیوں کی عادت بدل گئی۔ حق یہ ہے کہ خلوص
و صداقت میں بڑی قوت ہوتی ہے۔ اور یہ نادر شاہ
کی دیانت کا ظہور ہے۔

کابل پر ایک آخری نظر | ہر تصور کی ایک تصویر
ہوتی ہے۔ جب میں نے کابل کو نہ دیکھا تھا تو میرے
ذہن میں اس شہر کی ایک تصویر موجود تھی۔ جب
کابل کی خبریں سننا تھا اور پڑھتا تھا تو تصور کی تصویر
ذہن میں آ جاتی تھی۔ کابل کو دیکھ لیا تو تصور کی
تصویر غائب ہو گئی اب اصلی صورت لوح قلب پر
یا آنکھ کے پلیٹ میں جم گئی۔

موٹر کابل شہر سے باہر نکلنے لگی تو میں نے
اس تاریخی شہر کو مڑ مڑ کر دیکھا اور کہا۔ سلام۔ سلام۔
رضخت۔ رضخت۔ اے ہندوؤں اور مسلمانوں
کے قدیمی شہر۔ اے کوہستان کے اونچے اونچے
پہاڑو! تم نے اس زمین پر بہت سے انقلاب
دیکھے اور تم کو دنیا کی متعدد ناسور قوموں نے دیکھا
اور پامال کیا۔ اگر میں کوئی ایسا آلہ ایجاد کر سکتا جو
گزشتہ زمانہ کی نگاہوں کو پہاڑوں کے پلیٹ
سے جدا کر لیتا تو میں ایران کے بڑے بڑے

شہنشاہوں اور سپہ سالاروں اور فوجی جرنیلوں کی
نظروں کو دیکھتا جو یہاں آئے اور یہاں سے فاتحانہ
ہندوستان میں چلے گئے۔ میں زابل اور کابل کے
شہر پہلوں رستم کی خیرہ کن نظروں کو بھی دیکھتا
جو سیستان کا ایک معمولی پہلوان تھا اور جس کو
فردوسی نے اپنی شاعرانہ قوت سے شاہنامہ کا
ہیرو بنا دیا تھا۔ میں یونان کے سکندر اور اس کے
جرنیلوں کو بھی دیکھتا جو دارائے ایران کو مغلوب
کر کے ہندوستان پر چڑھا تاکہ ان راجاؤں سے
خراج لے جو ایران کے باغزار تھے اور بعد میں دسر
ہو گئے تھے۔

اے کابل! میں تجھ کو ہمیشہ یاد رکھوں گا۔
اے کابل! میں تجھ کو مدت سے یاد کر رہا تھا۔
اے کابل! میری نسلیں جب میری تحریر پڑھیں گی
تو ان کو تیرے ساتھ ایک محبت ہو جائے گی۔ مگر
آج وہ جانتی بھی نہیں کہ ان کا تجھ سے کیا تعلق ہا
ہے کیونکہ وہ یورپ کی ایک قوم کی محکوم ہیں جو انکو
اپنی تاریخ پڑھاتی ہے۔ اپنے ملک کا جغرافیہ
پڑھاتی ہے اور ان کو ان کی شاندار تاریخ پوری
نہیں پڑھاتی۔

میں آج تجھ سے جدا ہوتا ہوں اور تیرے بلند

افغانستان کے مجاہدین کی ایک جماعت اور شاہ ولی خان صاحب



بنیاد الدیشہ
۱۳۷۰

پہاڑوں کی چوٹیوں پر جب ہندوؤں کے زمانہ کی اس بڑی دیوار کو دیکھتا ہوں جو اصحاب رسول اللہ کی فوجوں کو روکنے کے لئے بنائی گئی تھی اور آج تک قائم ہے تو مجھ کو ہندو قوم کے جذبہ حفاظت کا زمانہ یاد آتا ہے اور یہ بھی کہ اصحاب رسول اللہ ایسے مسلمان تھے جنکی یورش کو یہ سد سکندری نہ روک سکی اور انہوں نے باوجود اس روک کے کابل کو فتح کر لیا۔ تجھ پر سلام۔ اور تیرے اسلاف و اخلاص پر سلام۔

ہزار لیلے دروشت غزنی | کابل سے غزنی تک سڑک بہت اچھی ہے اور اسکو سڑک کہہ سکتے ہیں۔ ورنہ پشاور سے کابل تک جو راستہ ہے اسکو سڑک کہنا نہ کثرت ہدایہ کی رو سے۔ نہ سالکان طریقت کے فتوے سے بلکہ عالم باتریات پر نظر رکھنے والے انسانوں کے خیال سے ناجائز اور سخت گناہ ہے۔ یہ راستہ تو سڑک کا ایک بہت بڑا خواب ہے۔ البتہ جب کابل سے غزنی جاتے ہیں تو راستہ صاف ہے۔ نشیب و فراز بھی نہیں ہے کوہستانی موڑ توڑ بھی نہیں ہے۔

اس راستہ کے آس پاس دور تک میدان ہے۔ پہاڑ بھی ہیں لیکن سڑک سے فاصلہ پر۔

ان میدانوں میں بعض مقامات پر خانہ بدوش قبائل کے قافلے نظر آتے ہیں۔ کابل کے نیچے تان کہے ہیں ان کے سامنے دُنْجے اور اونٹ اور گدھے چر رہے ہیں۔ بچے کچھ سڑک کے کنارہ کھڑے سیر دیکھتے ہیں کچھ گدھوں کو چرا رہے ہیں۔ کچھ دُنْجوں کے ساتھ دوڑ رہے ہیں۔ کچھ ماموں اونٹ کو ستا رہے ہیں۔ عورتیں بھی لمبی لمبی پشتوازیں سی پہنے ہوئے خیموں میں کام کرتی نظر آتی ہیں۔ ہمارے ملک میں سڑاؤں کی بھٹیاریاں اور تیلینیں جس قسم کے جامے پہنتی ہیں اسی کے مشابہہ ان عورتوں کا لباس ہے مگر گھیر زیادہ نہیں ہوتا۔ سر کے بالوں کی بندھیاں گندھی ہوئی بال گندھوں پر پڑے ہوئے۔ پیشانی اور رخسار پر گوونے کے نشان۔ بڑی بڑی آنکھیں۔ سرخ و سفید چہرے مضبوط جسم مگر پنجاب کی عورتوں کی طرح جسم موٹے اور بھاری نہیں ہیں۔ جنگل میں رہنے اور محنت کی زندگی بسر کرنے سے نہایت سڈول اور خوبصورت جسم معلوم ہوتے ہیں۔ میں نے کہا۔ اگر مجنوں کو معلوم ہو جاتا کہ کابل سے غزنی تک ہزاروں لیلایں آباد ہیں تو وہ ایک لیلے کا زلف پرست نہ بنتا۔ ان قبائل کے نوجوان لڑکے ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہنے دکانوں کے پاس چھوٹی چھوٹی لفٹیں

لٹکائے راگبیروں کا تماشہ دیکھتے نظر آتے ہیں۔ کابل میں یہ تندرستیاں کہیں نظر نہ آتی تھیں۔ وہاں جسکو دیکھا چہرہ زرد۔ آنکھوں میں حلقے۔ جسم ناتواں۔ یہاں جس کو دیکھتا ہوں خوب گوار رنگ جس پر خون کی سُرخ ایسی جیسے سفید سیپ پر لال رنگ۔ ان بچوں کی آنکھوں میں خُسن بھی ہے اور چمک بھی اور شوخی بھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلطان محمود غزنوی کے ایاز اور دوسرے خوبصورت لڑکوں کو قدرت نے ان جنگلوں میں اب تک بچا رکھا ہے۔

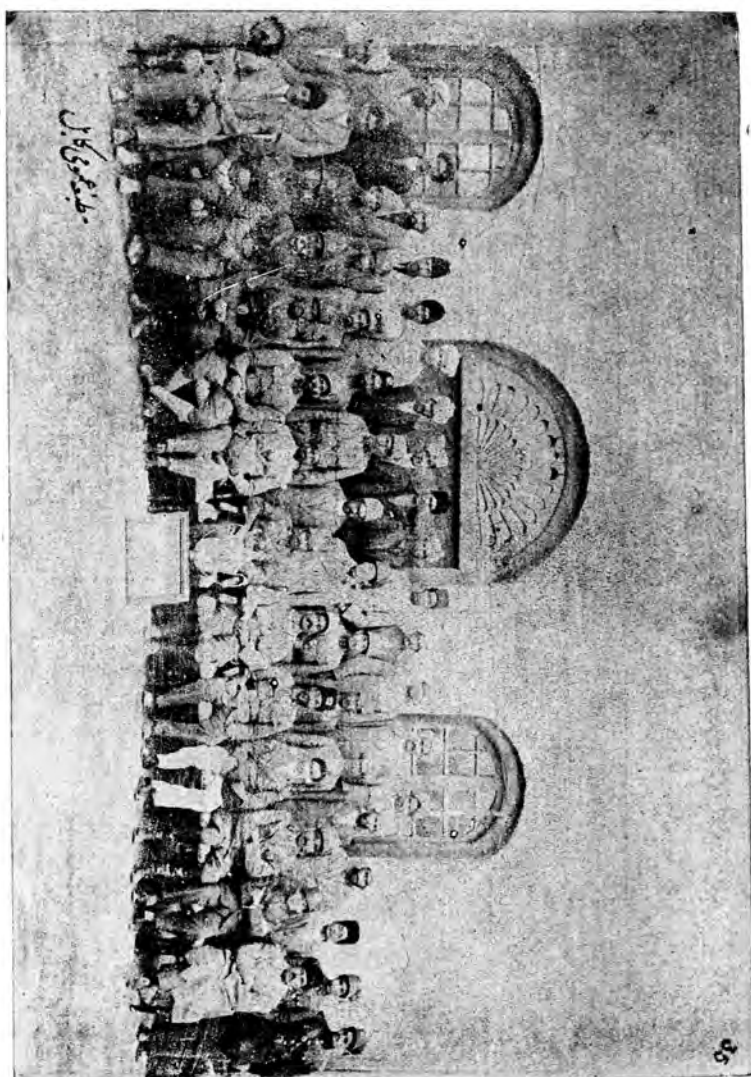
یورپ والے کہتے ہیں۔ تاریخ اعادہ کرتی ہے اور مسر والے اپنے مُردوں کو مصالحو لگا کر قائم رکھنا جانتے تھے۔ ان کی لاشوں کو میں نے دیکھا۔ چار چار اور پانچ پانچ ہزار برس کی تھیں مگر سر کے اور بھنوں کے بال اور ناخن تک موجود تھے۔ شہوت غزنی میں قدرت نے سلطان محمود غزنوی کے زمانہ والوں کو۔ بارہ پیدا کر دیا تو تعجب نہیں۔

یہاں سوڑ کو تیز رفتار کہتے ہیں اور لاری کو موڑ کلان اس لحاظ سے کہنا چاہئے کہ جب میری تیز رفتار غزنی کے راستہ پر دڑ رہی تھی تو میں نے جگہ جگہ قدرت کے بنائے ہوئے بُت دیکھے۔ یعنی حسین عورتیں اور حسین بچے۔ آزادی کی زندگی جنگل کی

ہوا اور بے فکری۔ یہ تین چیزیں ہیں جن سے انسان کے اندر تندرستی اور خوبصورتی پیدا ہوتی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ شاعری ان جنگلوں میں نہیں آسکتی ورنہ وہ خُسن و جمال کے ان باغوں میں بھی خزاں پیدا کر دیتی۔ کیونکہ شاعر لوگ بظاہر خُسن انسانی کے مداح ہوتے ہیں۔ لیکن درحقیقت ان کی شاعری سے انسان کے اندر خُسن و جمال کو غلط طریقہ سے استعمال کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور اس سے نسلوں کا خُسن اور تندرستی برباد ہو جاتی ہے۔

سگش دوید و او خندید | تیز رفتار جاری تھی کہ موڑ کے دائیں طرف کیا دیکھتا ہوں کہ ایک لالہ سُخ مہال جاپان کے گلابی ریشم کا جامہ پہنے۔ کندھے پر سیوہ سے بھری ہوئی مشک آٹھائے اور دونوں ہاتھوں سے اس مشک کو سنبھالے موڑ کی رفتار کو صحرائی استعجاب سے دیکھ رہی ہے۔ آنکھیں ایسی جیسے موتیوں کا چُورایا تھیں کا ڈھیر کہ ان کی کرنیں دیکھنے والوں کی نظروں میں خیرگی پیدا کرتی تھیں پلکوں اور بھوؤں کی سیاہی ستر العرش اور سنگ اسود اور کوہ طور سے زیادہ سیاہ۔ رخسار ایسے شقائق اور گلابی کہ چین اور جاپان اور فرانس کے ریشمی کپڑے ان کو دیکھ کر شرم جائیں اور خود

افسران فوج افغانستان



خطه دوی کابل

اپنے خلاف بائیکاٹ کا فتوے لگائیں۔ قدشاعروں کے
سرو سے چھوٹا اور بد نما پست قامتی سے بڑا۔ شباب کی
جگلیاں اس کے وجود میں جنبش پیدا کر رہی تھیں۔ اور
وہ بے اختیارانہ مشک کو کندھوں پر رکھے جھوم رہی تھی۔
اور لہر رہی تھی۔ موٹر برابر سے گزری تو قبیلہ کا ایک
بڑا خوفناک کُتا۔ بھورا رنگ، کالا منہ، ایک ایک
انچ لمبے کھڑے ہوئے بال، بڑی خوفناک اور گردار
آواز سے بھونکا اور موٹر کی طرف دوڑا۔ اس کے غصہ اور
اس کے حملہ کو دیکھ کر دشت کی لالہ رخ مسکرائی اور اس
نے اپنے قدرعنا کو جنبش دی اور دو رتک کُتے کی دوڑ
کو ہنس ہنس کر دیکھتی رہی۔ میرے منہ سے بے اختیار
نکلا۔ "سگش دوید و او خندید" (اس کا کُتا دوڑا اور

وہ ہنسی)

اِذَا ارَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ خَيْرًا
اجْمَعَهُمْ عَلٰى خَيْرِهِمْ

اللہ تعالیٰ کسی قوم کی بہتری کا ارادہ فرماتا ہے تو اس
قوم کو اس کی بہتری کے اسباب پر جمع کر دیتا ہے۔
تو کیا دشت و صحرا کی رہنے والی ان مسلمان قوموں پر
ان افغان قوموں پر خدا کی مہربانی ہوگی؟ اور خدا
ان کی بہتری کا ارادہ کرے گا؟ اور انکو کسی ایسے
سبب پر جمع کر دیگا جو انکی ترقی و بہتری کا موجب ہو۔

میں دشت کی اس لالہ رخ اور لیلے اور شیریں کو
دیکھتا ہوں تو بڑے بڑے شعرا کی ارواح کو اور بڑے
بڑے مصوروں کی رعوں کو بھی دیکھتا ہوں کہ وہ
سب اس منظر کے لئے اشعار سوچ رہے ہیں۔ اور
یورپ کی فلم کمپنیوں کو بھی دیکھتا ہوں کہ ان کے
نمائندے تصویر اتارنے کے کیمرے لئے آس پاس
کھڑے ہیں اور اس کے بتیم کی تصویریں کھینچ رہے ہیں۔
گویا ان سب قدیم و جدید شعرا و مصوروں کے
کہہ رہا ہوں۔ ہٹ جاؤ۔ یہاں سے دور ہٹ جاؤ۔
تمہاری شاعری اور تمہاری مصوری نے نوجوانوں کے
اخلاق پرست کر دیئے۔ انکو عشق کے افسردہ کرنے والے
گرم حمام میں بند کر دیا۔ ان کے اعلیٰ دماغی و ذہنی
جذبات کو مادی ترقیوں کے قابل نہ رکھا۔ ہٹو ہٹو۔
میں اپنی قوم کے ان آزاد قبائل کو خدا کی طرف اور
خدا کی زمین کی ترقیوں کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں
تاکہ میری سعی خدا کو پسند آئے اور خدا کے ارادہ میں
حرکت ہو اور اس حرکت کی برکت سے یہ لوگ سب
خیر پر جمع ہو جائیں۔

ارے او کابل والے نادر شاہ! مجھ کو تو وہ
سبب خیریں تو معلوم ہوتا ہے جس پر یہ صحرائی قبائل
جمع ہوں گے اور تیرے ذریعہ سے ان کے اندر وہ حیات

غفلت پیدا ہوگی جو عرب کے بادیہ نشین قبیلوں میں گم دینیہ کے تاجدار کی قوت معنوی سے پیدا ہو گئی تھی کیونکہ تو سلطان عرب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حقیقی پیرواؤ متقلد ہے اور خدائے بگوارا یساعبد بنایا ہے جو عبد اللہ الصلیحین کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔

کوہ پتہ | راستہ میں اونچے اونچے پہاڑ آتے اور ان کے دامن میں کوئی چھوٹی سی پہاڑی ہوتی تو سید سون کہتے یہ کوہ پتہ ہے۔ افغان لوگ چھوٹی پہاڑیوں کو پہاڑ کا پتہ کہتے ہیں۔

بواے کا ترجمہ | افغانستان میں یورپ کے بواے کا ترجمہ بڑے دلچسپ انداز سے کیا جاتا ہے۔ گلگتہ میں ایک دوست کے ہاں ٹھہرا۔ ان کی معاشرت انگریزی تھی۔ انہوں نے اپنے نوکر کو بواے کہہ کر آواز دی۔ لفظ بواے کے لغوی معنی پتہ کے ہیں۔ میں سمجھا کوئی دس بارہ سال کا پتہ اچھلتا کودتا سامنے آئیگا۔

مگر دیکھا کہ ستر برس کا ایک بڈھا۔ لمبی سفید ڈاڑھی دمہ کا عارضہ کھانتا ہوا چلا آتا ہے۔ میں نے ہنس کر پوچھا۔ آپ نے اسی کو بواے کہہ کر آواز دی تھی؟ بولے۔ جی ہاں!۔ میں نے کہا۔ خدا آپ کو صیانت کرے خوب اولڈ بواے پائے ہیں۔

یہی حال افغانستان میں ہے۔ افغان لوگ

اپنے نوکروں کو ”اوبچہ“ کہہ پکارتے ہیں اور وہ پتہ کبھی سولہ سترہ برس سے کم نہیں ہوتا اور زائد کی تو کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ میں نے پچاس ساٹھ سترہ برس تک کی عمر کے پتے یہاں دیکھے۔ اوبچہ کی اصطلاح ایسی عام ہے کہ بڑے بڑے عہدہ دار اپنے ان ماتحتوں کو جنگی حیثیت سو دس سو روپے ماہوار پانے کی ہے اوبچہ کے لفظ سے مخاطب کرتے ہیں۔ پھر اگر چھوٹے پہاڑوں کو یہ لوگ کوہ پتہ کہیں تو تعجب نہ کرنا چاہئے۔

سفید کوہ پتہ | راستہ میں ایک سفید رنگ کی پہاڑی نظر آئی۔ یہاں کے سب پہاڑ بھورے رنگ کے ہیں۔ ان پر نگاہ اس اور درخت نہیں ہیں۔ اس واسطے یہ سفید کوہ پتہ مجھ کو بہت عجیب معلوم ہوا۔ ممکن ہے اس کے اندر سنگ مرمر ہوا در ممکن ہے کہ کوئی اور سفید پتھر ہو۔

ایک عجیب ہاں | ہاں اور نہیں دو لفظ ہیں۔ عربی میں لا اور نعم۔ انگریزی میں یس اور نو۔ غرض اسی طرح ہر زبان میں مختلف الفاظ ہاں اور نہیں کے لئے بولے جاتے ہیں۔ مگر افغانستان میں ایک ”ہاں“ عجیب قسم کی ہے جسکے لئے دنیا کا کوئی لفظ نہیں ہے۔ یعنی اس ہاں کے واسطے کسی لفظ اور حرف کی ضرورت نہیں ہوتی۔ افغان کو جب ہاں کرنی ہوتی ہے تو وہ بہت زور سے اندر کا سانس لیتا ہے اور

۲۱۱۹۱

بچہ سقم کی شاہانہ تقریر



۱۸۸۱
بچہ سقم گرفتاری کے بعد



مطبعہ عمومی کابل

حکومت کی طرف سے کوئی خاص پابندی تو نہیں ہے؟
 کہا۔ کچھ پابندی نہیں ہے بلکہ مسلمان رعایا سے
 زیادہ ہماری راحت کا خیال رکھا جاتا ہے۔
 پہچان کے لئے زرد یا سرخ پگڑی ضرور باندھتے ہیں۔
وطن یاد آتا ہے | میں نے کہا۔ تم کو کبھی اپنا
 وطن ہندوستان بھی یاد آتا ہے؟ غمزدہ لہجہ میں
 کہا۔ اب یاد کرنے سے کیا فائدہ۔ ہمیں تو یہ بھی معلوم
 نہیں ہے کہ ہمارے بڑے کہاں سے آئے تھے۔
 اس کے علاوہ اب ہم آزاد ہیں۔ چین، کوئٹہ، لاہور،
 پشاور، راولپنڈی تجارتی کاموں کے لئے جاتے
 ہیں پھر چلے آتے ہیں۔ اب تو ہم کو یہی اصلی وطن
 معلوم ہوتا ہے۔ میں نے کہا۔ اتنی صاف اُردو
 کہاں سیکھی؟ کہا ہندوستان جاتے ہیں ہاں
 سیکھی۔ میں نے کہا کبھی یہ خیال بھی آتا ہے کہ
 سلطان محمود غزنوی کی وجہ سے وطن چھوڑنا پڑا۔
 یہ سوال سنکر اس کے چہرہ پر پھر غم کی ایک کیفیت
 نمودار ہوئی مگر جواب دیا۔ ہمیں کیا خبر ہمارے
 بڑے یہاں کیوں آئے۔ ممکن ہے نوکر ہو کر آئے ہوں۔
 میں نے کہا۔ گاندھی جی کو جانتے ہو؟ جواب
 دیا۔ جانتا ہوں اور ان کو اپنا گرو سمجھتا ہوں اور
 جو لوگ ان کی ستیہ گرہ کو نہیں مانتے انکو ملک کا دوت

نہیں سمجھتا۔ میں نے کہا۔ اگر کبھی ہندو افغانستان
 پر حملہ کریں تو تم افغانوں کا ساتھ دو گے یا ہندوؤں
 کا؟۔ ہنسکر بولا۔ ہندو دیوانے نہیں ہیں جو وہ
 اس ملک پر حملہ کریں گے۔ انگریزوں نے حملے کئے
 اس ملک کو مغلوب کر لیا مگر چین سے نہ رہ سکے۔
 آخر جانا پڑا۔ اس ملک کو لینا کچھ مشکل نہیں ہے
 مگر یہاں قائم رہنا ہر بادشاہ کے لئے محال ہے۔
 کیونکہ ملک کا ہر شخص جنگ جو ہے اور غیر کی حکومت
 کے خلاف مرجانا پسند کرتا ہے۔

اور اگر بالفرض ہندو پاگل ہو جائیں اور افغانستان
 پر حملہ کریں تو میں ملکی لڑائی میں افغانوں کا ساتھ
 دوں گا اور دھرم کی لڑائی میں ہندوؤں کا
 ساتھ دوں گا۔

غزنوی ہندو کے جو بات سنکر میں نے خیال
 کیا کہ اس قوم میں ہر جگہ معقولیت پیدا ہو گئی ہے۔
 میں سمجھتا تھا کہ وہ مسلمانوں کی رعایا ہونے کے سبب
 ایک اجنبی مسافر سے آزادانہ بات نہیں کر سکتا۔
 لیکن اس کے جوابوں میں کوئی کمزوری نہیں تھی۔
 اس کا یہ کہنا کہ دھرم کی لڑائی ہو تو وہ ہندوؤں کا
 ساتھ دے گا بالکل سچا اور آزادی کا جواب تھا اور
 میرے دل میں اس جواب کے سبب اسکی عزت بڑھ گئی۔

سوٹر اندرا گئی | آخر سوٹر اندرا گئی۔ اور کھانے سے فارغ ہو کر جب ہم سب قلعہ غزنی سے باہر جانے لگے تو سوٹر وواڑہ میں پھنس گئی۔ ہر چند کوشش کی نہ نکل سکی۔ چاروں طرف بچے بوڑھے افغان جمع ہو گئے اور سب نے ڈرائیور کو دودھی دے کر کامیابی نہ ہونی۔

ایک بچہ خرسوار کہ ریش ہم داشتہ بود | ڈرائیور

باوجود سخت سردی کے محنت کرتے کرتے پسینہ پسینہ ہو گیا۔ اتنے میں ایک لمبی ڈاڑھی والا افغان گدھے پر سوار وہاں آیا اور دروازہ سے باہر جانے کی کوشش کرنے لگا۔ ڈرائیور نے کہا۔ ابچہ کچا میر دھی؟ مگر چشم نہ داری؟ (کہاں جاتا ہے۔ تجھ کو دکھائی نہیں دیتا کہ راستہ بند ہے) ڈاڑھی والے بچے نے کچھ پروا نہ کی اور جبراً اندر آنا چاہا۔ ڈرائیور شاہی سوٹربان تھا۔ غصہ میں آگ ہو گیا اور باوجود دُوبلا پتلا ہونے کے شیر کی طرح گدھے والے پر جھپٹا۔ اور پہلے ایک طمانچہ خرسوار کے رخ سرخ پر مارا۔ اور پھر دونوں ہاتھوں سے گدھے کو دھکا دیا۔ جنابگار گرے اور بچہ خرسوار بھی گرا۔ حاضرین خوب ہنسے مگر مجھے تکلیف ہوئی اور میں نے سلطان جان کو منع کیا کہ کسی کو مارو نہیں۔

بچے ہر جگہ یکساں ہیں | چند بچے بھی وہاں جمع تھے ایک چھوٹے بچہ نے ٹھنک کر کہا۔ ”مارا می زند“ (مجھے

مارتا ہے) یہ شکایت ایک دوسرے بچے سے کی تھی جو دس سال کا معلوم ہوتا تھا۔ اور جسکی شکایت کی تھی وہ بھی دس سالہ معلوم ہوتا تھا۔ شکایت کرنے والے کی عمر چار سال کی معلوم ہوتی تھی۔ حمایتی لڑکا مٹکا اٹھا کر بچوں میں آیا اور کہا۔ ”کے می زند؟ (کون مارتا ہے) مارنے والے لڑکے نے ڈر کر کہا۔ ”دروغ می گوید کسے نمی زند“ (جھوٹا ہے کوئی نہیں مارتا۔)

میں نے خیال کیا ہندوستان میں بھی چھوٹے بچوں کی یہی فطرت ہوتی ہے۔ اور مجھے غزنی بچوں کی اس جنگ میں بڑا لطف آیا۔

بابا قربان پیدا شدند | سوٹر دروازہ سے بڑی

دشواری کے بعد نکلی تو میں نے کہا۔ ”بابا قربان تائیدم پیدا نہ شدند“ (بابا قربان اب تک نہیں ملے) هجوم میں ایک بڑھا آدمی آگے بڑھ کر بولا۔ ”دیر شد اینجا استادہ ام“ (بہت دیر سے یہاں کھڑا ہوں) چھوٹا قد، لمبی سفید ڈاڑھی، مضبوط جسم، تیز چمکدار چھوٹی آنکھیں، دانت گھستے گھستے بہت چھوٹے چھوٹے رگے ہیں۔ بابا کے چہرہ پر سُرخ اور تجم کی ایک بڑی لہر تھی۔ میں نے کہا۔ خوش آدمی بابا قربان۔ دیر آدمی ازراہ دور آدمی؟ (خوب آئے بابا قربان مگر دیر میں آئے شاید بہت دور سے آئے ہو؟)

قدیمی غزنی کے ٹیلے

میناروں کے پاس کھڑے ہو کر بابا قربان نے ایک بڑا میدان دکھایا جہاں بے شمار ٹیلے اور شیب و فراز تھے۔ اور کہا کہ یہاں سلطان کے زمانہ میں غزنی کی بڑی اور خاص آبادی تھی۔ غزنی جالیں سل کا شہر تھا۔ جہاں بابا قربان کے بیان کے موافق ۳۶ لاکھ گھر تھے مگر علاء الدین غوری جہاں سوزنے لگی عناد کی بناء پر غزنی کو برباد کر دیا۔ اور سارے شہر کو جلا کر میت نابود کر ڈالا۔ اور جب سے اس کا نام جہان سوز اور ملہا کو شہور ہو گیا۔ چنانچہ یہاں بعض کتبوں میں بھی ملہا کو نام درج ہے۔

نظر حسرت

بابا قربان کی یہ بات سن کر میرے کلیجہ میں ایک گھونٹہ لگا۔ میں تو وہی سے یہ تمنا لیکر آیا تھا کہ سلطان کے قصر دیکھوں گا۔ اور جہاں سلطان کی جنگی کونسل ہوتی تھی اسکو دیکھوں گا۔ اور جہاں سلطان کا مشاعرہ ہوتا تھا اور جہاں فردوسی شاہنامہ لکھتا تھا۔ اور جہاں سلطان کے خوبصورت غلام کھڑے رہتے تھے۔ اور جہاں ایاز سے راز و نیاز ہوتے تھے۔ اور جہاں ہندوستان پر حملہ کرنے کے مشورے کئے جاتے تھے۔ اور جہاں ہندوستان کا ال غنیمت رکھا جاتا تھا۔ وہ سب دیکھ کر انکی تصویریں اُتاروں گا۔ مگر یہاں تو ایک ہُو کا میدان ہے۔ کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ سوائے سلطان کے مقبرہ اور سلطان کے باپ سبکتگین کے مقبرہ کے اور کوئی عمارت باقی نہیں ہے۔

موڑ میں سوار ہو کر سلطان محمود غزنوی کے مقبرہ کی طرف چلے۔ بابا قربان نے بولنا شروع کیا مگر ان کا بولنا پہاڑی چشمہ کا پانی تھا کہ چوٹی سے چلا تو نیچے زمین تک ہزاروں پتھروں کو بہتا چلا آیا۔ کہیں نہ رُکا۔ بابا قربان کے دانت موجود ہیں مگر بات سمجھ میں نہیں آتی۔ افغان تو سب ہی آدھے الفاظ ادا کرتے ہیں اور آدھے الفاظ سننے والا خود اپنی عادت سے سمجھ لیتا ہے۔ میرودی کو میری کہتے ہیں۔ خوب کو فو کہہ کر چپ ہو جاتے ہیں۔ بابا قربان کی باتیں اس سے بھی زیادہ مشکل ہیں۔ ایک ایک بات کو کئی کئی دفعہ دریافت کرتا تھا۔ چگفتی بابا قربان (کیا کہا بابا قربان!) اور وہ زور دے دیکر دوبارہ سہ بارہ کہتے تھے مگر خاک سمجھ میں نہ آتا تھا۔

دو مینار

راستہ میں پہلے دو مینار ملے۔ لکھوری پنڈت کے ہیں۔ عین شرک پر دافع ہیں۔ کہا گیا سلطان محمود کے زمانہ کے ہیں۔ سلطان کی سواری روانہ ہوتی تھی تو ان میناروں پر نقارے بجائے جاتے تھے۔ ان کی آواز سن کر پہاڑی نوبت خانہ نقارے بجاتا تھا۔ اس سے سارے شہر کو خبر ہو جاتی تھی۔

یہ مینار میں بچیں گز اوچے ہونگے یا شاید کچھ زیادہ۔ ان دونوں کے بیچ میں ایک فرلانگ کا فاصلہ ہے مگر دور سے پاس پاس معلوم ہوتے ہیں۔

اور یہ مقبرے بھی امیر حبیب اللہ شہید نے درست کرے ہیں۔

زبان حال کی آہ کا بیان | آخر میرے اندر سے ایک آہ نکلی اور زبان حال نے کہا۔ اے غزنی! اے ہندوستان کے فاتح اعظم کے وطن! میں تجھ کو کہاں پکاروں۔ تو کہاں سوتا ہے۔ تو اتنی جلدی تھرو بابل کیونکر بن گیا۔ تیرے تاریخی نشانات کہاں مٹ گئے؟ مگر کسی نے جواب نہ دیا۔ ٹیلے چپ چاپ مجھ کو دیکھتے ہیں۔ کسی ذرہ خاک سے کوئی صدا بلند نہ ہوئی۔

مقبرہ سلطان محمود موجودہ غزنی سے دو میل دور ہے۔ جاتے وقت مزار حضرت بہلول دانا راض اور مقبرہ سبکتگین راہ میں ملتا ہے۔ میں اس منظر کو دیکھتا ہوا پہلے مقبرہ سلطان میں گیا۔ مقبرہ آنے سے پہلے ایک مختصر سی آبادی آتی ہے۔ قریب ملتی ہیں۔ پھر مقبرہ کی مد شروع ہوتی ہے۔

دروازہ کے قریب خون | مقبرہ کا دروازہ آنے سے پہلے ایک تنگ اور خراب راستہ ملا۔ وہاں آبادی کے لوگ جانور ذبح کرتے ہیں۔ بہت سا تازہ خون پڑا تھا اور سخت بدبو آرہی تھی۔ میں کھڑا ہو گیا اور اس خون کو دیکھنے لگا۔ اگرچہ بدبو کے سبب وہاں کھڑا ہونا مشکل تھا۔ میرے دل پر خون کے نظارے نے

ایک عجیب اثر پیدا کیا۔ حضرت اکبر الہ آبادی نے فرمایا تھا۔

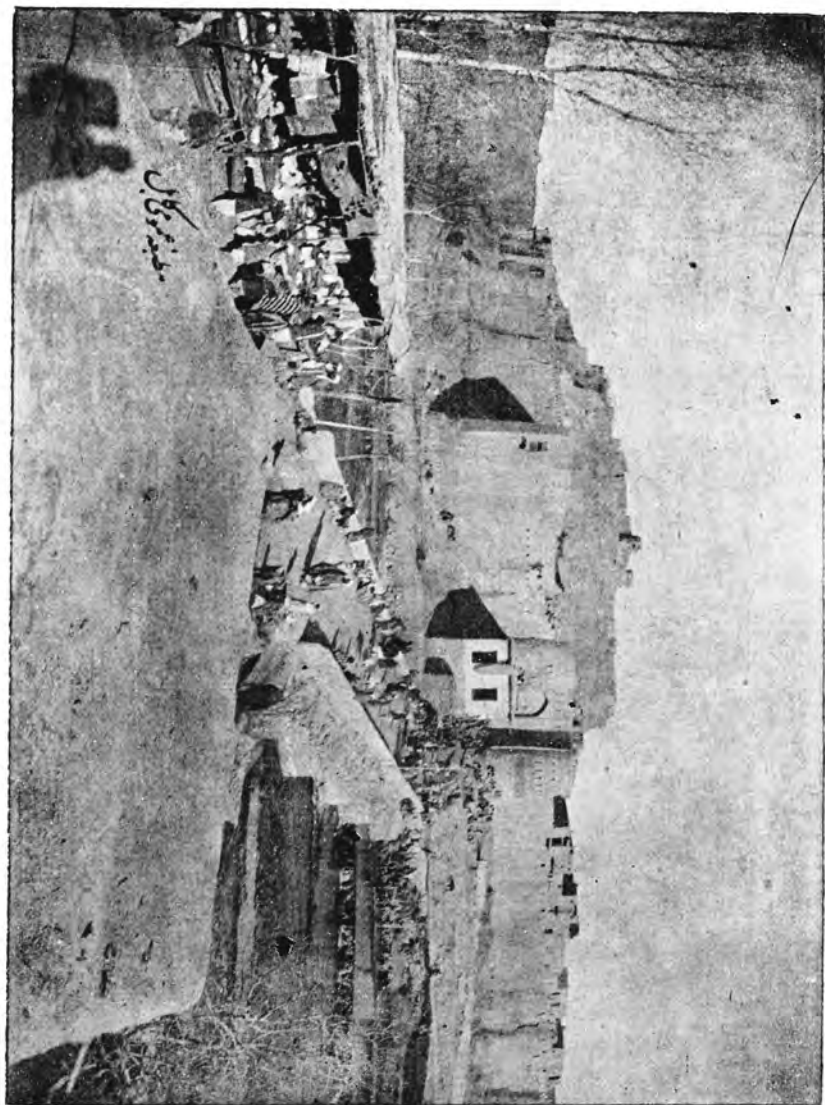
جو وقت ختنہ میں جینا تو نائی نے کہا ہنسکر
مسلمانی میں طاقت خون ہی بہنے سے آتی ہے

جس سلطان کی قبر پر جا رہا تھا اسکی خوزیری کے افسانوں نے دنیا کے اوراق تاریخ کو لالہ رُخ بنا رکھا ہے۔ کوئی اس خوزیری کو اچھا کہتا ہے۔ کوئی بُرا کہتا ہے۔ مجھے اس بحث سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ میں تو یہ سوچتا ہوں کہ محمود کی تلوار پر دولت و حکومت عاشق تھی اور وہ تلوار خون کی فریفتہ و شیفہ تھی۔ مگر خون ناحق کی نہیں۔ کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ سلطان نے ہمیشہ حمایت حق و امن کے لئے اپنی تختیر کو غلات سے نکالا۔ کبھی ناحق خوزیری نہیں کی۔

آج اس کی قبر کے دروازہ پر جانوروں کا خون قربانیوں یا سنت و نذریا گوشت کھانے والوں کے لئے بہایا جاتا ہے لیکن صفائی کا خیال نہیں کیا جاتا۔ کہ خون جمع ہونے سے یہاں کی ہوا خراب ہو جائیگی۔ حکومت کو اس کی اصلاح کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔

مسجد کا چبوترہ | اندر سے آگے بڑھ کر مسجد کا ایک چبوترہ آتا ہے جو سفید پتھروں سے بنایا گیا ہے معلوم ہوتا ہے ان پتھروں کے اندرونی رُخ میں موتیں ہو گئی

دروازه قلعه غزني



سید محمد علی

جنگو اندھالکر کے مسجد کا فرش بنایا گیا ہے۔ کیونکہ اس کے قریب ہی پہاڑی چشمہ سے پانی آتا ہے اور بدھ مذہب کا ایک بُت نالی میں لگایا گیا ہے جسکے منہ سے وہ پانی گرتا ہے اور نمازی لوگ اسی پانی سے وضو کرتے ہیں۔

مقبرہ کا بڑا دروازہ | مسجد کے چوڑے سے آگے بڑھ کر مقبرہ کا بڑا دروازہ آتا ہے۔ یہاں بھی سنگ مرمر کے دو بُت بدھ مذہب کے جانور کے پڑے ہوئے ہیں اور دروازہ کے پہلو میں ایک پتھر بھی پڑا ہے جس کا کتبہ پڑھا نہیں جاتا۔ دروازہ کے اندر جا کر ایک لمبا چھتہ آتا ہے اور اسکو ختم کرنے کے وقت سفید پتھر کی دو سیڑھیاں ملتی ہیں۔ غالباً یہ سیڑھیاں سومنات کی مورت کے ٹکڑوں سے بنی ہوئی جنکا ذکر تاریخوں میں بھی آیا ہے۔ لیکن یہ پتھر دبے ہوئے تھے۔ میں ان کے اندر کا رخ نہیں دیکھ سکا۔ چھتہ ختم ہوا تو ایک باغ نظر آیا جس میں درخت ہیں مگر یہ باغ اچھی حالت میں نہیں ہے۔ یہاں بھی متعدد قبریں ہیں جن پر کتبے لگے ہوئے ہیں۔

اصل مقبرہ | اس باغ کے وسط میں سلطان کے مقبرہ کا گنبد ہے جو اچھی حالت میں ہے اس مقبرہ میں جو کواڑ لگے ہوئے ہیں وہ سومنات کے مندر کے معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ اسی نمونہ کے کواڑ آگرہ کے قلعہ میں بھی رکھے ہیں۔ اور لکھا ہے کہ جب انگریزوں نے

کابل اور غزنی کو فتح کیا تھا تو سومنات کا دروازہ غزنی سے آگرہ میں لے آئے تھے۔ میں نے کابل دغزنی کے اکثر نوجوان افغانوں سے سنا کہ انکو غزنی کے اس دروازہ کا بہت رنج ہے۔ وہ کہتے ہیں انگریز ہماری فاتحانہ یادگار کو غزنی سے لے گئے اور ہماری بہادری پر ایک دھبہ لگا دیا۔ ہم کو جب کبھی بھی موقع ملے گا اس دروازہ کو آگرہ سے لے آئیں گے۔

میرانیال ہے۔ امیر حبیب اللہ خاں شہید نے جب مقبرہ سلطان محمود کی مرمت کرائی تو سومنات کے دروازہ کی نقل بنوا کر سلطان کے مقبرہ میں لگا دی ہوگی اور یہی وجہ دروازہ کے مشابہہ ہونے کی ہے۔

مقبرہ کے اندر دیوار میں امیر حبیب اللہ خاں شہید کا ایک کتبہ لگا ہوا ہے جو سنگ مرمر پر ہے۔ پتھر دس بالشت لمبا اور پانچ بالشت چوڑا ہے۔ اس کتبہ میں مرمت و تعمیر کا تذکرہ ہے۔

سلطان کے مزار پر سیاہ رنگ کا غلاف چڑھا ہوا ہے اور افغانستان کے رواج کے موافق لکڑی کا ایک کٹہرہ لگا ہوا ہے جس پر عمدہ رنگ آمیزی کا کام ہے۔ مزار کا تعویذ انٹ کے کوبان کی وضع کا ہے اور حدیث شریف سے ایسی ہی وضع کی قبر بنانے کا ثبوت ملتا ہے۔

میں نے غلاف ہٹا کر کتبہ دیکھے اور فوٹو بھی لے۔

سے نہ ہٹوں۔ مزار کے خدام نے میرے ہاتھ پاؤں چوٹنے شروع کئے مگر میں گزشتہ تاریخ کے تصور میں محو تھا اور میرا تصور زبان مخفی سے یہ کہہ رہا تھا۔

”دولت عباسیہ کے عین۔ ملت اسلام کے عین۔ توہر قوت کا دامن ہاتھ تھا۔ توہر دستا کے قفل کی کنجی تھا۔ تو مسلمانوں کا سکندر تھا۔ نہیں بلکہ سکندر سے بھی بڑا فاتح تھا۔ سکندر تو جہلم سے واپس گیا۔ آگے نہ بڑھ سکا مگر تو سولہ دفعہ ہندوستان میں آیا اور ہر بار خدا نے تجھ کو کامیاب کیا۔ تو خدا پر اور اولیائے اللہ کے تصرف روحانی پر اعتقاد رکھنے والا سچا مسلمان تھا۔

تو علوم کا حامی تھا۔ تو نے عجم کے ایرانی بادشاہوں کا نام زندہ کر دیا۔ تیرے ہی حکم سے فردوسی نے شاہنامہ لکھا۔ اور تو ہی وہ مسلمان ہے جو تبت کے دشوار گزار پہاڑوں کو عبور کر کے ہندوستان میں داخل ہوا جس سے عبور کرنا ہندوستان میں محال نامکن سمجھا جاتا تھا۔

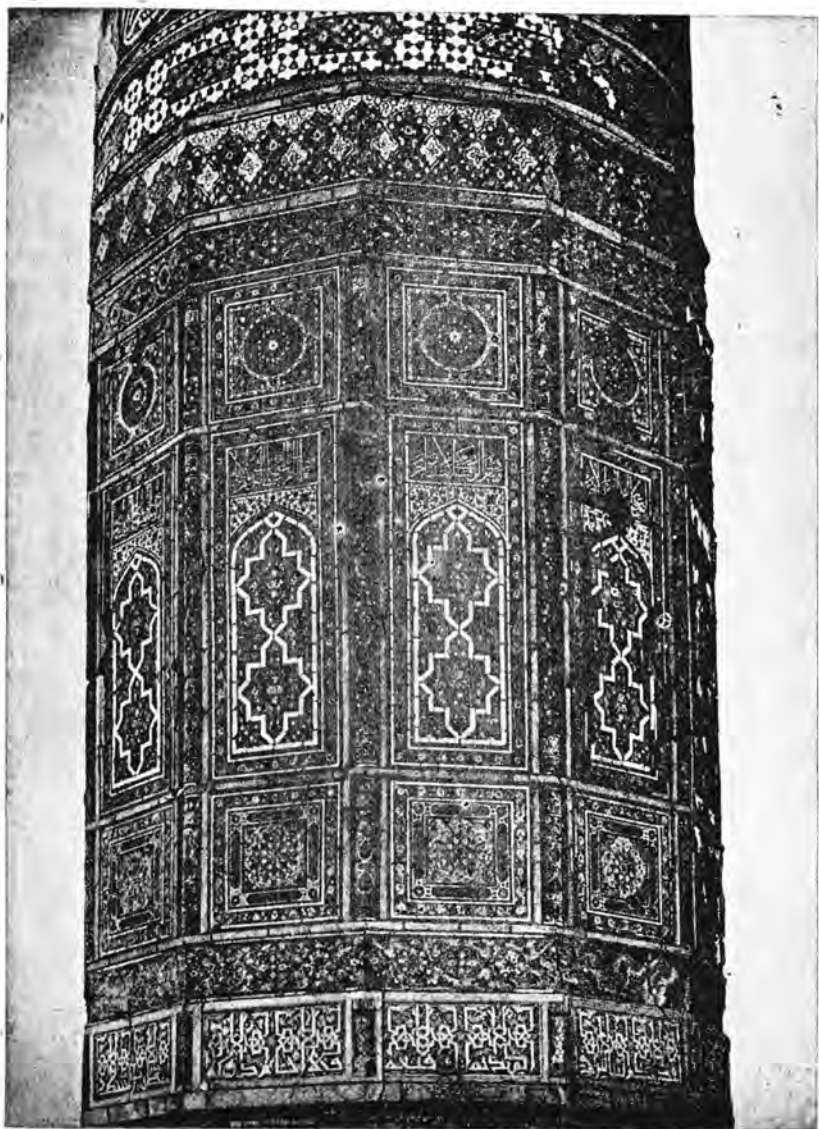
اے معمولی صورت مگر غیر معمولی سیرت کے انسان! میں محض تجھ کو دیکھنے اتنی دُور

شرقی رُخ عربی زبان میں ایک کتبہ ہے جس کے آخر میں یوم الاحمیس سبع عشر من شہر ربیع الآخر سنۃ ۸۲۱ھ احدی عشرین واربیع مائۃ لکھا ہے۔ مجھے یہ پڑھ کر بہت خوشی ہوئی کہ سلطان کی وفات اس تاریخ کو ہوئی جو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الہی رحمہ کی تاریخ وفات ہے۔

مزار کے غریب حصہ میں بھی کوئی خط کا ایک کتبہ ہے اور تعویذ کے نیچے کی طرف جھال میں بھی چاروں طرف کوئی خط میں کتبہ ہیں۔ اور سرہانے ایک گول دائرہ ہے جس میں بیل ہے اور اس میں بھی کوئی خط کی عبارت ہے۔ دائرہ کے وسط میں پان کی وضع کے تین نشان بنے ہوئے ہیں۔ جن کو دل کی تصویر بھی کہہ سکتے ہیں۔ بابا قربان نے کہا۔ سومنات کی صورت سے قبر کا یہ تعویذ بنایا گیا ہے اور صورت اندر دبا کر کتبہ اوپر لگا دیا ہے۔ قبر کے پائیں بھی ایک گول دائرہ ہے جس کے آس پاس کوئی عبارت ہے۔ اور اندر وسط میں ایک مثلث پھول ہے یا سنکرت کا کوئی لفظ ہے۔ یا کوئی خط کا طغرا ہے۔ تعویذ کے چوتھرہ کے پائیں رُخ بھی کوئی خط کا کتبہ ہے۔

میں نے مزار کا غلاف جدا کر کے ہر سمت سے فوٹو لئے۔ اس کے بعد فاتحہ پڑھی۔ جی چاہتا تھا کہ اس جگہ

صیقل قدیم افغانستان کا ایک حصہ



یہاں آیا ہوں مگر تو سوتا ہے - تو بولتا نہیں -
تو مخاطب نہیں ہوتا - تجھ کو ہندوستان میں
بدنام کیا جاتا ہے مگر کروڑوں دل تجھ سے
محبت بھی کرتے ہیں - اور انہی میں ایک
میں بھی ہوں -

محمود! اوسکتگین کے بیٹے محمود! تو زندہ
ہے - میں تیرے نام اور تیرے کام کو ہندوستان
میں مرتے دم تک زندہ رکھنے کی کوشش کروں گا -
تو کون تھا؟ اور تو کیا تھا؟ اور تو نے اسلامی
دنیا میں کتنا بڑا کام کیا؟ خاک میں سونے
دائے محمود! تو اگر ہندوستان کے قفل کو
نہ کھولتا تو آج آٹھ کروڑ مسلمان ہندوستان
میں نہ ہوتے - ہم سب تیری محنتوں اور
تیری شفقتوں کو جو ہندوستان کو مفتوح
کرنے میں تو نے برداشت کیں کبھی فراموش
نہیں کریں گے -

آج تیرا پایہ تخت غزنی ویران اور
سُنان ہے مگر کل یہاں پھر بہار ہوگی
پھر رونق ہوگی - میری اور ہندوستان کی
نسلیں اس شہر کی بہار اور رونق دیکھنے
آئیں گی - میں اس عبرت کدہ میں ایک تخم لیکر

آیا ہوں جو اسلام کی عزت کا بیج ہے -
وہ بیج چند روز میں سرسبز ہوگا اور غزنی میں
پھر بہار پیدا ہو جائیگی - مگر میں اس وقت
دُنیا میں موجود نہ ہوں گا - البتہ میری روح
اس بشارت کے نتائج کو دیکھے گی اور
خوش ہوگی - جبکہ یہاں ایشیا کے پرانے
دل ہاشمہ جمع ہونگے اور اپنے اسلام
کی یادگاروں کو اپنی زندگی کے لئے زندہ
کرینگے -

اس دن تیرا نام اور تیرا کام ایشیائی
نوجوانوں کے غم کی روح بن کر چلے گا -
سلام محمود! سلام - رخصت محمود!
رخصت -

مقبرہ سے باہر آیا اور پھر دیر تک اس گنبد کو دیکھتا رہا -
جبکہ دیکھنے کی ہوس ختم نہیں ہوتی - کسی حُسنِ تعمیر کے
سبب نہیں - بلکہ تاریخی کارناموں کی یاد کے سبب -
وہاں چلا تو بار بار مرمڑ کر اس مقبرہ کو دیکھتا تھا -
مقبرہ کے باہر | دروازہ کے باہر آکر قبر پر سنگ
مرمر کی ہیں جگہ چوترے بالکل ٹوٹ گئے ہیں - یہاں
قبروں کے اوپر کاجو تنوید ہوتا ہے وہ ڈیڑھ فٹ لمبا -
ایک فٹ چوڑا پتھر ہوتا ہے جبکہ دونوں طرف کتبہ کندہ

کیا جاتا ہے۔ ان قبروں پر بھی اسی قسم کے کتبے ہیں۔ مگر یہ قبریں سلطان محمود کے زمانہ کی نہیں ہیں۔ کیونکہ ان پر ۹۹۹ھ لکھے ہوئے ہیں۔ ایک قبر کسی عرب واعظ کی ہے۔ کتبے صاف پڑھے نہیں جاتے۔ ایک قبر پر شیخ قطیب نام لکھا ہے اور لقب قطب الاقطاب۔ جو مسمیٰ قبر مفتی شیخ ابو النخعی ہے۔ اور آگے بڑھ کر ایک قبر ہے جس کے کتبہ سے ظاہر ہوا کہ سلطان کی کسی لڑکی کا مزار ہے۔ کتبہ کے حروف مٹ گئے ہیں۔ اسی کے قریب محمد شریف خاں کا مقبرہ ہے جو امیر تیمور کے زمانہ میں تھا۔ اور ملّا جان محمد کا مقبرہ بھی ہے۔ اس کے بعد ایک عوض کا سا غار آتا ہے۔

قصر فیروزہ میں قبر ہے | بااقر بان نے کہا کہ جہاں سلطان محمود غزنوی کی قبر ہے وہاں سلطان کا قصر فیروزہ تھا اور شکستہ عوض حرم سرا کے اندر تھا۔ اس عوض سے چند فرلانگ کے فاصلہ پر ایک پہاڑی ہے جس پر سلطان کا نقارخانہ تھا۔ جب سلطان سوار ہوتے تھے تو پہلے مذکورہ میناروں پر نقارے بجتے تھے۔ پھر اس پہاڑی کے نقارخانہ میں نوبت بجائی جاتی تھی۔

کسی شاعر نے کہا ہے

خانہ داری می کند در قصر قصر عکبوت
بوم نوبت می زند بر گنبد افراسیاب

جہاں نقارے بجتے تھے۔ جہاں تکبیریں بلند ہوتی تھیں جہاں نقیب النعرے لگاتے تھے اور جہاں فردوسی جیسے نامور شعراء دست بستہ کھڑے ہو کر قصیدے پڑھتے تھے اور جہاں خوبصورت غلاموں کے آہنی خود چمکتے تھے۔ تلواروں اور برہجوں کی نوکیں جگمگاتی تھیں۔ آج وہاں سوائے ویرانی اور سنسانی کے کچھ بھی باقی نہیں ہے۔
اُونچے اُونچے مکان تھے جنکے بٹے
آج وہ تنگ گوریں ہیں پٹے

جس چمن میں تہا بلبلوں کا جوم آج اُٹا ہے آشیانہ بوم
عطر مٹی کا جو نہ ملتے تھے نہ کبھی دھوپ میں نکلتے تھے
گردش چرخ سے ہلاک ہوئے استواں تک بھی اُنکے خاک ہوئے
ذاتِ معبود جاودانی ہے باقی جو کچھ بھی ہے وہ فانی ہے
صبح دم طاران خوش الحان
پڑھتے ہیں کُلّ مَنْ عَلَیْهَا کَانَ

میں سلطان محمود غزنوی کے مقبرہ سے واپس آیا تو میرے دماغ اور دل پر عبرت نے ایک افسردگی طاری کر دی تھی اور دنیا بہت ہی ذلیل اور ناپائدار معلوم ہوتی تھی۔ یورپ والے اپنے مقبروں کو بہت آراستہ رکھتے ہیں تاکہ قبروں کو دیکھ کر مایوسی اور اُداسی پیدا نہ ہو۔ قرآن مجید کی تعلیم سے معلوم ہوتا ہے کہ قبریں عبرت کے لئے ہیں اور عبرت جب ہی ہوتی ہے کہ قبرستان

اس قسم کی بے کسی اور بی پارگی پائی جائے۔ اگرچہ ہندوستان میں قبروں کا بیگانہ اور آراستہ رکھنا اور ان پر کتبے لگانا سیاسی مصلحت سے میں بہت ضروری سمجھتا ہوں جیسا کہ ہمیشہ میری تحریروں میں ہوتا ہے لیکن اصولاً میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ قبرستان میں عبرت کا سامان ضرور ہونا چاہئے۔

شیر محمد خاں | مجھے افغانوں کی زندہ دلی کا اقرار ہے۔ پنجاب کے باشندوں کو سرسید نے زندہ دل کہا تھا۔ اور اس میں شک نہیں کہ ان میں زندگی پائی جاتی ہے۔

تو میں اپنی تاریخ سے زندہ ہوتی ہیں۔ جس قوم کو تباہ کرنا ہو اُس قوم کو اس کی تاریخ سے محروم کر دیا جائے۔ اسی واسطے حضرت اکبر الہ آبادی نے ایک شعر کہا تھا۔

یوں قتل کے کچوں کی ہوتی نہ ضرورت

افسوس ہے فرعون کو کالج کی نہ سوچھی

یعنی فرعون مصر بنی اسرائیل کے لڑکوں کو سیاسی مصلحت کی بنا پر قتل کر ڈالتا تھا۔ اکبر کہتے ہیں اگر فرعون کالج جاری کر دیتا تو بچوں کے قتل کی ضرورت نہ پڑتی اور بنی اسرائیل کے لڑکے خود ہی اپنی قومی تاریخ سے بے خبر ہو جاتے۔

مگروں ہونا چاہئے کہ افغانستان میں ایک شخص پیدا ہوا ہے جس کا نام شیر محمد خاں افغان ہے۔ اور وہ اپنی قوم کی اس بڑی ضرورت کو سمجھ گیا ہے اور اس نے اپنے پاس سے ایک لاکھ روپے خرچ کر کے مختلف قسم کی بہت سی تاریخی اور علمی کتابیں چھپوا کر افغانستان میں تقسیم کی ہیں۔ مجھ کو اس شخص کی کتابیں پڑھ کر بہت خوشی ہوئی اور میں نے کابل کے اسکولوں میں بھی یہ بات دیکھی کہ نادر شاہ کی گورنمنٹ نے اسلامی اور افغانی تاریخ کو مکمل طریقہ سے رائج کیا ہے۔ اور یہ افغانوں کے زندہ ہو جانے کی ایک بڑی علامت ہے۔

تاہم ضرورت ہے کہ غزنی کے آثار قدیمہ کی طرف نادر شاہ کی حکومت فوراً توجہ کرے۔ یہاں میں نے کئی مقبرے ایسے دیکھے جن کو امیر دوست محمد خاں کے لڑکے محمد عظیم خاں نے اور امیر عبدالرحمن خاں کے لڑکے امیر حبیب اللہ خاں نے بنوایا ہے اور ان میں کتبے بھی لگوائے ہیں۔ لیکن اُردو زبان میں ایک محاورہ ہے کہ ”جنگل میں سورنا چاکس نہ دیکھا“ دو چار چیزیں بنوادیں اور صد چیزیں چھوڑ دیں تو وہ دو چار چیزیں جنگل میں اکیلی پڑی رہیں گی۔ سیاحوں پر کچھ اچھا اثر نہیں ہوگا۔ ضرورت یہ ہے کہ

نادر شاہ کی حکومت فوراً آثار قدیم کا ایک محکمہ قائم کئے جس کے تحت میں ہندوؤں کی اور مسلمانوں کی اور یونانیوں کی اور ایرانیوں کی سب تاریخی چیزیں آجائیں۔ اور ہر سال اس کے واسطے ایک بجٹ بنایا جائے۔ تاکہ آہستہ آہستہ سب آثار قدیم محفوظ ہو جائیں۔ اور جب ملک کی مالی حالت درست ہو اس وقت بجٹ کی رقم بڑھائی جائے۔ اور جہاں جہاں ہندوؤں اور یونانیوں اور ایرانیوں کے دبے ہوئے آثار ہیں ان کو کھودا جائے اور اس کا انتظام بہت سختی کے ساتھ ہو کہ کوئی تاریخی چیز کسی یورپ والے کو نہ دی جائے۔ مجھے بڑا فائدہ آیا جب میں نے سلطان محمود غزنوی کے مقبرہ میں یہ بات سنی کہ گزشتہ حکومت کے زمانہ میں یہاں سے کچھ بہت جرنیل اپنے ساتھ لے گئے۔ بت بامبیاں کے قریب اور قندھار اور غزنی کے قریب بعض نیلوں کو اہل یورپ نے کھودا اور آثار قدیم اپنے ملکوں لے گئے۔ غازی نادر شاہ کو چاہئے کہ وہ سب سے پہلے ان پرانی چیزوں کی حفاظت کریں کیونکہ وہ ہمارا قومی سرمایہ ہیں اور نادر شاہ ہماری قومی حکومت کے ایک امین اور رٹنی ہیں۔

سلطان ابراہیم کا مقبرہ | سلطان محمود

کے مقبرہ سے واپس ہو کر ایک میل کے بعد سلطان ابراہیم بن محمود غزنوی کا مقبرہ نظر آیا۔ سڑک سے ذرا بچا ہوا ہے۔ شکستہ حالت میں ہے۔ اس کے قریب بھی بہت سی قبریں ہیں۔ سنگ مرمر کے تعوید ہیں ان پر کتبے لگے ہوئے ہیں۔ ایک قبر پر "بابا کلاں سعید بن حسن۔ وفات شعبان ۷۲۷ھ" لکھا ہے۔ دوسری پر "عبدالکریم بن عبدالرحیم ۷۹۷ھ" لکھا ہے۔ تیسری پر "خواجہ محمد بن حسین الغریقی ۷۹۷ھ" لکھا ہے۔ چوتھی پر "ساجدہ خدیجہ بنت سلطان ۷۹۷ھ" درج ہے۔ پانچویں پر "مریم بنت شیخ عبدالکریم ۷۹۷ھ" تحریر ہے۔

سلطان ابراہیم بن محمود کی قبر معمولی پتھر کی ہے پہلو میں گنبد کی دیوار پر ایک غرق شدہ محراب ہے جس پر کتبہ بھی ہے مگر پڑھا نہیں جاتا۔

مقبرہ سلطان سبکتگین | یہاں سے آگے

بڑھے تو پہاڑی کی چوٹی پر سبکتگین کا مقبرہ نظر آیا یہ سلطان محمود غزنوی کے والد تھے۔ امیر حبیب اللہ خاں شہید نے یہ مقبرہ بھی بنوایا تھا۔ ان کا کتبہ لگا ہوا ہے۔ میں نے سلطان سبکتگین کے مزار پر فاتحہ پڑھی اور بہت دیر تک کھڑا سوچتا رہا کہ یہ وہ صدف تھا جس سے محمود جیسا گوہر پیدا ہوا۔

مزار حضرت بہلول و انارغ | مسلمانوں کا

فارسی لٹریچر پورا اور اردو لٹریچر ادھورا حضرت بہلول و انارغ کے ذکر خیر سے لبریز ہے۔ سنا تھا مسلمان قبروں میں ہیں اور مسلمان کی کتابوں میں ہے۔ کتابوں کی مسلمان کو پڑھتے پڑھتے آج غزنی میں قبروں میں سونے والے شہرہ آفاق مسلمانوں کو بھی دیکھنے کا موقع مل گیا۔ حضرت بہلول و انارغ کا مزار پہاڑ کی چوٹی پر ہے۔

بابا قربان اسی برس کے بڑھے چنہ پہنے ہوئے اس طرح پہاڑ پر چڑھتے تھے جیسے میرے بچے زبید اور علی تیزی اور پھرتی سے دوڑ دوڑ کر چلتے ہیں۔ میں نے خیال کیا خدا نے صورت کے لحاظ سے مجھے بھی جوان بنا رکھا ہے۔ کوئی یہ نہیں سمجھتا کہ میری عمر پچیس برس کی ہے۔ سب تیس پینتیس کا کہتے ہیں۔ بڑے شرم کی بات ہے کہ اسی برس کا بڈھا مجھ سے آگے ہو

اور میں اس سے پیچھے رہ جاؤں۔ اس واسطے میں بھی جلدی جلدی چلنا شروع کیا۔ تیز ہوا اور ایسی ٹھنڈی کہ ہاتھ پاؤں اکڑے جاتے تھے۔ کابل سے غزنی پہنچا تو بوا سیر کا خون بھی بہت کثرت سے آیا تھا۔ اس واسطے میرے پاؤں کانپتے تھے اور سانس چڑھا جاتا تھا۔ جب میں پہاڑ کی چوٹی پر حضرت بہلول و انارغ کے مقبرہ کے قریب پہنچا تو میری

توانائی اور دانائی ختم ہو چکی تھی۔ دل دھڑک رہا تھا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ اب دل کی حرکت بند ہو جائے گی۔ مگر میں نے ساتھیوں پر اپنی کمزوری ظاہر نہ ہونے دی اور باہر جو قبریں تھیں ان کے کتبے پڑھنے کو بیٹھ گیا۔ کتبے تو کیا پڑھے جاتے یوں کہئے کہ میں نے سانس کو قابو میں کیا۔ پنڈ لیاں لڑ رہی تھیں۔ ان کو ذرا سکون میں لایا۔ مزار کے خدام اجنبی شکلیں دیکھ دیکھ کر مقبرہ کے باہر آ گئے اور جھانک جھانک کر دیکھنے لگے۔ دس منٹ بعد روضہ کے اندر گیا۔ بہت اچھا گنبد بنا ہوا ہے۔ اندر چوبی کنہرہ ہے اور غلاف چڑھا ہوا ہے۔ باہر بہت سی سنگ مرمر کی قبریں ہیں جن پر عربی زبان اور کوئی خط کے کتبے ہیں مگر وہ عموماً مسند کے ہیں۔

علی لالہ کا مزار | حضرت بہلول و انارغ کے

روضہ کے قریب شیخ زاہدین عرف علی لالہ کا مزار بھی ہے۔ علی کے ساتھ لالہ کا لفظ سنکر مجھے ایسا ہی تعجب ہوا جیسے پنجاب میں موسیٰ کے ساتھ لالہ کا لفظ سنکر ہوا تھا۔

مزار حضرت حکیم ثنائی رض | تصوف اور طغنا

کی کتابیں حضرت حکیم ثنائی رض کے ذکر خیر اور کلام سے بھری ہوئی ہیں۔ آج ان کے مزار مبارک کی زیارت

غزنی کے بازار میں اعتقاد کا حملہ | مغرب کا

وقت قریب تھا جب میں نے مزارات کی زیارت ختم کی اور غزنی کے قلعہ میں پیدل داخل ہوا۔ موٹر ایک سرائے میں بھجوا دی جہاں فوج بھی رہتی ہے یہ دروازہ بازار کے رخ ہے بہت خراب راستہ ہے اور بہت زیادہ ڈھلان ہے۔ جگہ جگہ پانی کی صراخیں اور لمبی لمبی چوڑی روٹیاں ہک رہی تھیں۔ یہ لوگ سستی پر کپڑا بچھا دیتے ہیں اور اس پر روٹیوں کا ڈھیر لگا دیتے ہیں۔ روٹی ڈیڑھ دو فٹ لمبی اور ایک فٹ چوڑی ہوتی ہے۔ ایک طرف سے گول اور دوسری طرف سے نوکدار۔ جیسے ہمارے ہاں ایک روٹی بکتی ہے جس کو گاؤں کہاں کہتے ہیں۔ اس روٹی میں سوراخ بھی ہوتے ہیں اور روٹی کے اوپر بعض لوگ تل لگاتے ہیں اور بعض کلونجی کے دانے۔ افغانستان میں روٹی کسی گھر میں نہیں بکتی۔ سب لوگ بازار سے روٹی خرید لیتے ہیں اور چھری سے کاٹ کر کھاتے ہیں۔ جب بازار میں روٹی والے دس پانچ روٹیاں بغل میں دبا کر بیچنے نکلتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ادھوڑی کے چمڑے کسی کی بغل میں دبے ہوئے ہیں۔

بازار کے اندر داخل ہوا تو ایک دیہاتی مسلمان نے جس کا سینہ کار تو سوں کی پیٹیوں سے چمک رہا تھا۔

کی تو بہت ہی خوشی ہوئی عصر کی نماز بھی اسی درگاہ میں پڑھی۔ یہاں بھی ایک بہت اچھا گنبد بنا ہوا ہے۔ اور افغانستان کے دستور کے مطابق گنبد کے اندر ایک چوبی کٹہرہ ہے اور اس کے اندر مزار ہے۔ مزار پر غلاف چڑھا ہوا تھا۔ باہر خدام ختم خواجگان چشت پڑھ رہے تھے۔ یہاں بھی مقبرہ کے باہر بہت سی قبریں ہیں جن پر پڑانے زمانہ کے کتبے لگے ہوئے ہیں۔

شاہ فتح زمانہ کا مزار | قلعہ غزنی کے اندر شاہ فتح زمانہ

کا مزار ہے۔ باقاعدہ قبرستان نے کہا کہ شاہ فتح سلطان محمود غزنوی کے ایک سپہ سالار تھے۔ قلعہ کے قریب فصیل کے باہر سید حسن غزنوی کا مزار ہے۔ جو بہرام شاہ کے زمانہ میں بڑے بزرگ تھے۔ گنبد پر کتبہ لگا ہوا ہے جس سے معلوم ہوا کہ ہلاکو کے زمانہ میں یہ مقبرہ مسمار ہو گیا تھا۔ امیر حبیب اللہ خاں کے زمانہ میں ایک مسلمان امیر نے یہ گنبد بنوا دیا۔ کتبہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس امیر کو اولاد کی تمنا تھی اور چونکہ یہ مزار بہت شہور ہے اور یہ عقیدہ اس کے ساتھ منسوب ہے کہ یہاں دعا کرنے سے اللہ تعالیٰ بے اولادوں کو اولاد دے دیتا ہے اس واسطے اس امیر نے یہ مقبرہ بنوا کر اپنی مراد بھی کتبہ پر لکھ دی تھی۔

اور ہاتھ میں ایک لمبی بندوق بھی تھی۔ قریب آکر چھپا
 "تو سیدہستی؟" (کیا تم سیدہ ہو) میں نے کہا۔ "جی۔
 سیدہستم۔ لیکن نیم مقول و نیم مجروح"۔ اُس نے جھک کر
 میری ڈاڑھی پکڑ لی اور زور سے کھینچ کر اس کو چوما۔ یہ
 بوسہ دیکھتے ہی دکانوں سے مسلمان اٹھ اٹھ کر دوڑے
 اور بازار کے خریدار بھی آگئے۔ کوئی میرے گرتے کے دان
 کو چومتا تھا، کوئی سر کے بالوں کو، کوئی ہاتھوں کو،
 کوئی پیروں کو اور ہر ایک میرے آگے کمر جھکا کر کہتا تھا
 کہ اس پر ہاتھ مارو اور پھر کہتا تھا "یک دعا بکن" کتے
 مارتے مارتے میرا ہاتھ دُکھنے لگا۔ دعا آدھے منٹ کی
 مانگتا تھا۔ لیکن دعا کرانے والے اتنے زیادہ تھے کہ میں
 پریشان ہو گیا۔ اور ان میں اضافہ ہی ہوتا جاتا تھا۔
 لمبے لمبے قد، لال لال چہرے، بڑی بڑی الجھی ہوئی
 ڈاڑھیاں، میلے میلے کپڑے، گھیر دار شلواریں۔ سب
 کے پاس ہتھیار، سب کے سینوں پر کارتوس۔ بازار
 پٹے ہوئے، شام کا وقت، دن بھر کی تکان۔ مجھے
 ایسی وحشت ہوئی کہ میں جلدی سے ہاتھ چھڑا کر آگے
 چلا۔ آگے کیا چلا بلکہ دوڑا پیچھے پیچھے اعتقاد کی یورش۔
 بدقت تمام قیاس گاہ پر گیا۔ قلعہ میں بازار ختم ہونے کے
 بعد بھی باشندے برابر پیچھے دوڑتے رہے۔ ان کا
 اعتقاد بہت ہی زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ مجھے پھر تعجب ہوا

کہ جن شہروں میں فقراء کا عقیدہ اتنا زیادہ ہے وہاں
 کوئی درویش کیوں نہیں ہے۔ کیونکہ دریافت کرنے
 سے معلوم ہوا کہ غزنی میں بھی کوئی صاحب بیعت و ارشاد
 بزرگ موجود نہیں ہیں۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمہ نے فرمایا ہے کہ بازار
 میں وہی چیز بچنے آتی ہے جس کی ضرورت ہو۔ گرمی کے
 موسم میں روئی بکنے نہیں آتی۔ سردی کے موسم میں مٹی
 ہر جگہ بکتی ہے۔ لیکن کابل اور غزنی میں ہر شخص کو فقراء
 کی ضرورت معلوم ہوتی ہے مگر فقراء موجود نہیں ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ حکومت کی بے اعتدالی
 کا یہ نتیجہ ہے۔ چونکہ امان الشراخ علائقہ شاخ اور فقراء
 کی ہنسی اڑاتے تھے اور آخر میں تو انہوں نے حکم دیدیا
 تھا کہ سوائے میرے کسی درویش سے کوئی شخص بیعت نہ کرے۔
 اس واسطے فقراء اس ملک سے چلے گئے۔ لیکن اب امید
 ہے کہ نادر شاہ کے زمانہ میں فقراء یہاں آجائیں گے۔

کیونکہ نادر شاہ پابند مذہب اور محب الفقراء بادشاہ ہیں۔

حاکم غزنی کا مکان | قلعہ کے اندر غزنی کے حاکم کا
 مکان انتہائی چوٹی پر ہے۔ مکان میں بیٹھ کر چاروں طرف
 سیکڑوں میل تک میدان کو ہستان کا نظارہ کرتا رہا۔
 چاندنی رات تھی مگر ہوا اتنی تیز اور ٹھنڈی تھی کہ شیشہ کے
 گواڑ بند کرنے پڑے۔ پانخانے یہاں بھی سٹڈاس کے ہیں

بچے سے ہوا دیر آتی ہے تو داغ پریشان ہو جاتا ہے۔
گاندھی جی کی تقلید | رات کو پاخانہ میں گیا تو قلعہ
 کے نیچے کی ہوا سنڈاس کے منہ سے اس زور سے ابل رہی
 تھی کہ وہاں بیٹھ نہ سکا۔ علاحدہ ایک جگہ بیٹھ کر فارغ ہوا
 اور پھر اس پرستی ڈالی اور اپنے ہاتھ سے غلاطت صاف
 کر کے سنڈاس میں ڈال دی۔ خیال آیا کہ گاندھی جی نے
 ایک دفعہ سینپل کمیٹی کے ممبروں سے کہا تھا کہ وہ اپنی
 غلاطت خود صاف کیا کریں تو گاندھی جی کا مذاق اڑایا
 گیا تھا۔ مگر میں نے آج انکی تعلیم پر ایک مجبوری اور
 ضرورت سے عمل کر لیا۔

کابل میں ستری حبیب خاں نظامی یہ کام کر دیا کرتے
 تھے۔ یعنی غلاطت کی بالٹی سنڈاس میں ڈال کر صاف
 کر دیتے تھے اور میرے دل میں ان کی اس خدمت کی
 بہت بڑی عظمت پیدا ہو گئی تھی۔ آج میں اپنی بھی
 تعریف کرتا ہوں کہ میں علی معنوں میں حلاخو بن گیا۔
بابا قربان کی عروسی | غزنی کے قلعہ کے بالاخانہ
 پر جس کمرہ میں ٹھہر رہوں وہ حاکم صاحب کے کمرہ کے
 برابر ہے۔ مختصر ہے۔ لیکن بہت آرام کا ہے۔ کھانا بھی
 میں نے وہیں منگا کر کھایا۔ بابا قربان بھی شریک طعام
 تھے۔ بابا قربان کی زندہ دلی اور خوش طبعی سے مجھے
 بہت ہی مسرت ہوتی ہے۔ میں نے پوچھا۔ بابا کتنے

بچے ہیں۔ سنس کر کہا۔ سات ہیں اور آخری بچہ کی عمر
 ایک سال کی ہے۔ اس فقرہ کا خوب لطف رہا۔ کہ
 اسی برس کی عمر میں خدانے بابا قربان کو بیٹا دیا۔ میں نے
 کہا۔ "بابا قربان بیا در ہندوستان بیا۔ یک دختر
 پانزدہ سالہ تو عروسی می کند۔ من ہم یک دختر بختاد" (بابا
 قربان آؤ۔ ہندوستان میں آؤ۔ وہاں تمہارا پندرہ برس کی ایک لڑکی سے نکاح کرینگے
 اور میں بھی ستر برس کی ایک لڑکی سے اپنا نکاح کرونگا)
 بابا قربان نے میرے آخری فقرہ کو جی لگا کر نہیں سنا کہ
 میں ان سے مذاق کر رہا ہوں اس لئے انہوں نے ضرر
 پہلے فقرہ سے متاثر ہو کر کہا۔ مجھے جلدی اپنا پتہ لکھو کر
 دیجے۔ میں وہاں ضرور آؤں گا اور شادی ضرور کرونگا۔
 جگو نئی شادی کی مدت سے ضرورت ہے۔ میں نے
 فوسوروپے جج کے لئے جمع کئے تھے وہ بچہ سقہ کی فوج
 نے لوٹ لئے۔ امیر عبدالرحمن خاں کے زمانہ سے میرے
 نام تنخواہ مقرر تھی۔ امیر حبیب اللہ خاں نے زمین بھی
 دی تھی۔ امان اللہ خاں نے وہ زمین بھی ضبط کر لی اور
 تنخواہ بھی بند کر دی۔ کہ نکمے لوگوں کو تنخواہیں دینی فضول
 ہیں۔ اب ناوہ شاہ نے تنخواہ جاری کر دی ہے۔
 جب بچہ سقہ نے کابل فتح کر لیا تو غزنی کے ایک ملا نے
 کہا کہ بچہ سقہ امام مہدی ہے۔ میں نے دہلی کی ایک کتاب

میں دیکھا ہے کہ آخر زمانہ میں ایک مہدی پیدا ہوگا اور اس کا نام حبیب اللہ ہوگا۔ اس واسطے ہم سب کو بچہ سقہ کی اطاعت کر لینی چاہئے۔ اور میں غیب کی چیزوں کو اپنے مکاشفہ کی طاقت سے جانتا ہوں اور کہتا ہوں کہ بچہ سقہ امام مہدی ہے۔ بابا قربان نے کہا کہ مگر اگر تو غیب کی باتیں جانتا ہے تو بتا میرے زیر ناف کپڑوں کے اندر کیا ہے۔ ملا یہ بات سنکر بہت خفا ہوا۔ مگر مجھ پر کچھ زیادتی نہ کر سکا۔ چند ہفتہ کے بعد بچہ سقہ کی فوج نے غزنی پر قبضہ کر لیا تو اس ملا نے میری شکایت کی۔ بچہ سقہ کے بھائی نے میری ڈاڑھی پکڑی اور خوب کھینچی اور خوب مارا۔ اس کے بعد گھروٹ لیا اور نو سو روپے جو جج کے لئے جمع کئے تھے وہ بھی لوٹ لئے۔ اس دن سے میں مفلس ہو گیا۔ ورنہ ابھی ہندوستان چلا چلتا اور وہاں چلکر شادی کر لیتا۔ میں نے کہا۔ بابا قربان! دہلی کی جس کتاب کا ملا نے ذکر کیا تھا وہ کتاب میں نے شائع کی تھی۔ جس میں نعمت اللہ شاہ ولی کا قصیدہ بھی تھا اور اس قصیدہ میں حبیب اللہ کی آمد کا ذکر بھی تھا۔ بابا قربان یہ سنکر ہنسے اور بولے۔ نعمت اللہ شاہ ولی نے جس حبیب اللہ کی نسبت کہا ہو گا وہ بچہ سقہ نہیں تھا ورنہ وہ قتل نہ ہو سکتا۔

غرض یہ کہ بہت رات تک بابا قربان کی دلچسپی

باتوں کا لطف رہا۔ اس کے بعد وہ اپنے گھر چلے گئے اور میں سو گیا۔ غزنی کے حاکم صاحب بھی کچھ دیر تک پاس بیٹھے رہے۔ اور باتیں کر کے چلے گئے۔ پچھلی رات کو چاندنی خوب کھلی ہوئی تھی۔ میں دھستہ اوڑھ کر باہر نکلا۔ برف میں ڈوبی ہوئی ہوا بدن کے پار ہوئی جاتی تھی۔ لیکن مجھے رات کی غزنی کا نظارہ اپنی روح کی تلقین و ہدایت کے لئے ضروری معلوم ہوا۔ ایک ڈنگ گاتی ہوئی لکڑی کی بیچ پڑی تھی اس پر بیٹھ گیا۔ اور آس پاس سے منظر کو دیکھتا رہا۔ کہ کیا تھا اور اب کیا رہ گیا۔ جدھر نظر جاتی تھی سلاٹوں کی فوجیں پیدل اور سوار نظر آتی تھیں اور تمام کو ہستان بکیروں کے نعروں سے گونجتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ مگر چاندنی کی صفائی میں چشم ناسوت سے دیکھتا تھا تو سوتا چپ چاپ پہاڑوں اور اونچے نیچے ٹیلوں کے اور کچھ بھی دکھائی نہ دیتا تھا۔ ایک گھنٹہ تک یہ سیر دیکھ کر خواجگاہ میں آیا اور بے خبر ہو کر سو گیا۔

۴ جمادی الاولیٰ ۱۲۵۳ ہجری مطابق ۲۴ ستمبر ۱۹۳۳ء
یوم یکشنبہ - غزنی

رخمی صبح صادق کا وقت تھا کہ میں نے اپنے وجود کو افغانستان کا گدھا سمجھ کر ایک رخمی کی۔ پہلے لکھ چکا ہوں گدھوں کو چلنے اور آگے بڑھنے کا حکم دیتے ہیں تو وطن سے ایک آواز نکالتے ہیں جس کا تلفظ میں نے انج کیا تھا

لیکن آج خیال آیا کہ رخ نہیں بلکہ خنّی کا لفظ زیادہ مناسب ہے۔ مجھے نزلہ بھی ہے۔ ناک بھی بند ہے۔ زور سے سانس لیتا ہوں تو قدرتی خنّی بھی پیدا ہو جاتی ہے۔

افغان دیر میں بیدار ہوتے ہیں | کابل میں بھی

تجربہ ہوا تھا اور غزنی میں بھی یہی دیکھا کہ یورپ والوں کی طرح افغان بھی صبح دیر میں بیدار ہوتے ہیں۔ ان میں جو نماز کے زیادہ پابند ہیں وہ بھی صبح کی نماز پڑھ کر سو جاتے ہیں اور آٹھ بجے تک سوتے رہتے ہیں۔ اگر افغان یورپ والوں کی طرح دن کو چُست اور مستعد اور متحرک نظر آتے تو میں ان کو معاف کر سکتا تھا۔

لیکن افغانوں میں باوجود اس کے کہ افغانستان ٹھنڈا ملک ہے چُستی اور بھرتی اور زیادہ کام کرنے کی اُمنگ نہیں دیکھی۔ یہ قوم مجھ کو ایک اونگھتی ہوئی قوم معلوم ہوتی ہے۔ میں خود اپنے تن لاغر اور جسم ہیمار کو دیکھتا ہوں تو زمین آسمان کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ کام کرنے کی استعداد اور چُستی اور بھرتی میرے اندر افغانوں سے بہت

زیادہ ہے اور میں دعا کرتا ہوں کہ ساری افغان قوم بھی معیشت کے کاموں کے لئے مستعد بن جائے۔

یورپ والے آدھی رات تک جاگتے رہتے ہیں اس واسطے صبح دیر میں بیدار ہوتے ہیں۔ لیکن انکو بھی میں

یہ کہہ سکتا ہوں کہ دیر میں بیدار ہونا ایک دن ان کے زوال کا باعث ہو گا۔ جو قوم جلدی بیدار ہوتی ہے وہ اقبال مند ہے اور جو صبح دیر تک سوتی رہتی ہے اسکا اقبال اگر موجود ہے تو سمجھ لینا چاہئے وہ موجود نہیں رہے گا۔ افغان تو ابھی ایشیا کی ان قوموں میں ہیں جو صدیوں سے سو رہے ہیں۔ ان کو تو اب بیدار ہو جانا چاہئے۔ اگر نادر شاہ افغان قوم کو صبح جلدی بیدار ہونے کا عادی بنادیں گے تو وہ ایشیا میں بہت بڑا کام کرینگے حضرت علیؑ نے فرمایا تھا جو دنیا اور دین میں ترقی اور بلندی چاہتا ہے اسکو رات کے وقت جاگنا چاہئے۔ حضرت علیؑ کا یہ مقصد تھا کہ قرآن مجید کے حکم کے بموجب رات کو آرام کرنا چاہئے۔ لیکن پچھلی رات سے بیدار ہو کر کام شروع کر دینا چاہئے۔

دن سورج کے طلوع سے شروع نہیں ہوتا بلکہ صبح صادق سے شروع ہوتا ہے۔ سورج نکلنے سے سورج پھینے تک کے کام کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا جائے اور صبح صادق کے طلوع سے سورج کے طلوع تک کے کام کو دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو صبح صادق کے وقت کا کام پورے دن کے کام سے جھٹک جائے گا۔

مشہور یہ ہے کہ جن ملکوں میں سردی زیادہ ہے

وہاں صبح کے وقت بیدار ہونا مشکل ہوتا ہے۔ اگر میں اسکو مان لوں تو دوسری بات کو کیونکر مانوں کہ افغان صبح دیر میں اٹھنے کے بعد بھی یورپ والوں کی طرح اپنے کام میں مستند نظر نہیں آتے۔ ٹھنڈے ملک کے آدمی جیسے ذہین اور عقلمند ہوتے ہیں وہ تہیں افغانوں میں موجود ہیں۔ لیکن ان کے دماغ ٹھنڈے نہیں رہتے۔ انکو بہت جلدی غصہ آ جاتا ہے۔ اور جس قوم کا دماغ غصہ سے مغلوب ہو جاتا ہو وہ قوم دنیا کی سوجوہ داغی لڑائی میں زیادہ کامیاب نہیں ہو سکتی کہا جاتا ہے کہ افغان گوشت زیادہ کھاتے ہیں اس واسطے ان کو غصہ زیادہ آتا ہے۔ لیکن یورپ والے افغانوں سے دس حصہ زیادہ گوشت کھاتے ہیں۔ انہیں غصہ کیوں نہیں آتا۔ غصہ تو ایک بیماری ہے اور اس کا علاج ہو سکتا ہے۔ یہ بیماری خیال کی ہے اور مذہبی قوتیں اسکی اصلاح کر سکتی ہیں۔ کیونکہ قرآن مجید میں المکاظمین الغیظ موجود ہے۔

بہر حال جب میں نے اپنے دو دو کو خنی کہہ کر بیدار کیا تو گرم پانی کی ضرورت ہوئی۔ لکھ چکا ہوں ۲۶ ستمبر کو غزنی میں اتنی سردی تھی جتنی ہندوستان میں ستمبر کے آخر میں ہوتی ہے۔ اور پھر غزنی کا قلعہ اونچے پہاڑ پر ہے۔ اور میری قیامگاہ غزنی کے قلعہ کی بالائی چوٹی

پر ہے۔ گرم پانی کے بغیر وضو کرنا مشکل معلوم ہوتا تھا۔ لیکن کابل کی طرح یہاں بھی نوکر آٹھ بجے سے پہلے بیدار نہیں ہوتے۔ اس لئے میں نے تم کمر کے نماز پڑھی اور سونچ نکلنے سے پہلے کپڑے پہن کر تیار ہو گیا۔ بااقر بان سے وعدہ لیلیا تھا کہ وہ بہت سویرے آجائیں تاکہ میں غزنی کی بقیہ تاریخ پر پھیریں دیکھ لوں۔ مگر بااقر بان بھی افغان تھے اگرچہ اسی برس کی عمر تھی۔ لیکن یوسی سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں وہ جلدی کیونکر آتے۔ اس لئے میں اکیلا روانہ ہوا۔ راستہ میں بااقر بان مل گئے۔ میں نے کہا۔ بااقر بان نے اجازت دی یا بے اجازت آئے ہو؟ ہنس کر کہا۔ "خانم نے کہا چار پلائے بغیر نہ جانے دو لگی۔ کیسی مہربان یوسی ہے اپنے بوڑھے مگر جوان دل شوہر کو بغیر ناشتہ کے گھر سے نہیں نکلنے دیتی۔ مستری حبیب خاں نظامی بھی میرے ساتھ ہو گئے۔ اور ہم تین آدمیوں کا قافلہ غزنی کے اونچے قلعہ سے نیچے اُترا۔ کیونکہ فرارات قلعہ کے باہر دامن کوہ میں ہیں غزنی کے چاروں طرف باغ ہیں۔ قلعہ کے نیچے ایک بڑا پہاڑی نالہ بہتا ہے جو خندق کا کام بھی دیتا ہے۔ اس کو "آب جو" کہتے ہیں اس نالہ کی روانی بہت تیز تھی اور اس کی تیزی سے ایک سُر پیدا ہوتا تھا۔ میں نے کبہ دیر اسکی روانی کی بہار دیکھی۔ جہاں چلا تھا وہاں سے یہاں تک کہیں نہیں ٹھہرا اور نہ آگے جا کر کہیں ٹھہرے گا۔ انسان بھی وہی انسان ہے جو اپنا کام شروع

کرنے کے بعد کہیں نہ ٹھہرے۔ آج بھی اسی واسطے لوگوں کو مرغوب ہے اور باغوں کو سرسبز کر سکتا ہے کہ اسکی روانی میں روک اور کابلی اور غفلت نہیں ہے۔

غزنی کے نیچے بہت سے باغ ہندوؤں کے ہیں اور بہت سے مسلمانوں کے ہیں۔ یہ دونوں تو میں نہایت محبت اور اخلاص سے رہتی ہیں۔ کوئی قوم دوسری قوم کے خلاف نہیں ہے۔ ہر قوم اپنی معاشرت اور اپنی معاش اور اپنے مذہب میں آزاد ہے۔ مجھے حیرت ہوتی تھی کہ افغانان کے جاہل اور کم علم باشندے جو مذہبی تعصب میں بہت زیادہ بنام ہیں ہندوؤں سے نہیں لڑتے۔ حالانکہ ہندو یہاں بہت تھوڑے ہیں۔ اور ہندوستان میں ہندو مسلمان رات دن لڑتے رہتے ہیں۔

مزار بابا جاہری | تلمذ غزنی سے اتر کر تقریباً دو میل ہم لوگ پیدل چلتے رہے۔ دونوں طرف باغوں کی بہار تھی۔ مٹی کی کچی دیواریں ان باغوں کے آس پاس کھچی ہوئی ہیں۔ میوؤں سے لدی ہوئی شاخیں دیواروں کے باہر جھانکتی رہتی ہیں۔ جب میں کسی درخت کو کھڑا ہو کر دیکھتا تھا تو باغ کے درختوں پر چڑھے ہوئے افغان جو میوہ توڑتے ہوتے تھے چند پھل میری طرف بھی پھینک دیتے تھے۔ یہ ان کی مہمان نوازی تھی۔ سب سے پہلے ہم نے بابا جاہری کے مزار کی زیارت کی۔ بابا قربان نے کہا کہ

یہ ہندوستان سے آئے تھے اور ان کو ختم الاولیاء کہتے ہیں۔ کیونکہ ان کے بعد پھر کوئی دلی غزنی میں نہیں آیا۔ بابا جاہری نام مجھ میں نہیں آیا۔ میں لکھ چکا ہوں کہ بابا قربان کی باتیں مجھ میں نہیں آتیں۔ خبر نہیں کیا تلفظ ہوگا اور انہوں نے اسکو کس طرح ادا کیا اور میں نے اسکو کس طرح سمجھا۔

بابا حیدر پیلوان | بابا قربان نے ایک اور مزار دکھایا اور کہا یہ بابا حیدر پیلوان کی قبر ہے۔ جو امیر حمزہ کے ہمراہی تھے۔ معلوم ہوتا ہے بابا قربان امیر حمزہ کی فرضی داستان کی طرح بہت سی قبروں کی نسبت فرضی نام اور واقعات بیان کر دیتے ہوں گے۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ امیر حمزہ کی جو داستانیں مشہور ہیں ان میں کچھ بھی صداقت نہیں ہے۔

مزار تاج الاولیاء | حیدر پیلوان سے آگے حضرت تاج الاولیاء کے مزار کی زیارت کی۔ یہاں بہت بڑا گنبد ہے جسکو محمد عظیم خاں خلیف امیر دوست محمد خاں نے امیر حبیب اللہ خاں کے دور حکومت میں بنایا ہے گنبد میں ایک کتبہ بھی لگا ہوا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تاج الاولیاء ہندوستان سے غزنی میں آئے تھے۔ میں ثواب تک یہ سمجھتا تھا کہ ہمارے بڑے افغانان اور ترکستان اور ایران اور عرب سے ہندوستان میں آئے۔ لیکن غزنی کے مزارات کو دیکھ کر حیرت ہوئی

کہ ہندوستانی لوگ بھی یہاں تقوف کی تبلیغ و اشاعت کے لئے آتے تھے۔ چنانچہ بابا جہری اور تاج الادبیار کے مزارات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

مزار خواجہ لائیںار | بابا قربان کی عجیب زبان سے نکلا کہ آگے چلو اور حضرت خواجہ لائیںار کے مزار کی زیارت کرو۔ جو حکیم ثنائی کے مرشد تھے۔ یہ لفظ بھی کچھ اور ہو گا۔ بابا قربان اپنی آسانی زبان میں بول رہے ہیں اور زمین والا اپنے زمین کے کانوں سے اس کو سن رہا ہوں۔ بہر حال اس مزار کی بھی زیارت کی۔ یہاں بھی گنبد بنا ہوا ہے۔ آگے بڑھے تو بابا قربان نے حضرت شامی صاب کے مزار کی زیارت کرائی اور شیخ ورد کی کا مزار بھی دکھایا مگر ان دونوں مزارات کے حالات بیان نہ کر سکے۔

بابا قربان کی نسبت جیسی شہرت تھی اتنے واقف کار وہ نہیں ہیں۔

ہر بابا شیخ عثمان | آخیں بابا قربان مجھے ایک ایسے گنبد میں لے گئے جو بہت شاندار تھا اور کہا کہ اس گنبد میں ہر بابا شیخ عثمان کا مزار ہے اور یہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے والد تھے۔ میں نے بابا قربان سے جرح کرنی شروع کی مگر بابا قربان اس جرح کا کچھ جواب نہ دے سکے۔ یہ میں جانتا ہوں کہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے اجداد بلخ میں حکمران تھے اور

بلخ بھی افغانستان کے تحت میں ہے۔ لیکن یہ معلوم نہیں کہ حضرت بابا صاحب کے والد صاحب کا مزار کہاں ہے اور ان کو ہر بابا کیوں کہتے ہیں۔ یہ خیال ہو سکتا ہے کہ شہر ہرات کا نام پہلے آریہ تھا پھر ہری ہوا پھر ہرات شہر ہوا۔ لیکن ہے حضرت شہر ہری یعنی ہرات میں رہتے ہوں اس واسطے ہر بابا شہور ہوئے ہوں۔

واپسی | تین گھنٹے ان تمام مزارات اور تاریخی مقامات کی سیر و زیارت میں صرف ہو گئے۔ اس کے بعد پیدل غزنی کے قلعہ میں واپس آیا۔ سات آٹھ میل کا چکر ہوا۔ بہت تھک گیا۔ بابا قربان کو راستہ سے رخصت کر دیا۔ قلعہ کے دروازہ پر آیا تو میری سوڑیا رکھڑی تھی۔ سید سوسن اور ڈرائیور صاحب نے میرا اسباب سوڑیں باندھ دیا تھا۔ قلعہ کے دروازہ کے سامنے فوجی بارگیں ہیں رات کو ان کے افغانی باجہ کی آوازیں سن کر بڑا لطف آیا تھا۔ اب جب میں ان بارگوں کے پاس سے گزرا تو سپاہی جوق جوق دوڑے ہوئے میرے پاس آئے اور میرے ہاتھ پاؤں جو کمر سب نے دعائیں کرائیں اور کمر جھکا جھکا کہا کہ بیٹھ پر تکرارو۔ یہ دستور تمام افغانستان میں ہے۔

پوستین | رات کو میں نے غزنی کے حاکم سے کہا تھا کہ میں غزنی کے پوستین خریدنے چاہتا ہوں۔ صبح زیارتوں سے واپس آیا تو بہت سے دکاندار مختلف قسم کے پوستین لے ہوئے

قلعہ غزنی کے دروازہ پر کھڑے تھے۔ بڑے بھی تھے۔ چھوٹے بھی تھے۔ بڑے پوسٹین ستر روپے کابلی قیمت کے تھے۔ اور چھوٹے پوسٹین کم قیمت کے تھے جو نیمہ آستین کی شکل کے تھے۔ میں نے سات پوسٹین بیس میں روپے کابلی میں خریدے۔ اس کے بعد زالہ کا پانی منگا کر بیا۔ بہت صاف اور بہت مزہ دار تھا۔ خشکی برف سے زیادہ معلوم ہوتی تھی۔ ان سب کاموں سے فارغ ہو کر سوڑ میں سوار ہوا اور غزنی اور اس کے قلعہ کو آخری نظروں سے دیکھتا ہوا روانہ ہو گیا۔ زندگی ہے تو پھر کبھی اس تاریخی مقام پر آؤں گا۔ اگر غزنی کی عمارتیں قائم ہوتیں تو میں آٹھ دن یہاں ٹھہرتا۔ لیکن اب سوائے مزارات کے کوئی چیز بھی باقی نہیں ہے۔ اس واسطے زیادہ ٹھہرنا فضول تھا۔ سوڑ چلی تو میں بہت دیر تک غزنی کے نظارہ کو دیکھتا رہا۔ سڑک یہاں بھی بُری نہیں ہے۔

رستہ کی منزلیں | کابل سے غزنی تک چار منزلیں آتی ہیں۔ گویا گھوڑے اور اونٹ پر آنے والے یا پیدل چلنے والے چار دن میں کابل سے غزنی پہنچتے ہیں۔ پہلی منزل کا نام مہتاب قلعہ۔ دوسری منزل کا نام میدان۔ اور تیسری منزل کا نام دشت توپ اور چوتھی منزل کا نام ورس دکت ہے۔ اور غزنی سے مقرر تک تین منزلیں ہیں۔ پہلی منزل

نانی۔ دوسری موشکی تیسری جوئی اھن۔ اور مقرر سے قلات تک بھی تین منزلیں ہیں۔ پہلی آغوجان۔ دوسری شہ جوئے۔ اور تیسری سرا سپ اور قلات سے قندھار تک پانچ منزلیں ہیں۔ پہلی جلدگ۔ دوسری تیرانداز۔ تیسری شہر حصار جو خاک بلخ بھی کہتے ہیں۔ چوتھی مانجھا پانچویں مومند۔ اور قندھار سے چمن تک بھی پانچ منزلیں ہیں۔ پہلی قلعہ ڈب۔ دوسری تختہ پل۔ تیسری میل۔ چوتھی ڈبری۔ پانچویں قلعہ جلدید۔

غزنی سے دس بجے کے قریب روانہ ہوا تھا۔ ایک بجے کے بعد مقرر پہنچا۔ یہ جگہ بھی بہت ٹھنڈی ہے۔ کیونکہ بہت زیادہ بلندی پر ہے۔ یہاں ایک بہت اچھا ڈاک بنگلہ بنا ہوا ہے۔ جس کا فرنیچر بھی اعلیٰ درجہ کا ہے۔ یہاں افغانوں کی ایک فوج رہتی ہے۔ فوج کے کرنل صاحب کے نام کابل سے ٹیلیفون آگیا تھا اور غزنی کے حاکم نے بھی اطلاع دیدی تھی۔ اس واسطے انہوں نے کہا نا تیار کر رکھا تھا۔ ان کا نام کرنل محمد عسکر خاں ہے۔ ایک اور افغان فضل احمد خاں بھی یہاں ملے جو ہوائی جہاز میں جہازران ہیں۔ یہاں قندھار آگئے لگے ہوئے ہیں۔ آج میں نے بھی کئی ہفتہ کے بعد

بولتا ہے۔ غیروہ تو جاہل اور جگلی تھے۔ میں دلی والا بھی ٹیلی فون کو ہزار دسمبھتا ہوں کیونکہ ہمارا بھی رات کو سونے نہیں دیتا اور ٹیلی فون کی گھنٹیاں بھی رات کو نیند میں خلل ڈالتی ہیں۔

مقرر میں کھانا بہت مزہ دار تھا اور بھوک بھی خوب تھی لیکن سردی کی وجہ سے ہاتھ پاؤں اکڑے جاتے تھے۔ کھانا کھا کر گرم گرم چائے پی۔ یہاں بے دوڑ کی سبز چائے پیتے ہیں۔ شکر بھی ڈالتے ہیں اور بے شکر کی بھی پیتے ہیں۔ چھلکی چائے کو تلخ چائے کہتے ہیں۔ یہ سبز چائے دہرہ دون اور امرت سرکا گڑھ کے علاقہ سے جاتی ہے۔ افغانستان کے ہر شہر اور قصبہ میں چائے کی دکانیں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ جہاں یہ چائے پڑیوں میں بچتی ہے۔

کھانا کھا کر دو بجے مقرر سے روانہ ہوا۔ مجھے قلعہ بختیار کی تلاش تھی۔ جہاں سید ہیبت خان نامی کوئی رئیس رہتے ہیں۔ دہلی میں سلطان محمد صاحب نے جن سے میری ایک قربتدار لڑکی کا نکاح ہوا ہے مجھے ایک خط سید ہیبت خاں کے نام دیا تھا۔ سید ہیبت خاں سے سلطان محمد صاحب کی بہن منسوب ہیں اور دس بارہ سال سے ان کی خبر نہیں آئی نہ کسی خط کا جواب آیا۔ سلطان محمد صاحب نے بتایا تھا۔ کہ

اپنی شکل آئینہ میں دیکھی۔ اگرچہ دن میں تین دفعہ خون آتا ہے پھر بھی آب و ہوا کی یہ خوبی ہے کہ چہرہ پر سرخی نظر آتی ہے میں حیران ہو گیا کہ بیب برس سے صحت اتنی خراب ہے کہ کبھی چہرہ پر سرخی نہیں دیکھی تھی۔ یہاں کیا طلسم ہو گیا کہ چہرہ پر خون چمک رہا ہے۔

کرنل محمد عسکر خاں صاحب کے ساتھ حضرت خواجہ بہاء الدین کے مزار پر فاتحہ پڑھنے گیا۔ مگر مزار ڈاک بنگلہ سے بہت دور تھا۔ موڑ دیاں نہ جاسکتی تھی۔ بابا قربان نے کہا تھا کہ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند کا مزار مقرر میں ہے۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے۔ ان کا مزار بنجارا میں ہے۔ یہ کوئی اور خواجہ بہاء الدین صاحب ہوں گے۔

چار سو روپے کی لکڑیوں سے چار پکائی | کرنل صاحب نے ایک بہت دلچسپ قصہ سنایا کہ بچہ سقہ کی فوج ایک دفعہ مقرر کے ڈاک بنگلہ میں آکر ٹھہری۔ اس وقت چار پکانے کے لئے لکڑیاں اور کوئلے ڈاک بنگلہ میں نہ تھے۔ انہوں نے ٹیلی فون کا صندوق جو بار سو روپے کی قیمت کا تھا توڑ کر جلا دیا۔ اور اس سے چار پکائی۔

ٹیلی فون میں شیطان بولتا ہے | بچہ سقہ کے فوجیوں کا عقیدہ تھا کہ ٹیلی فون میں شیطان

مقرر سے ایک میل آگے لب سڑک قلعہ بختیار ملتا ہے۔
میں نے مقرر میں دریافت کیا تو کسی کو قلعہ بختیار کا حال
معلوم نہ تھا اس لئے مقرر سے ایک میل آگے بڑھ کر پیدل
چلنے والے مسافروں سے قلعہ بختیار کا حال پوچھا۔ انہوں
نے کہا وہ سامنے نظر آتا ہے۔ میں نے دیکھا ایک بڑی
دیوار ہے اور اس کے اندر بہت اونچے اونچے درخت
چنار کے اور سیوہ کے نظر آتے ہیں۔ آبادی سڑک سے
چند فرلانگ دور معلوم ہوتی تھی اس واسطے میں نے ستری
حبیب خاں نظامی اور سید مومن کو بھیجا جاہ کیونکہ موٹر
کا راستہ معلوم نہ ہوتا تھا۔ مگر سلطان جان ڈرائیور نے
کہا۔ میں موٹر کو لے جاؤں گا۔ چنانچہ وہ بہت دشواری
کے ساتھ موٹر کو سڑک سے اتار کر قلعہ بختیار کی طرف
لے گیا۔ موٹر تین میل چلتی رہی۔ راستہ بہت خراب
تھا۔ نالے بھی تھے اور گڑھے بھی تھے لیکن قلعہ بختیار اتنی
ہی دور نظر آتا رہا جتنی دور سڑک سے معلوم ہوتا تھا۔
میں نے کہا یہ قلعہ جادو کا قلعہ معلوم ہوتا ہے۔ موٹر روک
او۔ یہ دونوں جا کر خطا دے آئیں۔ چنانچہ وہ دونوں
ڈرائیور کے ساتھ قلعہ بختیار میں گئے اور میں اکیلا موٹر
میں بیٹھا رہا۔ ایک گھنٹہ کے بعد واپس آئے اور ان
کے ساتھ دو افغان بھی تھے۔ جن میں سے ایک کا نام
گلزار علی تھا۔ گلزار علی نے اردو زبان میں بات کی اور

کہا کہ سید حبیب خاں اور ان کی بیوی یعنی سلطان محمد
صاحب کی بہن کا دس سال ہوئے انتقال ہو گیا۔ مرحومہ
کے دو بچے تھے وہ بھی مر گئے۔ اس کے بعد گلزار علی صاحب
نے سیب نذر کئے اور اصرار کیا کہ آج رات کو ہمارے
ہاں ٹھہریے۔ میں نے کہا۔ قلعہ قلات میں اطلاع دیکھا
ہوں۔ رات کو وہاں ٹھہروں گا۔ وہ اصرار کرتے رہے
مگر میں عذر کر کے واپس ہوا۔ واپسی میں راستہ گم ہو گیا
ہم چاروں آدمی موٹر سے اتر کر راستہ تلاش کرنے کے
لئے منتشر ہو گئے۔ مگر جہاں جاتے تھے نالے اور غار نظر
آتے تھے۔ موٹر کا راستہ نہ ملتا تھا۔ ایک گھنٹہ تک حیران
پریشان پھرتے رہے اور مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر یہاں شام
ہو گئی تو قلات تک پہنچنا ناممکن ہو جائے گا۔ کیونکہ رات
کے وقت راستہ بہت مخدوش ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ
ناورشاہ کے زانہ میں چوروں اور ڈاکوؤں کا پورا انسداد
ہو گیا ہے تاہم رات کے وقت اب بھی خطرہ رہتا ہے۔
اور یہ خطرہ تو انگریزی علاقہ میں بھی ہر جگہ موجود ہے میں
دہلی سے درگاہ میں جاتا ہوں تو تین چار میل کا راستہ
بھی رات کے وقت مخدوش ہو جاتا ہے۔ بہر حال راستہ
نہ ملنے کی وجہ سے سخت پریشانی تھی۔ آخر مجھے مایوسی ہو گئی۔
اور ارادہ کیا کہ قلعہ بختیار میں رات گزارنی چاہئے۔
یہ ایک مجھے ایک طرف صاف زمین نظر آئی اور میں نے

رومال کے اشارہ سے ڈرائیور کو بلایا۔ چنانچہ ڈرائیور بڑے لے کر بڑی دشواری کے بعد اس صاف زمین کی طرف آیا اور خدا خدا کر کے ہم سب نے بل کر موٹر کو بڑی سڑک پر چڑھایا۔ اس پریشانی میں دو گھنٹے ضائع ہو گئے اور ہم چار بچے کے بعد قلات کی طرف روانہ ہوئے۔ اگرچہ دو گھنٹے ضائع نہ ہوتے تو مغرب کے وقت قلات پہنچ جاتے مگر رات ہم کو راستہ میں ہو گئی۔ اونچے اونچے پہاڑ۔ ایک طرف دریا اور غار دوسری طرف سڑک کے موڑ جہاں ایک شخص بندوق لیکر بیٹھ جائے تو سود و موسلحہ سواروں کو ختم کر سکتا ہے۔ بہت فکر ہو گیا۔ ڈرائیور بھی پریشان تھا۔ اگرچہ وہ اور سید مومن پستول اور کارتوں کی پیٹیاں پہنے ہوئے تھے۔ پھر بھی راستہ کے خطروں سے ڈرتے تھے۔ قصہ مختصر اٹل کی مدد مانگتے ہوئے اس قندوق جنگل میں موٹر دوڑ رہی تھی۔ چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں دور سے ایسی معلوم ہوتی تھیں کہ چوراہوں کو سڑک روکے کھڑے ہیں۔ چاند نکل آیا تھا اور موٹر کی روشنی بھی تیز تھی اندھیری رات ہوتی تو بہت زیادہ خطرہ تھا۔ رات کو ساڑھے آٹھ بجے قلات میں پہنچے۔

ایک قلات بلوچستان میں ہے جہاں کا خان قلات مشہور ہے اور جو انگریزوں کے ماتحت ہے۔ یہ قلات افغانستان میں ہے اور بہت تاریخی مقام ہے۔ یہاں غدر سے پہلے

انگریزوں اور افغانوں کی بڑی بڑی لڑائیاں ہوئی ہیں۔ یہاں کے حاکم محراب خاں کو انگریزوں نے قتل کر دیا تھا۔ محراب خاں کا ایک نابالغ لڑکا تھا اس نے قسم کھائی کہ اپنے باپ کا انتقام لوں گا۔ بچہ کی ہمت دیکھ کر اسکی بیوہ ماں اور قوم نے ساتھ دیا اور وہ بچہ انگریزی فوج سے خوب لڑا اور بہت سے انگریزوں کو قتل کر کے قلات کا قلعہ چھین لیا۔

قلات میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ قلات کے حاکم رفیق محمد خاں انتظار کر کے سو گئے۔ ان کے بھائی عیدی گل صاحب موجود تھے۔ انہوں نے کہا نا کھلایا۔ ہم سب بہت تنگ گئے تھے کیونکہ دو منزل چلکر آئے تھے۔ ورنہ عام طور سے موٹر میں غزنی سے چل کر رات کو منقر میں رہتی ہیں اور منقر سے چل کر قلات میں شب باش ہوتی ہیں۔ قلات غزنی سے بھی زیادہ ٹھنڈی جگہ ہے۔ راستہ کی سردی سے میرا نزلہ بڑھ گیا۔ اور یہاں آ کر خون بھی بہت آیا۔ یہاں پانی بھی دور سے آتا ہے۔ رات کو بل یک صراحی پانی میں ہم نے گزارہ کیا۔ نماز تیمم سے بڑھی۔ عیدی گل صاحب بہت خلیق اور ملنسار شخص ہیں۔ یہاں چار پانی نہیں ملی۔ زمین پر بستر کر کے سوئے۔ مکان تنگ تھا اور اس کے چاروں طرف مسخ فوجی پہرہ تھا۔ میری اتنی تھی کہ باوجود نرم اور گرم بستر کے ایسا معلوم ہوتا تھا

کہ میں برف میں لیٹا ہوں۔ نزلہ کی تکلیف اور سفر کی
تنگان غالب تھی۔ لیکن جس طرح ممکن ہوا رات گزر گئی۔

۲۸ ستمبر ۱۹۳۱ء

قلات کی صبح سورج کی کرنوں نے شیشہ کے

اندر چمک دکھائی تو آنکھ کھلی۔ میں بھی آج افغان
بن گیا۔ جلدی بیدار نہ ہو سکا۔ ستری حبیب خان نظامی
اور سید موسیٰ اور سلطان جان ڈرائیور باہر کے کمرہ
میں تھے اور میں اکیلا اندر کے کمرہ میں تھا۔ باہر والے
مجھ سے پہلے بیدار ہوئے اور موٹر کو صاف کرنے کے
لئے چشمتہ پر لے گئے کیونکہ موٹر پر راستہ کی گرد نے دو
چاول موٹی خاکی چادر اڑھا رکھی تھی۔ پانی یہاں سے
دور ہے اس لئے موٹر کو وہیں لے گئے۔

میں نے نزلہ کی دوا اور بواسیر کی دوا استعمال
کی۔ پھر باہر دھوپ میں بون گھنٹہ چہل قدمی کرتا رہا۔
ڈاک بنگلہ کا حلقہ بڑا ہے۔ باغ کا نقشہ ہے۔ لیکن پانی
کی کمی کے سبب سرسبزی نہیں ہے۔ ہوا بہت تیز چل
رہی ہے۔ سردی اتنی ہے کہ دہلی میں اتنی ہو تو پارہ ۳۸
درجہ پر آجائے۔

موٹر صاف ہو کر آئی۔ اسباب باندھا گیا۔

رفیقوں نے چار پی۔ میں نے فقط دہلی کی تلی ہوئی
دال کھائی جو دہلی سے ساتھ آئی ہے۔ گوشت سے

بچنے والے ملک کی نشانی ہے۔ یہاں افغانوں کو دیتا
ہوں تو وہ بھی ”خوب است“ کے لفظ سے تعریف
کرتے ہیں۔ لیکن جب مسور کی دال بھی ان کو دیتا ہوں
جس پر لال مرچیں چڑھی ہوئی ہیں تو دووانے منہ میں
ڈالتے ہی ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں اور
”آئی آئی“ کی صدا بلند ہونے لگتی ہے۔ یہ لوگ لال
مرچیں نہیں کھاتے۔ میں بھی کم کھاتا ہوں مگر منہ کا مزہ
بدلنے اور خواجہ بانو کی پسندیدہ مرچوں کو یاد رکھنے کے
لئے مرچوں کی دال بھی ساتھ لایا ہوں۔

۲۹ ستمبر میں بیت المقدس گیا تو عبدالقادر صاحب
درزی ساتھ تھے اور وہی کھانا پکاتے تھے۔ مسجد اقصیٰ
کے معلم صاحب کو بھی میں شریک طعام کر لیتا تھا اور
یہ بات عبدالقادر صاحب کو ناگوار تھی۔ ایک دن
انہوں نے دانستہ مرچیں زیادہ ڈال دیں۔ عرب صفا
نے ایک نوالہ منہ میں رکھا تھا کہ بلبل کر کھڑے ہو گئے
اور دوسرا نوالہ نہ کھا سکے اور پھر تین دن تک ملنے
نہ آئے۔ معلوم ہوا ایک ہی نوالہ نے ہمیش میں مبتلا
کر دیا تھا۔

نوبے صبح قلات سے موٹر قندھار کی طرف چلی۔

پہاڑ کی چوٹی پر جو قلعہ ہے میں اس کو دیکھتا ہوا قلات
سے رخصت ہوا۔ سردی دھوپ کی تیزی کے بادلوں

اپنا دبدبہ دکھا رہی ہے اور ہم سب سوڑ میں پھڑوں کے اندر لپٹے بیٹھے ہیں۔

قندھار چلو، قندھار چلو | سوڑ دوڑ رہی ہے۔

راستہ پھر خراب آ رہا ہے۔ کابل سے غزنی تک اچھا تھا۔ غزنی سے مقرر تک خاصہ تھا۔ مقرر سے قلات تک غنیمت تھا اور قلات سے قندھار تک سڑک خراب ہے۔

دس پندرہ میل کے بعد گرمی شروع ہوئی کیونکہ قندھار ہمارے ملک کی طرح گرم ہے۔ قلات کی سردی ختم ہو گئی۔ میں نے ایک ایک کے سب گرم کپڑے اتار دیئے۔

وہ تو قندھار ہے | دور سے مٹی کے بنے ہوئے

چھوٹے چھوٹے مٹیائے گنبد دکھائی دیئے۔ سید مومن سے پوچھا۔ وہ کس کے مقبرے ہیں؟۔ سید مومن نے کہا مقبرے نہیں وہ تو قندھار ہے۔ کیونکہ قندھار میں سب مکان گنبد نما بنائے جاتے ہیں۔ امیر غریب سب باشندگان اس کے گنبد میں رہنا چاہتے ہیں۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ یہ ملک بھی طرح طرح کی دلچسپیاں رکھتا ہے۔

ہوائی جہاز کا میدان | پہلے سڑک کے کنارے

ہوائی جہاز کا میدان آیا۔ جہاں ایک بکا مکان بھی بنا ہوا ہے۔ جست کی چھت معلوم ہوتی ہے۔ میدان بھی بڑا اور وسیع ہے۔ اس میدان کے بعد قندھار شہر کے اندر سوڑ داخل ہوئی۔ اور بڑے بازار کے اندر سے گزری۔

بازار سیدھا اور رونق دار تھا۔ دکانیں بھی آباد معلوم ہوتی تھیں۔ بازار پٹا ہوا نہیں تھا۔ سڑک چوڑی تھی

بازار ختم ہوا تو ایک چوراہہ آیا جو پٹا ہوا ہے اسکو چار سو کہتے ہیں۔ اس چوک کے چاروں سمت لمبے لمبے بازار ہیں۔ رنگون کی طرح بازاروں کی تقسیم ہے سوڑ چار سو کے شمال کی طرف مڑی۔ اس کو شاہ بازار کہتے ہیں۔

کیونکہ مجاہد اعظم غازی احمد شاہ ابدالی کا فرار اسی رخ ہے اور قندھار کے حاکم کا مکان اور عدالتیں اور سرکاری عمارتیں بھی ادھر ہی ہیں۔ سوڑ سرکاری عمارت کے

قرب جاکر ٹھہری۔ سامنے مجاہد اعظم کا گنبد اور خود شہر کا گنبد نظر آ رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں مہمان خانہ کے ملازم آگئے اور ہم کو اسباب سمیت مہمان خانہ میں لے گئے۔

یہ مکان کابل وغزنی و مقرر قلات کے سب مہمانخانوں سے بڑا اور وسیع اور شاندار ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے دہلی کا کمرو زینت محل۔ اندر مین میں حوض اور چمن بھی ہے مگر مکان پرانا ہے۔

بہت خشک گیا تھا۔ وضو کر کے کچھ دیر آرام کیا۔ پھر کھانا کھایا۔ مہمان دار بہت اچھے کم سن گروہ نگار آدمی ہیں۔

کھانے کے بعد پھر ریت گیا۔ گرمی معلوم ہوتی ہے زلزلہ میں گھبراہٹ ہو گئی ہے مگر بوا سیر کا خون برابر آ رہا ہے۔

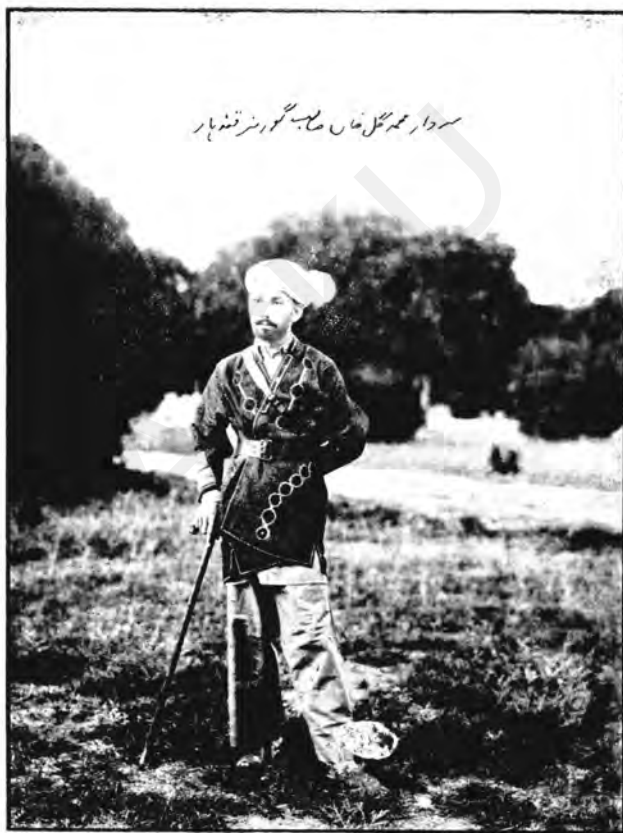
چہل زمینہ عصر کے بعد قندھار کی سیر کو نکلا۔ بازار سے کتابیں بھی خریدنی تھیں۔ مگر بازار میں جا کر حیرت ہوئی کہ عصر کے بعد ہی دکانیں بند ہو گئی تھیں۔ مشرقی شہروں میں ہر جگہ مغرب سے پہلے بازار بند ہو جاتے ہیں۔ البتہ قندھار میں شاہ بازار عشا کے وقت تک کھلا رہتا ہے۔ سڑک کے دونوں طرف ڈیرھ فٹ چوڑی دو فٹ گہری نالیاں بنی ہوئی ہیں جن میں پہاڑی چٹمہ کا پانی بہتا رہتا ہے۔ اور لوگ اس پانی سے وضو بھی کرتے ہیں اور بازار کی ضرورتیں بھی پوری کرتے ہیں۔ سڑک بہت چوڑی ہے اور ان نالیوں کے بعد پیدل چلنے والوں کے لئے ایک بہت اچھی پٹری ہے اور پٹری کے کنارہ پر دکانیں ہیں۔ ان چھوٹی نہروں سے بازار کی رونق بہت بڑھ گئی ہے۔ یہاں ہندو دکاندار بھی زیادہ ہیں۔ یعنی کابل اور غزنی سے زائد ہیں۔ ورنہ سلمان دکانداروں کی کثرت ہے۔ ایک ہندو کپڑے والے کی دکان پر بیٹھکر میں نے کپڑے دیکھے۔ یہ سندھ کا ہنسنے والا ہے۔ دکان شاندار ہے۔ کتابوں کی بھی چند دکانیں کھلی ہوئی تھیں مگر کوئی اچھی کتاب نہیں ملی۔ اس واسطے بازار سے رخصت ہو کر شہر کے باہر چل زمینہ دیکھنے گیا۔ شہر سے تین میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑ ہے۔ اس میں بابا دشاہ نے سیڑھیاں بنائی ہیں۔ پہاڑ بہت اونچا ہے

اور یہ سیڑھیاں چوٹی پر ہیں۔ حکومت نے سڑک بنادی ہے جو زمینہ کے قریب تک پہنچ جاتی ہے۔ سیڑھیاں بے ڈھنگی اور دودھ و فٹ اونچی ہیں۔ میں اوپر نہیں گیا۔ مستری حبیب خاں نظامی اور سید مومن اوپر گئے۔ زمینہ کے اوپر بابا دشاہ کا کتبہ بھی لگا ہوا ہے۔ زمینہ کے نیچے سڑک بہت چوڑی ہے۔ میں نے اسی جگہ مغرب کی نماز پڑھی۔ ایک قندھاری سوداگر بھی گھوڑے پر سوار وہاں آ گیا تھا۔ وہ بھی نماز میں شریک ہوا۔ وہ لمبی اڑی والا اور بہت مضبوط جسم اور لمبا ترنگا تھا۔

میں نے کہا۔ اگر میں تم کو جہاد کا حکم دوں تو جہاد کرو گے؟ جواب دیا۔ اتنی جلدی تعمیل کروں گا کہ اپنے گھر کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھوں گا۔ آپ کی زبان سے جہاد کا حکم سنتے ہی گھوڑے پر بیٹھ کر روانہ ہو جاؤں گا۔ میں نے کہا۔ دیکھو وہ سامنے احمد شاہ ابدالی کا مزار نظر آتا ہے وہ بھی ایسے ہی مستعد مجاہد تھے کہ جب انہوں نے یہ خبر سنی کہ دہلی کی جامع مسجد کے منبر پر مرتے سونمات کی صورت رکھنی چاہتے ہیں تو فوراً قندھار سے گھوڑے پر سوار ہوئے اور پانی پت میں جا کر ٹھہرے۔ ایک منٹ بھی راستہ میں صانع نہیں کیا۔ مجھے تم سے ایسے ہی جواب کی امید تھی۔

نماز کے بعد قیام گاہ پر واپس آیا۔ اور آج کی

سردار محمد گل خان صاحب گورستان قفقاز



یادداشت لکھی۔

حاکم صاحب کے مکان میں | اس کے بعد

قندھار کے حاکم صاحب کے مکان پر گیا۔ بہت آراستہ اور شاندار مکان تھا۔ حاکم صاحب نوجوان ہیں اور بڑے ہی شایستہ اور دانشمند اور ذی علم اور تجربہ کار معلوم ہوتے ہیں۔ دو گھنٹے تک باتیں ہوتی رہیں۔ اردو نہیں جانتے۔ میں ٹوٹی پھوٹی فارسی میں بولتا تھا اور وہ نہایت فصیح و بلیغ فارسی میں جواب دیتے تھے۔ نوپچے کھانے کی میز پر گئے۔ جو ہر قسم کے عمدہ کھانوں سے سجی ہوئی تھی۔ کھانے کے بعد بھی دو گھنٹہ تک باتیں ہوئیں اور رات کو گیارہ بجے حاکم صاحب سے رخصت ہو کر قیام گاہ پر آیا۔ راستہ میں فوجی سپاہی بندوق لئے کھڑا تھا۔ اس نے ٹوکا۔ اور فوراً بندوق اٹھائی۔ مہمان دار میرے ساتھ تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر کہا۔ شاہی جہان ہیں۔ سپاہی جست کر کے آگے بڑھا اور بولامیں نہیں جانتا کہ یہ کون ہیں۔ اگر تم رات کا جملہ نہیں بتاؤ گے تو میں حکم کے موافق گولی مار دوں گا۔ جہاندار نے اس کا سر دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا اور کان پر سنہ رکھ کر کچھ کہا۔ سپاہی ہنسا۔ اور اس نے کہا تم جا سکتے ہو۔ خیر ہو گئی کہ جہاندار ساتھ تھا۔ ورنہ میں کیا جواب

دیتا۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ آج کی رات کا خفیہ جملہ کیا ہے۔ اگرچہ کابل میں یہ تماشہ دیکھ چکا تھا۔ لیکن یہاں آکر مہول گیا تھا۔ مہمان دار ساتھ نہ تھا اور سپاہی اپنے فرض کو ادا کر دیتا تو میں غازی احمد شاہ ابدالی کے مقبرہ میں دفن ہو جاتا۔ اگر ایسا ہوتا تو بہت ہی اچھی بات تھی۔ کیونکہ میں احمد شاہ ابدالی اور محمود غزنوی اور عالمگیر اور رنگت سیب اتنی عبت رکھتا ہوں کہ اگر میری قبر ان تینوں کے پڑوس میں بن جائے تو میری روح کو بہت خوشی ہو۔ ورنہ کم از کم شیو سلطان کی قبر کے قریب مجھے دفن کیا جائے تب بھی مجھے بہت خوشی ہوگی۔ کیونکہ ان سے بھی مجھے بہت محبت ہے۔

بقیہ رات | گیارہ بجے کے بعد سویا۔ دن کو

گرمی تھی مگر رات کو خشکی ہو گئی تھی۔ کمرہ کے اندر سویا۔ جہاں سے آسمان نظر آ رہا تھا۔ صبح کے وقت ایک ہلکی سی دُلائی بھی اوڑھی۔ بالکل دہلی جیسا موسم ہے۔ طبیعت بشتاش ہے۔ معلوم ہوتا ہے کابل اور غزنی کی سردی سے نزلہ کی زیادتی تھی۔ اور طبیعت بھی افسردہ رہتی تھی۔ قندھار کا موسم چونکہ گرم ہے اس واسطے طبیعت میں زندگی کے آثار پیدا ہو گئے ہیں آج کی رات میں ایک شہر میں جمع افغانوں کا کابل سے بھی زیادہ سیاسی ہمت لکھتا ہے اور جو بہت ہی پُرانا اپنی مقام

۲۹ ستمبر ۱۹۳۱ء قندھار

قندھار میں ہوں | اس شہر میں رات ختم ہوئی اور صبح کا نور چمکا۔ جس کو مسلمان قندھار کہتے ہیں اور ہندو گندھار۔

ان کی پُرانی کتابوں میں اس شہر کا اکثر جگہ گندھار کے نام سے ذکر آیا ہے۔ یہ شہر وسط ایشیا اور ہرات سے آنے والے آریوں اور ہندوؤں کا دروازہ تھا۔ یہیں سے ہندوستان میں داخل ہوتے تھے۔

بیدار ہوتے ہی تصورات نے مجھے گھیر لیا۔ یہ سفر ایک خواب و خیال معلوم ہوتا ہے۔ دہلی پہنچ جاؤنگا تو یقیناً افغانستان کی سیاحت ایک خوابِ خیال ہو جائے گی۔ دنیا کی سب ہی چیزیں خواب و خیال ہیں۔ اور یہ دنیا بھی کسی معشوق کا ایک خواب ہے۔ ایسا معشوق جس نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:-

لَا تَأْخُذْهُ يِسْنَةٌ وَلَا نَوْمٌ

(اس کو اونگ اور نیند نہیں آتی) خواب کا لفظ تو ایک انسانی لفظ ہے۔ اس واسطے مجبوراً اس ”جاں جہاں“ کے لئے استعمال کرنا پڑتا ہے۔

دائیں طرف دیکھتا ہوں تصور کھڑا ہے۔ بائیں طرف گردن موڑتا ہوں تصور موجود ہے۔ آگے اور پیچھے۔ نیچے اور اوپر ہر طرف خیالوں اور تصوروں کی

بھیر لگی ہوئی ہے۔ کوئی کہتا ہے ایرانیوں کا زمانہ یاد کر کے وہ بھی قندھار سے گزر کر ہندوستان گئے تھے۔ کوئی کہتا ہے یونانیوں کی فوجوں کو دیکھ کہ یہاں کدھر سے گزری تھیں۔ کہیں سے آواز آتی ہے مسلمانوں کے ابتدائی زمانہ کے بادشاہوں کو بہت دیکھا۔ مغلوں کے دور کو بھی دیکھ۔ ہمایوں کا بھائی عسکری مرزا قندھار کا فرمانروا تھا۔ ہمایوں شیر شاہ کے سامنے سے بھاگا تو قندھار پہنچا۔ قندھار ایک منزل دور تھا کہ خبر آئی۔ عسکری مرزا ہمایوں کو گرفتار کرنا چاہتا ہے۔ مجبوراً ہمایوں نے اپنے دو دو پیٹے بچہ اکبر کو اتار کے ساتھ خیمہ میں چھوڑا اور خود ایران کی طرف بھاگ گیا۔ عسکری مرزا اکبر کو قندھار میں لایا۔ کچھ دن یہاں پرورش کی پھر اپنے بھائی کامران مرزا کے پاس کابل میں بھیج دیا۔

قندھار ہی وہ شہر ہے جہاں سے احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان پر یلغاریں کیں اور پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کی ساری قوت ختم کر دی۔

اس سے بھی آگے بڑھ۔ قندھار ہی وہ شہر ہے جہاں غازی امان اللہ خاں افغانستان کی حکومت کو آخری سلام کرتے ہوئے ہندوستان گئے اور وہاں سے یورپ پہنچے۔

تو سیاست ہی میں کیوں الجھتا ہے روحانیت کو بھی دیکھ۔ بڑے بڑے علماء اور بڑے بڑے فقہاء قندھار

ہی کے راستہ ہندوستان میں آئے اور اپنے ملک کا نام روشن کیا۔

کیا تجھ کو یاد نہیں کہ تیرے جسم میں جن کا خون ہے اور جن کا نام سید بدرالدین اسحاق رحمہ تھا۔ اور جو حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمہ کے داماد تھے وہ بھی غزنی میں پیدا ہوئے تھے اور غزنی سے قندھار آئے اور قندھار سے ہندوستان گئے اور پھر دہلی میں سکونت اختیار کی۔ آج ان کو ساڑھے پچھ سو برس کا زمانہ ہو گیا۔ مگر وہ اتنی مدت پہلے بھی بدرالدین اتحق رحمہ غزنوی ثم الدہلوی مشہور تھے۔

انگریزی سفارت خانہ صبح کی نماز سے فارغ ہوتے ہی سب سے پہلے انگریزی سفارت خانہ میں گیا جو حاکم قندھار کے دیوان خاص و عام سے ملا ہوا ایک عمدہ مکان میں ہے اس کو سفارت خانہ نہیں کہنا چاہئے۔ کیونکہ سفارت خانہ صرف کابل میں ہے۔ بلکہ اس کا نام تو فضل خانہ ہے۔

تو فضل خانہ میں جا کر معلوم ہوا سید صدیق حسن صاحب خان بہادر آج کل تو فضل جبرل ہیں۔ جو سید غلام حبیب صاحب نیرنگ کے حقیقی بھائی ہیں۔ یہہ معلوم کر کے بہت ہی خوشی ہوئی۔ کیونکہ میر نیرنگ صاحب سے میرے تعلقات قریب و دور کی طرح ہیں تو فضل خانہ

کے ڈاکٹر برکت علی صاحب آگئے اور انہوں نے بہت مدد کی۔ میں نے کہا۔ ڈاکٹر صاحب آپ کی مدارات یہ ہے کہ کوئی دوا پلائیے۔ نزلہ نے عاجز کر دیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب فوراً ایک شیشی میں دوا بنا کر لائے۔ اتنے میں خان بہادر سید صدیق حسن صاحب بھی ہوا غوری کر کے آگئے۔ ان سے بھی خوب باتیں ہوئیں اور وہ بھی اپنے بھائی کی طرح نہایت محبت اور اخلاص سے پیش آئے۔ فقیر دوست آدمی ہیں۔ حضرت سید جماعت علی شاہ صاحب کے مرید ہیں۔ پہلے سقط میں تھے پھر بحرین میں رہے اب قندھار میں ہیں۔ فوراً ناشتہ کا سامان منگایا گیا اور اس میں خوب تحکف کیا گیا۔ اور جب خاصدان میں پان بن کر آئے تو میں اُچھل پڑا۔ قندھار میں پان کہاں میں دہلی سے پانوں کی دو ڈھولیاں لیکر آیا تھا۔ اپنی ذات سے زیادہ ان پانوں کی حفاظت کرتا ہوں۔ مستی حبیب خاں نظامی روزانہ ان پانوں کو دیکھتے ہیں اور صافی کو تر کرتے ہیں۔ گلے ہوئے پانوں کو کترتے ہیں۔ اور ابھی دہلی کے پان اتنے موجود ہیں کہ گھر بچنے تک کام دیتے رہیں گے۔ خان بہادر صاحب بھی پان بہت کہاتے ہیں اور خاص اہتمام کے ساتھ روزانہ چمن سے ان کے لئے پان آتے ہیں۔

افغانستان میں اگر مردم شماری ہو اور پان کھانے

داؤں کا بھی ایک خانہ رکھا جائے تو تمام افغانستان میں صرف تین نام پان کھانے والوں کے درج ہوں گے۔ ایک مرتضیٰ خاں نظامی کابل میں۔ دوسرے شہزادہ احمد علی خاں کابل میں۔ اور تیسرے خان بہادر سید صدیق حسن قندھار میں۔ خان صاحب عنایت اللہ صاحب کلک سے بھی ملاقات ہوئی اور خان بہادر کے ہندوستانی باورچی سے بھی ملا۔

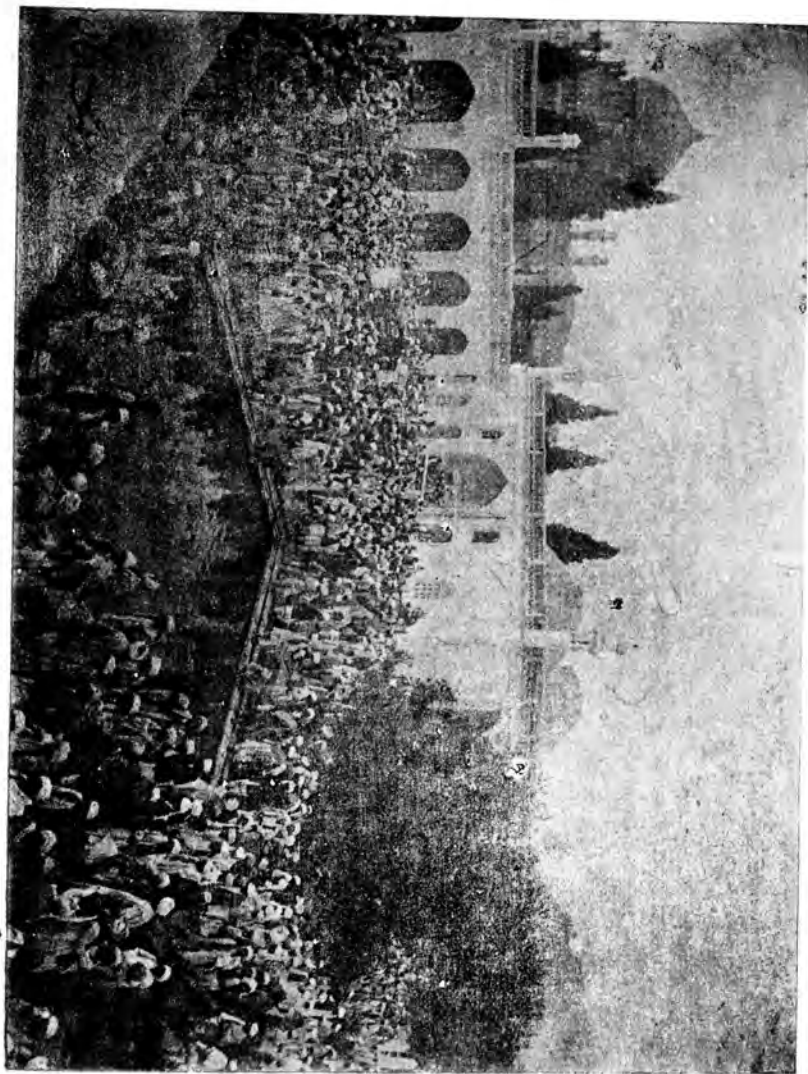
قندھار کا بازار | تو فصل خانہ سے رخصت ہو کر

قیام گاہ پر آیا۔ اور پھر مہمان دار کی رفاقت میں بازار گیا۔ کتابیں دیکھیں اور چند کتابیں خریدیں۔ یہاں بھی جس بازار میں جاتا تھا۔ بازار والے ایک تماشہ بنا لیتے تھے۔ چاروں طرف جمع ہو جاتے۔ ہاتھ پاؤں جتنے دکھاتے اور مصری اور رنگ پر دم بھی کاتے تھے بعض افغانوں نے نذریں بھی پیش کیں مگر میں نے کسی سے کچھ نہیں لیا۔ کیونکہ ان لوگوں کی نظروں میں ہندوستانی لوگ روپے پیسے کی وجہ سے حقیر ہو گئے ہیں۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ ان سے روپیہ لیکر اپنے ملک کو لالچی شہور کروں۔ قندھار کی تسبیحاں بہت مشہور ہیں۔ مختلف قسم کے پتھروں سے بنائی جاتی ہیں۔ ایک کا بے پتھر کی چھوٹی سی تسبیح میں نے بھی خریدی۔ پھر ایک ہندو مزار کی دکان پر گیا اور اس سے قندھار کے ہندوؤں کی

نسبت خوب باتیں ہوئیں۔ یہ ہندو بھی اردو بولتا تھا۔ اور اس نے بھی نادر شاہ کی حکومت کی بہت تعریف کی۔

غازی احمد شاہ کا مزار | بازار سے واپس آیا تو شاہ بازار میں احمد شاہ کے زمانہ کی ایک مسجد بھی دیکھی اور پھر غازی احمد شاہ کے مزار پر گیا۔ بہت شاندار اور نفیس گنبد بنا ہوا ہے۔ گنبد پرشت پہل ہے۔ گنگہ یعنی درسیانی اینٹ سے بنایا گیا ہے۔ اس پر چینی کا کام بہت عمدہ تھا۔ گراب کہیں کہیں سے خراب ہو گیا ہے۔ گنبد کے اندر سنہری کام اور رنگ آمیزی نہایت ہی اعلیٰ اور خوبصورت ہے۔ غازی احمد شاہ کا مزار گنبد کے وسط میں نہیں ہے بلکہ غربی سمت ایک پہلو میں ہے اور اس مزار کے قریب ہی اور بھی کئی قبریں ہیں۔ جو غالباً آٹھ تئیں۔ یہاں ایک کتبہ بھی ہے۔ جس سے غازی مرحوم کی تاریخ وفات ظاہر ہوتی ہے۔ ۱۲۵۷ھ میں۔ گنبد کا دروازہ بند تھا۔ میں نے گنبد کے اوپر چڑھ کر غلام گردش کے ایک دروازہ سے مزار کی زیارت کی۔ کیونکہ گنبد کا دربان اس وقت موجود نہیں تھا۔ فاتحہ پڑھنے کے بعد میں بہت دیر تک غازی ابدالی کے مزار مقدس کو دیکھتا رہا۔ وہ لمبی ڈاڑھی اور وہ دبہ کی صورت جو تصویروں میں دیکھی تھی۔ آنکھوں کے سامنے آگئی۔ عجیب قابلیت کا بادشاہ تھا۔ اسی کم معاش اور

جامع خرقم شریف قندهار مین



کم آمدنی کے ملک افغانستان کا بادشاہ تھا۔ لیکن اتنی بڑی فوج رکھتا تھا اور اتنا اچھا انتظام تھا کہ ہندوستان کے آخری زمانہ کی تاریخ اس کے ذکر خیر سے لبریز ہے۔ انگریز اور ہندو بھی ابدالی کا نام لیتے ہیں تو ادب اور ہیبت سے لرز جاتے ہیں۔

سلام | اے خاک میں سونے والے بادشاہ! تجھ کو سلام۔ اے اللہ پر بھروسہ رکھنے والے! تجھ پر سلام۔ اے اللہ کے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنے والے! تجھ پر سلام۔ اے تجھ پڑھنے والے اور شمع کے سامنے شراب اور عیش کے گناہ سے بچکر قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے! تجھ پر سلام۔ اے اَشِدَّاءُ عَلٰی الْکُفَّارِ و رَحِمَاءُ بَيْنَهُمْ دُندوں پر بہت سخت اور آپس میں بہت رحمدل جیسی صفات رکھنے والے! تجھ پر سلام۔ تیری چمکتی ہوئی تلوار کو سلام۔ تیرے بلند نیزہ کو سلام۔ تیری گرجدار توپ کو سلام۔ اور گولی مارنے والی بندوق کو سلام۔ اور اس بہت اور غم کو سلام جو صدیوں کے بعد تیرے اندر نظر آیا۔

میرے سلام کو سن کہ تو خدا کے حکم سے سن سکتا ہے۔ اور سن رہا ہے اور سنتا رہے گا۔ میں تیرے سامنے کھڑا ہوں۔ میں ایک مسافر ہوں اور میں

ایک مسلمان ہوں۔ اور میں وہ احساس رکھتا ہوں جو دس بیس نہیں، ہزار دو ہزار نہیں، لاکھ دو لاکھ نہیں، کروڑ دو کروڑ میں کبھی کبھی کسی ایک کو بل جاتا ہے اس احساس کے سیکڑوں کان ہیں اور ہزاروں آنکھیں ہیں اور بے شمار ہاتھ پاؤں ہیں۔ میں اس احساس کے کانوں اور آنکھوں سے یہاں وہ سن رہا ہوں اور وہ دیکھ رہا ہوں جو نہ کوئی دیکھ سکتا ہے اور نہ کوئی سن سکتا ہے۔ تیری روح جو کچھ مجھ سے کہہ رہی ہے اس کو میں سن رہا ہوں۔ میں تیری روح کو بے شمار شہیدوں کی ارواح کے ساتھ خالق اعظم کے سامنے سجدہ میں دیکھ رہا ہوں۔ اور غیبی نغموں کی آوازیں بھی سنتا ہوں اور ایک صوت سرمدی بھی یہ کہتی ہوئی مجھ کو سنائی دیتی ہے کہ "یہ میرے بندے ہیں اور یہ میرے ولی ہیں جن کو نہ دنیا میں خوف تھا اور نہ آخرت میں کوئی خزن و مال ہے۔" اے بادشاہ! میں تیرے پاس آیا تھا اور اب میں تیرے پاس سے جاتا ہوں اور مجھے صرف ایک دعا تیری روح کے وسیلہ سے خدا کے دربار میں پیش کرنی ہے کہ افغانستان کا بول بالا ہواور اسکے فرمانروا اور شاہ کا بول بالا ہواور تمام ملت افغان کا بول بالا ہو۔

گنبد کے باہر آیا۔ اور پنی کے کام کو بہت دیر تک دیکھتا رہا۔

خرقہ شریف | اس گنبد کے قریب ہی خرقہ

شریف کا گنبد ہے جو غازی احمد شاہ کے زمانہ کا ہے۔

اس گنبد میں کچھ تبرکات رکھے ہیں اور ایک خرقہ بھی

ہے۔ یہ عمارت بھی نہایت خوبصورت ہے مگر مقفل

تھی۔ اس واسطے میں نے باہر سے ہی زیارت کی۔ خرقہ

شریف کی درگاہ کے آس پاس بھی افغان امرا کی

بہت سی قبریں ہیں جن پر کتبے بھانگے ہوئے ہیں۔

قاضی صاحب کا دفتر | واپسی میں قندہار

کی کچھریاں دیکھیں اور محکمہ ابتدائیہ کے قاضی مولانا

اختر محمد صاحب سے بھی ملا۔ بہت اچھی وجاہت کے

آدمی ہیں۔ لمبا قد، گوار رنگ، ڈاڑھی خوب بڑھی

ہوئی، چنہ پہنے ہوئے۔ چہرہ پر عبادت کا نور میں

کمرہ کے اندر گیا تو تعلیم کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اور

اس کے بعد ازراہ مسافر نوازی جھک کر میرے پاؤں

چومے۔ یہ میرے نسب سے واقف تھے۔ حضرت خواجہ

نظام الدین اولیاء محبوب الہی رف سے خاص محبت

رکھتے ہیں۔ میں کچھ دیر وہاں بیٹھا۔ ان سے معلوم ہوا

افغانستان میں چور کے ہاتھ کاٹے جاتے ہیں۔ اور

تمام فوجداری و دیوانی مقدمات میں شریعت پر عمل

کیا جاتا ہے۔ میں نے اسلامی ملک کی یاد کا بھکریک روپیہ

کا وہ شیقہ شرعی بھی خریدا۔ تاکہ ہندوستانیوں کو معلوم

ہو کہ اسلامی ملک کے قاضیوں کے پاس سرکاری سب

کس قسم کا ہوتا ہے۔

مرکان پر | قاضی صاحب سے رخصت ہو کر اور بھی

کئی محکمے دیکھے اور پھر قیام گاہ پر آیا۔ کھانا کھایا۔ اور

ظہر سے فارغ ہو کر پھر بازار گیا۔

مزار بابا بولی | مولانا آزاد کی کتاب دربار کبریٰ

میں دیکھا تھا کہ قندہار میں حضرت حسن ابدال کا مزار

ہے اور پشاور کے قریب جو حسن ابدال مقام ہے وہ

حضرت کی جگہ گاہ ہے۔ میں نے لوگوں سے حضرت

حسن ابدال کا مزار دریافت کیا۔ مگر کوئی شخص ٹھیک

پتہ نہ بتا سکا۔ اور کہا کہ یہاں بابا بولی کا مزار بہت

مشہور ہے اور ان کا ایک ہاتھی بھی ہے۔ جو کئی

ہزار گز لمبا چوڑا ہے۔ کئی ہزار گز لمبے چوڑے ہاتھی

کا نام سنکر عجیب بہت تعجب ہوا۔ چنانچہ عصر کے بعد

مستری حبیب خاں نظامی اور سید مومن کے ساتھ

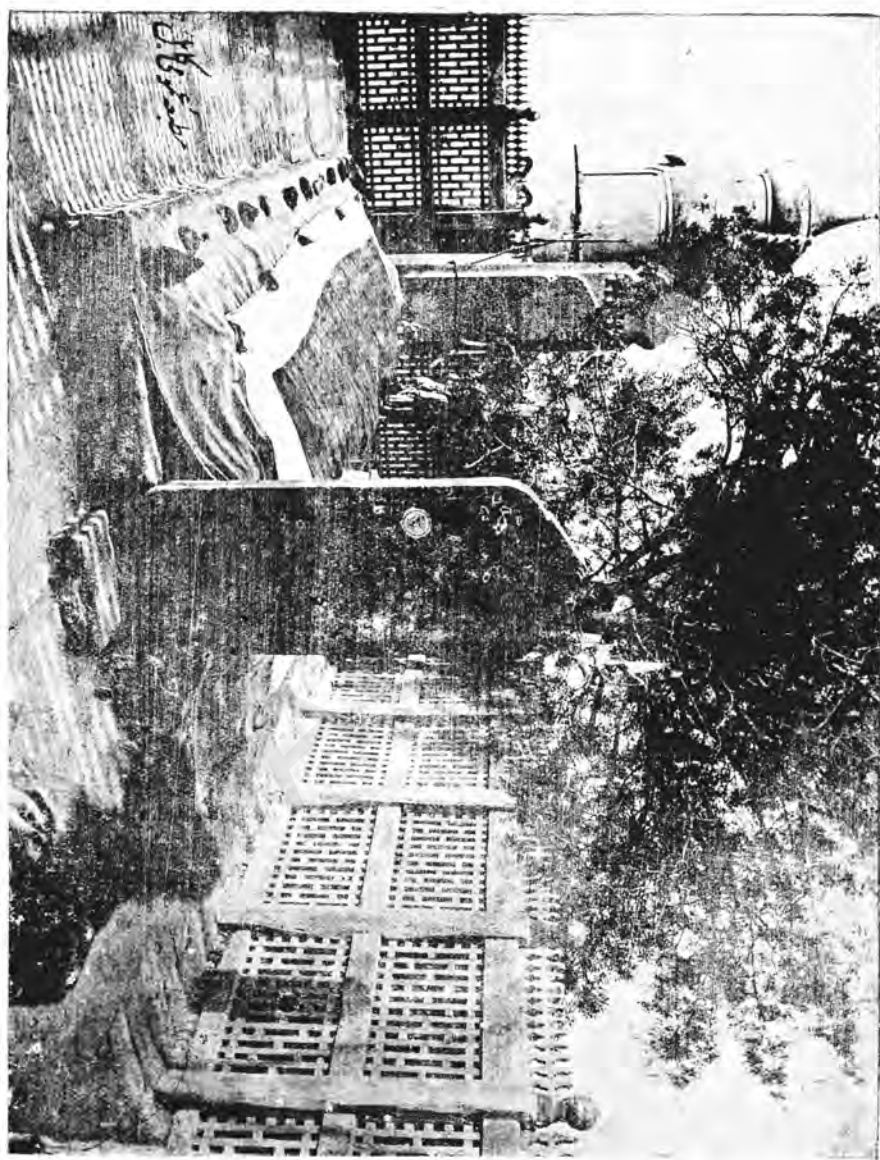
اس مزار کی زیارت کے لئے روانہ ہوا۔ راستہ میں

حاکم صاحب کے نائب بھی مل گئے جو بڑے روشن

خیال نوجوان ہیں۔ انہوں نے بھی مہربانی کر کے

میرے ساتھ چلنا قبول کیا۔ اور ہم سب موٹر میں سوار ہو کر

مزار مبارک حضرت بابا صاحب قندهار میں



قندھار سے باہر گئے۔ راستہ میں جگہ جگہ انگوروں کے خالی ٹوکریں انبار کے انبار نظر آئے۔ اور ان کے اوپر ہاندھنے کی گھاس کے ڈھیر بھی دیکھے۔ قندھار میوہ کی بہت بڑی منڈی ہے۔ روزانہ بیٹیں لاریاں میوہ کی بھر کر چین جاتی ہیں۔ گدھوں اور اونٹوں بھی میوہ جاتا ہے۔

پنڈیل کے بعد وہ پہاڑ نظر آیا۔ جس کو بابا ولی کا ہاتھی کہتے ہیں۔ اس پہاڑ کی بناوٹ اس قسم کی ہے کہ جیسے ہاتھی بیٹھا ہوا ہے۔ خوش اعتقاد لوگوں نے بابا ولی کا ہاتھی مشہور کر دیا۔ بہت اونچی چڑھائی پر چڑھنے کے بعد پہاڑ کی چوٹی پر حضرت بابا ولی رض کا مزار واقع ہے۔ کشمیر میں گلرگ پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھکر اسی میل کی وادی نظر آتی ہے۔ لیکن وہ اتنی سرسبز نہیں جتنی سرسبز قندھار کی وادی اس پہاڑ کی چوٹی سے نظر آتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ایک سو میل تک باغوں کے جھنڈ دکھائی دیتے ہیں۔ جو خوب سرسبز ہیں۔ پہاڑ کے نیچے چار نہریں زور شور سے بہہ رہی تھیں۔ یہ نہریں رعدا دریا سے نکالی گئی ہیں اور ان باغوں کو سیراب کرتی ہیں۔ نہروں کا پانی اس زور سے بہہ رہا تھا کہ ایک قدرتی نغمہ معلوم ہوتا تھا۔ میں نے کہا۔

قرآن مجید میں جنت کے باغوں کا ذکر ہے کہ انکے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ قندھار کی یہ وادی اور سیلوں میں لمبے چوڑے باغ اور یہ خوبصورت خدا کی حمد گانے والی نہریں زمین کی ہر بہشت سے اعلیٰ ہیں۔ حضرت بابا ولی رض کے مزار پر حاضر ہوا۔ سرخ ایک اونچی لوح پتھر کی لگی ہوئی ہے اور اس پر کتبہ بھی ہے۔ گروہ کتبہ باوجود کوشش کے پڑھا نہیں گیا۔ درگاہ کے آس پاس کچھ مکان بھی بنے ہوئے ہیں۔ جہاں جگہ جگہ تازہ خون پڑا ہوا تھا۔ معلوم ہوا زائرین یہاں دُنبے لاکر ذبح کرتے ہیں۔ اور پلاؤ قورمہ پکا کر کھاتے ہیں۔

مکان بنانے کا شوق میں نے حاکم قندھار کے نائب صاحب سے کہا۔ اگر اس جگہ مجھے کوئی زمین ملجائے تو میں ایک مکان بنا لوں اور بقیہ زندگی اسی جگہ گزار دوں۔ یہاں کا موسم بھی میرے مزاج کے موافق ہے اور یہ منظر تو ایسا ہے کہ میں نے جہاں جہاں خوبصورت مناظر اپنی عمر میں دیکھے ہیں کوئی بھی اتنا اچھا منظر نہیں تھا اور قندھار کے ان مناظر کی بربادی نہیں کر سکتا تھا۔

حاکم صاحب کے ہاں دعوت آج رات کو پھر قندھار کے حاکم صاحب نے مجھے اپنے ہاں دعوت کیا

اور دو تین گھنٹے تک خوب باتیں ہوئیں۔ کھانا بھی بہت مکلف تھا اور حاکم صاحب نے عمدہ دہی کا بھی انتظام کیا تھا اور آج دن کو بھی دہی بھجوا یا تھا۔ ایسا تین اور سنجیدہ اور دانش مند اور بے ریا حاکم ہے کہ بے اختیار میرادل اللہ کا شکر کرتا ہے کہ افغانستان کو اس نے ایسے اچھے حاکم دیئے ہیں۔ گفتگو مختلف مسائل پر ہوئی۔ حضرت اکبر الہ آبادی کے اشعار حاکم صاحب کو بہت پسند آئے اور انہوں نے اپنی نوٹ بک میں لکھے۔

وزیر خارجہ کے چھوٹے بھائی | میر دوست

سردار گل محمد خاں صاحب کے چھوٹے صاحبزادہ حضرت مولانا سید بلال صاحب دہلوی کے ہمراہ کابل سے قندہار آ رہے تھے۔ راستہ میں گھوڑے سے گرے اور ان کی ہنسی کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ آج حاکم قندہار کے ہاں ان سے ملاقات ہوئی۔ حاکم صاحب بہت احتیاط سے علاج کرا رہے ہیں۔ میں بھی بیمار پڑی کے لئے گیا تھا۔ اور کچھ دیر ان کے پاس بیٹھا تھا۔ رات کو گیارہ بجے کے بعد قیام گاہ پر واپس آیا۔ آج حاکم صاحب نے کل صبح کے لئے خرقہ شریف اور غازی احمد شاہ کے مزارات کی زیارت کا انتظام کرا دیا ہے۔

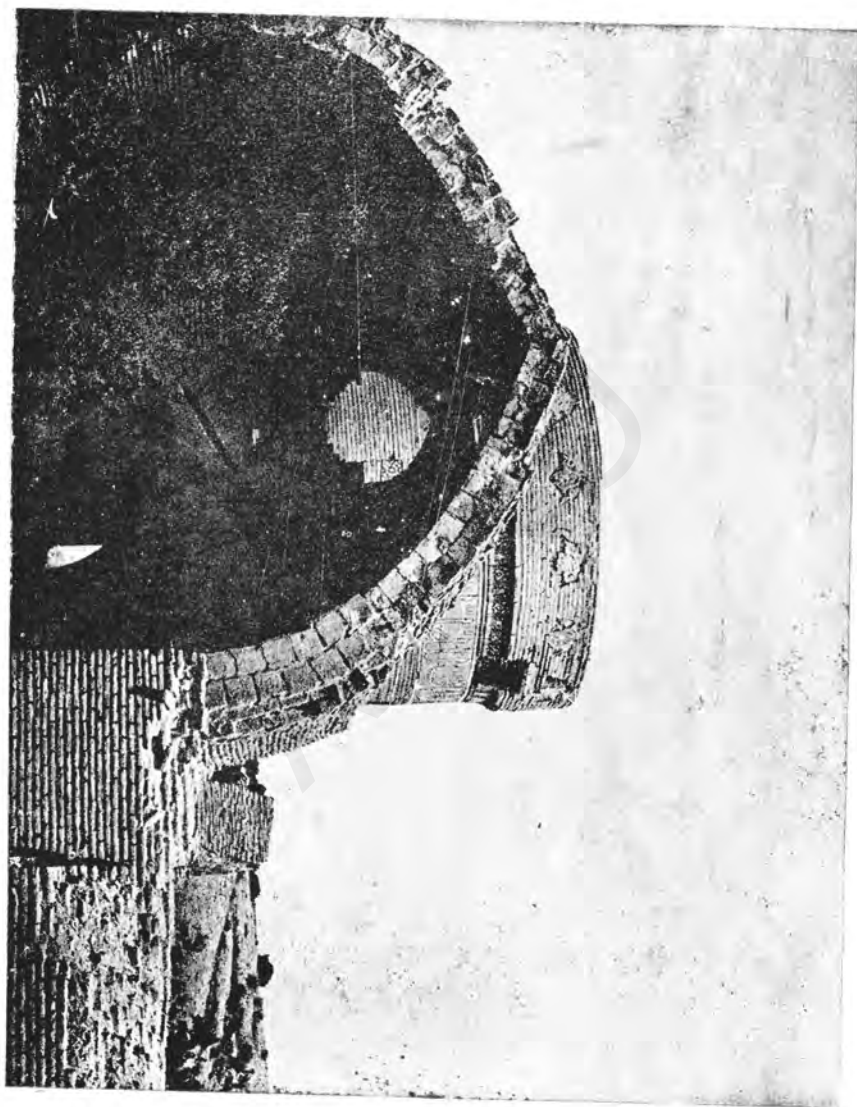
خرقہ شریف کی زیارت روزانہ نہیں ہو سکتی۔ خاص دن مقرر ہے۔ مگر کل صبح حاکم صاحب کی مہربانی سے میں خرقہ شریف کی زیارت کر سکوں گا۔ اور کل ہی صبح قندہار سے رخصت ہو کر چین چلا جاؤنگا۔ آج شام کو برطانوی قونصل صاحب باز دید کے لئے میرے مکان پر آئے تھے۔ مگر میں اس وقت موجود نہیں تھا۔ پاسپورٹوں کی تصدیق انہوں نے کر دی ہے۔ اور قندہار کے حاکم صاحب کے ہاں سے بھی تصدیق ہو گئی ہے۔ اب کوئی تکلیف راستہ میں پاسپورٹوں کی وجہ سے نہیں ہوگی۔ رات کو بارہ بجے سویا۔ ڈاکٹر برکت علی صاحب کی دوا سے بہت آرام ہے۔ نزلہ کم ہو گیا ہے۔ نیند بہت اچھی آئی۔ مگر بواسیر کے خون میں کچھ کمی نہیں ہے۔ پاخانے قندہار میں بھی بہت اچھے نہیں ہیں۔ وہی سنڈاس کا رواج ہے۔

۳۰ ستمبر ۱۹۳۱ء

آخری دن | ہر چیز کی انتہا ہے۔ افغانستان

کے سفر کی بھی انتہا ہو گئی۔ دہلی میں بدوگرام بنایا تھا کہ اگر ہرات اور بلخ اور مزار شریف جانا ہوتا تو ہر اکتوبر کو واپس آؤں گا۔ اور اگر ہرات نہ گیا تو اکتوبر کی پہلی تاریخ کو دہلی پہنچ جاؤنگا۔ کابل کے لئے تین دن رکھے تھے لیکن وہاں آٹھ دن رہا۔ اور غزنی کے

قندھار کی ایک پورانی عمارت



لئے بھی تین دن رکھے تھے لیکن وہاں سے دوسرے دن چلا آیا۔ آج ۳۰ ستمبر کو قندھار سے رخصت ہوتا ہوں۔ راستہ کا حساب کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسری یا چوتھی اکتوبر کو دہلی پہنچ جاؤں گا۔

کابل میں صدر اعظم صاحب سے معلوم ہوا تھا کہ قندھار سے ہرات سات سو میل دور ہے اور راستہ بھی اچھا نہیں ہے۔ کئی دریا راستہ میں آتے ہیں اور موٹر کو کشتی میں سوار کرنا پڑتا ہے۔ سردی کا اندیشہ بھی تھا۔ اس واسطے میں نے ہرات اور چشت اور بلخ اور مزار شریف کا سفر آئندہ سال کے لئے ملتوی کر دیا۔

ہرات کی منزلیں | قندھار کے ایک مسلمان رئیس سے معلوم ہوا جو ہرات اور بلخ کا سفر کر چکا ہے کہ قندھار سے ہرات تک حسب ذیل منزلیں موٹر میں آتی ہیں۔ پہلی منزل گورنشک۔ دوسری خاش (دود۔ تیسری فرلاہ) (فراہ میں حضرت سید محمد صاحب جو پوری کا مزار ہے جنکو پاپن پورا درجہ رآباد کے بہت سے مسلمان مہدی موعود سمجھتے ہیں)۔ چوتھی منزل سبزوآر۔ پانچویں ہرات۔ ان سب منزلوں میں اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا غزنی اور مقرر کے درمیان ہے۔ مگر بعض منزلیں زیادہ بڑی ہیں اور بعض کچھ کم ہیں (مگر میرا خیال ہے کہ منزلیں زیادہ ہوں گی)۔

چشت شریف | ہرات سے مشرق کی طرف تیس چالیس کوس کے فاصلہ پر چشت ہے جہاں سے ہمارا سلسلہ چشتیہ چلا ہے۔

ہرات سے چشت تک گھوڑے اور اونٹ جاتے ہیں۔ ان کی منزلیں حسب ذیل ہیں: پہلی منزل پلوان پیری۔ دوسری متا فلان۔ تیسری ادبھا۔ اس کے بعد دو منزلیں اور ہیں پھر چشت۔

خرقہ شریف کی زیارت | صبح نماز کے بعد راستہ کیا۔ پہل قدمی کی۔ پھر خرقہ شریف کی زیارت کے لئے روانہ ہوا۔ حاکم صاحب کی مہربانی سے زیارت کا انتظام ہو گیا تھا۔ یعنی خلافت وقت خرقہ شریف کا گنبد میرے لئے کھلوایا گیا تھا۔ خرقہ شریف کے گنبد کے آس پاس بہت سی قبریں ہیں ان کے کتبے بھی لکھے اور پھر خرقہ شریف کے گنبد میں گیا۔ اندر نہایت عمدہ سنہری اور رنگ آمیزی کا کام تھا۔ نقش و نگار نہایت ہی خوبصورت تھے۔ گنبد کے غری حصہ میں ایک شہ نشین بنی ہوئی ہے۔ اس کے اندر تبرکات رکھے ہیں۔ جنکو لوگ دور سے دیکھ لیتے ہیں۔ کھول کر دیکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس واسطے میں نے بھی محض اس جگہ کی زیارت کی جہاں وہ تبرکات رکھے ہیں۔ اصل تبرکات کو نہ دیکھ سکا۔ اگر میری طرح ہر ایک کو یہ تبرکات کھول

کھول کر دکھائے جاتے تو افغانستان جیسے جو شیلے ملک میں ان تبرکات کا باقی رہنا نامکن ہو جاتا۔ کیونکہ ایسے جوش و خروش سے ان تبرکات کو چوما جاتا کہ وہ پاش پاش ہو جاتے۔

ملفوظات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک دفعہ سلطان غیاث الدین بلبن ملتان گیا تو راستہ میں حضرت بابا فرید الدین گنجشکر رضی کی خدمت میں بھی حاضر ہونا چاہا۔ حضرت بابا صاحب نے ملاقات سے انکار کر کے فرمایا میں اپنا کرتہ مکان کی دیوار پر ڈال دیتا ہوں اس کو دیکھ لینا کافی ہے۔ بادشاہ نے بہت عاجزی کی کہ محض مجھ کو زیارت کا موقع دیدیا جائے۔ بابا صاحب نے جواب دیا۔ خدا کے نزدیک بادشاہ و گدابر برابر ہیں۔ تم کو اجازت دوں اور تمہاری فوج کے سپاہیوں کو سامنے نہ آنے دوں۔ یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ اگر تم کو اجازت دوں گا تو تمہارے ایک لاکھ سپاہی بھی ملنے آئیں گے۔ اور مجھے ان کے ملنے سے بہت تکلیف ہوگی اور میرا وقت بہت ضائع ہوگا۔ مجبوراً بادشاہ نے فرقہ شریف کی زیارت کو منظور کر لیا۔ اور حضرت بابا صاحب نے اپنا پیراہن مبارک دیوار پر ڈال دیا۔ بادشاہ نے اس کو چوما اور آنکھوں سے لگایا۔ اس کے بعد فوج نے اس کو چومنا شروع کیا۔ جب ایک لاکھ آدمی کرتہ کو

چوم چکے تو دیکھا کہ اس کے صرف چند تار باقی رہ گئے تھے باقی سارا کرتہ بوسوں میں غائب ہو گیا تھا۔ یہی حال قندہار کے تبرکات کا ہوتا۔ اس واسطے افغانستان کی حکومت کا یہ انتظام مجھ کو بہت پسند آیا۔

قندہار سے روانگی | فرقہ شریف اور مقبرہ غازی احمد شاہ کی دوبارہ زیارت کر کے موٹر پر آیا۔ اسباب تیار تھا۔ سب دوستوں اور مہاندروں سے رخصت ہوا۔ اور نو بجے صبح موٹر قندھار سے روانہ ہوئی۔ چند میل تک سڑک اچھی رہی۔ اسکے بعد ایسی خراب سڑک ملی کہ کابل اور پشاور کی سڑک کی خرابیوں کو بھول گیا۔ اگرچہ اس سڑک پر رات دن لاریاں چلتی ہیں اور گدھے اور اونٹ بھی جاتے آتے ہیں۔ لیکن موٹر کے لئے یہ سڑک بہت نیا خطرناک ہے۔ کہیں پہاڑی پتھر ہیں اور کہیں ایک ایک فٹ اور دو دو فٹ کے گڑھے ہیں اور کہیں ریتہ ہے جو لاریوں کی کثرت سے سرمہ ہو گیا ہے۔ موٹر اس ریتہ پر آتی ہے تو پیٹے آدھے آدھے ریتہ میں دھس جاتے ہیں۔ ریتہ اڑتا ہے تو موٹر کے اندر آتا ہے۔ تمام کپڑے اور سر اور ڈاڑھی کے بال گرد میں چھپ گئے ہیں۔ سامنے سے آنے والی موٹر میں گرد و غبار کی وجہ سے نظر نہیں آتیں۔ پہاڑی موٹر

بھی بہت ہیں۔ قندہار سے چن تک فاصلہ زیادہ نہیں ہے لیکن راستہ کی خرابی سے سیکڑوں میل کا فصل معلوم ہوتا ہے۔

تحت پیل راستہ میں تختہ پیل کی منزل پر چند افسر ملے آئے اور انہوں نے چار اور کھانے وغیرہ کی خاطر کی۔ ان کے پاس حاکم صاحب قندہار نے ٹیلیفون بھیج دیا تھا۔ مگر مجھے کہا نے اور چار کی ضرورت نہ تھی۔ شکریہ ادا کر کے روانہ ہو گیا۔

پورے پانچ گھنٹے میں موٹر بڑی دقت اور شور کی کے ساتھ قلعہ جدید کے سامنے پہنچی۔

ریگ سرخ قلعہ جدید سے پہلے ایک سرخ پہاڑ نظر آیا۔ جو سیکڑوں میل تک چلا گیا تھا۔ معلوم ہوا یہ پتھر نہیں ہے بلکہ لال ریت کا پہاڑ ہے جو سیستان تک چلا گیا ہے۔ دور سے اس ریت کی سرخی بہت ہی اچھی معلوم ہوتی تھی۔ پہاڑوں کے دامنوں میں تفتہ کے پھول کو سوں تک کھلے ہوئے نظر آتے ہیں اور بہت اچھا منظر ان پھولوں کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے۔

قلعہ جدید ریگ سرخ سے آگے ایک اور اونچا پہاڑ نظر آیا۔ جس کی چوٹیاں آسمان سے باتیں کر رہی تھیں۔ ایسا عجیب پہاڑ میں نے آج تک کوئی نہیں دیکھا تھا۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ کسی عظیم الشان قلعہ کی تفصیل

ہے۔ جو سیکڑوں میل تک چلی گئی ہے۔ دور سے یہ پہاڑ بالکل یکساں معلوم ہوتا ہے۔ یعنی دیوار کی طرح سیدھا نظر آتا ہے۔ یہ بلوچستان کے پہاڑوں کی شروعات ہے۔ پہلے افغانوں کا قبضہ کراچی تک تھا تو یہ پہاڑ بھی افغانوں کے قبضہ میں تھے۔ لیکن بہت عرصہ ہوا انگریزی گورنمنٹ نے ان پہاڑوں سے دس بارہ میل آگے بڑھ کر چین تک اپنا قبضہ کر لیا ہے اور چین پر ایک چھاؤنی بنائی ہے۔ چین کی چھاؤنی قلعہ جدید کے سامنے ہے۔ اگر قلعہ جدید سے افغان گولہ باری کریں تو چین کی چھاؤنی میں گولے پہنچ سکتے ہیں۔ امان اللہ خاں سے جب انگریزوں کی لڑائی ہوئی تھی تو چین کی فوج نے بے اطلاع قلعہ جدید کی افغان فوج پر حملہ کر دیا تھا۔ قلعہ جدید میں اس وقت صرف دو سو سپاہی تھے۔ امان اللہ خاں کے انتظام کی یہ حالت تھی کہ اتنی بڑی قوت سے لڑائی چھیڑی اور سرحدی قلعہ کی فوج کا انتظام نہ کیا۔ نہ اس قلعہ کو لڑائی کی اطلاع بھیجی۔ مگر وہ دوسو افغان بھی ایسے بہادر تھے کہ دو دن تک دس ہزار فوج کا مقابلہ کرتے رہے اور جب تک زندہ رہے قلعہ انگریزوں کے ہاتھ نہ آیا۔ آخر سب فنا ہو گئے تو چند زخمیوں نے جو زندہ بچ گئے تھے اطاعت کرنی۔ اور قلعہ انگریزوں کے

قبضہ میں چلا گیا تھا۔ اس کے بعد جب صلح ہو گئی۔ تو انگریزوں نے یہ قلعہ افغانوں کو دیدیا اور پھر اپنی چھاؤنی میں چلے گئے۔

معلوم ہوا جن تک انگریزی قبضہ امیر عبدالرحمن خاں کے زمانہ میں یا اس سے بھی پہلے ہو گیا تھا۔ اور امان اللہ خاں کے دور میں محمود طرزی وغیرہ کا ایک ڈیپوٹیشن مسوری پہاڑ پر جن مسائل کی گفتگو کرنے آیا تھا ان میں چین کی گفتگو بھی تھی۔ افغان چاہتے تھے کہ چین ان کو مل جائے اور انگریز پہاڑ کے اندر چلے جائیں۔ مگر برٹش گورنمنٹ نے اسکو منظور نہیں کیا۔ لارڈ کرزن بھی چین کی چھاؤنی دیکھنے گئے تھے چین کی چھاؤنی کی پوزیشن بڑی مستحکم ہے۔ اور اس کی وجہ سے ہندستان بیرونی حملہ کا جواب بڑی کامیابی کے ساتھ دے سکتا ہے۔ غازی محمد بن قاسم عہد الملک بن مروان کا مشہور سپہ سالار اسی راستہ سے سندھ میں گیا تھا۔

درہ بولان انہیں پہاڑوں میں آتا ہے۔ دور سے یہ پہاڑ ایک دیوار معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن پہاڑوں کے اندر داخل ہونے کے بعد ان کا سلسلہ تمام بلوچستان میں پھیلا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

جب میری موٹر قلعہ جدید کے پاس پہنچی تو مابجہ کا وقت تھا۔ یعنی قندہار سے قلعہ جدید تک پانچ گھنٹے

میں موٹر نے راستہ طے کیا۔ قلعہ جدید سے آگے بڑھ کر جنگلی خانہ اور افغان سرددار کے مکانات ہیں جنگلی کے پاس افغان سپاہی انتظار میں کھڑے تھے۔ انہوں نے کہا۔ قندہار سے ٹیلی فون آیا ہے اور سرددار صاحب آپ کی ملاقات کے منتظر ہیں۔ میں موٹر کو سرددار صاحب کے مکان تک لے گیا۔ بہت اخلاق سے ملے۔ سردار عبدالقدوس خاں صاحب مرحوم سابق صدر اعظم افغانستان کے صاحبزادہ ہیں۔ ان کے ایک بھائی سردار حیدر خاں صاحب معین دربار کابل میں ہیں۔ جن کے مکان پر کابل میں اعلیٰ حضرت نے مجھے ٹھہرایا تھا۔ سردار صاحب کا نام سردار خدا داد خان صاحب ہے۔ انہوں نے ناشتہ اور چائے کا انتظام کیا۔ اور بے باتیں کیں۔ بہت خلیق اور لطیف اور پکے مسلمان ہیں۔

چین میں | سردار خدا داد خان صاحب سے رخصت ہو کر روانہ ہوا تو افغانستان کی حد ختم ہوتے ہی ٹرک عمدہ آگئی۔ بہت افسوس ہوا کہ ٹرک کی عمر گئی اور خرابی انگریزوں کے موافق اور افغانوں کے خلاف ایک بڑا پروپیگنڈا کر رہی ہے۔ ہر مسافر کے دل میں انگریزوں کے انتظام کی وقعت پیدا ہوتی ہے کہ انہوں نے ٹرکوں کا کیسا عمدہ انتظام کیا ہے۔

چین میں داخل ہوتے ہی انگریزی پولیس نے موٹر

مسافروں کے آرام کے لئے یہ بہت نیک کام کیا ہے۔ کہ ایسا اچھا مکان وقف کر دیا۔ یہ سب لوگ پنجاب کے رہنے والے ہیں اور چین میں گوشت فروشی کرتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد محمد رمضان صاحب کے ساتھ چین کے بازار دیکھنے گیا۔

غلام رسول صاحب پرشین ٹیچر مڈل اسکول اور شہزادہ سلطان محمود صاحب کسٹم انچارج اور شیخ خیدر صاحب ہیڈ کلرک اور ڈاکٹر محمد حسین صاحب اور فضل کریم صاحب اور بابو سلطان احمد صاحب ٹھیکیدار وغیرہ اچھا بھی آگئے اور انھوں نے نہایت اخلاق کے ساتھ چین کے سب مقامات دکھائے اور میرے ساتھ رہے۔ عصر کی نماز مسجد میں پڑھی اور اس کے بعد چین کے بقیہ حصہ کو دیکھنے کو گیا۔ یہاں معلوم ہوا کہ چین اور گلستان اور قلعہ عبداللہ اور پرشین میں اور کوئٹہ کی قندھاری مسجد میں غازی نادر شاہ کا خطبہ پڑھا جاتا ہے۔

مغرب کے بعد محمد رمضان صاحب کے اصرار سے ان کے مکان پر گیا۔ تھوڑی دیر میں میاں خوشی محمد اللہ داتا صاحب بھی آگئے۔ اور معلوم ہوا کہ انہوں نے اپنے مسافر خانہ میں میرے لئے خاص طور سے میز کرسی اور پلنگ کا انتظام کیا ہے اور گلدستے وغیرہ بھی لگائے ہیں۔ انہوں نے بہت اصرار کیا کہ رات میرے مکان پر گزاریں۔ میں نے معذرت

روکی اور پاسپورٹ دیکھے۔ میں نے قیام کے لئے دریافت کیا۔ پولیس افسر نے بہت اخلاق سے ایک آدمی کو ساتھ کر دیا کہ میاں خوشی محمد اللہ داتا صاحب کے مکان پر لے جاؤ جنہوں نے مسافروں کے لئے ایک بہت اچھا مکان بنا کر وقف کر دیا ہے۔ اس مکان پر آیا۔ واقعی بہت اچھا تھا اور مسافروں کے آرام کا سامان بھی تھا۔ میں نے اسباب اُتر دیا اور مصلے چھانکے بیٹھ گیا۔ سفر کی تھکان اور فون آنے کی وجہ سے چڑا رہے تھے۔ ایک پڑوسی افغان نے چشمہ کا پانی لا کر دیا۔ جس سے میں نے وضو کیا۔ اس کے بعد ستری حبیب خاں نظامی کو بازار بھیجا کہ کھانے کا انتظام کسی ہوٹل میں کریں اور ممکن ہو تو پالک کا ساگ پکوائیں۔ ستری نے بازار میں جا کر انتظام کیا۔ تھوڑی دیر میں محمد رمضان صاحب قصاب لئے آئے جو میاں خوشی محمد اللہ داتا صاحب کے قریب دار ہیں۔ اور انھوں نے اصرار کیا کہ میرے مکان پر قیام کیجئے اور کھانا بھی میرے ہاں کھائیے۔ ان کے بھائی فضل کریم صاحب سید جماعت علی شاہ صاحب کے مرید ہیں اور بہت فقیر دوست آدمی ہیں۔ میں نے کھانے کی دعوت قبول کر لی اور بازار میں کھانے کو منع کر دیا۔ تھوڑی دیر میں مسافر خانہ کے بانی میاں خوشی محمد اللہ داتا صاحب بھی آگئے۔ میں نے ان کے کام کی تعریف کی کہ انہوں نے

کی کہ آپ کے مکان کا حق بھی پورا ہو گیا۔ اور وہاں کچھ دیر ٹھہرا۔ اب خوشی سے اجازت دیجے کہ محمد رمضان صاحب کے مکان پر رات گزاروں۔ آخروہ سب لوگ راضی ہو گئے رات کو چمن کے بہت سے مسلمان ملنے آتے رہے۔ مکان اگرچہ مختصر تھا لیکن ضرورت کی سب چیزیں موجود تھیں۔ اور میں اس گھر میں بہت آرام سے رہا۔ غلام رسول صاحب پشمن ٹیچر پڈل اسکول بہت لائق آدمی ہیں۔ انہوں نے ایک کتاب بھی دی جس کا نام انقلاب افغانستان ہے اور جو محمد حسین صاحب ہالند ہری نے لکھی ہے۔

چمن میں خنکی ہے۔ قندھار کی سی گرمی نہیں ہے رات کو میں کمرہ کے اندر سویا اور کپڑا اوڑھنے کی ضرورت پڑی۔

ریل | چمن میں آکر معلوم ہوا کہ یہاں سے صرف ایک ہی دقت ریل جاتی ہے۔ صبح آٹھ بجے روانہ ہوتی ہے۔ اس واسطے مجھے رات کو کھڑنا پڑا۔

آج پولیس چوکی کے قریب جن مسلمان نے مجھے ساؤنڈنگ تک پہنچایا تھا ان کا نام نور گل تھا اور وہ بڑے ساؤنڈنگ مسلمان معلوم ہوتے تھے۔ یہاں کے مسلمانوں کو افغانستان سے بہت ہمدردی ہے مگر ان میں سے بعض امان اللہ خاں کے بھی تدارع ہیں۔

رات کو آرام سے سویا۔ البتہ ایک بے آرامی ہے

کہ مسلمانوں کے آزاد ملک سے چلا آیا۔ جہاں بظاہر جسم کے لئے بہت سی خرابیاں تھیں لیکن روح کے لئے راحت ہی راحت تھی۔

آنکھ بند کرتا ہوں تو کابل اور غزنی اور قلات اور قندھار نظر آتے ہیں اور وہاں کے باشندوں کی محبتیں اور مہمان نوازیاں یاد آتی ہیں۔

آج چمن میں یہ خبر معلوم ہوئی کہ شام کو پانچ بجے کوٹہ میں پھر زلزلہ آیا۔ چونکہ دو ہفتہ سے اخبار نہیں کیا اس واسطے ہندوستان کی اور دنیا کی کچھ خبر نہیں ہے۔ آج چمن میں آکر کشمیر کے حالات سنے کہ وہاں پھر گولی چلی اور پھر مسلمانوں پر ستم کئے گئے۔ میں نے بہت تعجب اور دلچسپی سے بعض مسلمانوں کی یہ باتیں بھی سنی کہ میں افغانستان کشمیری مسلمانوں کے لئے گیا تھا۔ یعنی کشمیر کی امداد کے لئے افغان حکومت یا رعایا کو تیار کرنا میرا سفر کا مقصد تھا۔

دنیا کی قیاس آرائیاں بھی ایسی دلچسپ ہیں کہ فارسی کا شہور مقولہ ”تا نباشد خبر کے مردم گویند خبر“ بھی حیران ہو جاتا ہوگا۔ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ افغانستان کو پہلے اپنی حالت سنبھالنی ہے اس کو اتنی فرصت کہاں ہے کہ وہ اپنے ملک کے باہر توجہ کرے۔ اس میں شک نہیں کہ افغانستان کے مسلمان کشمیری مسلمانوں کا

نام رکھنے نہیں آتے۔

صبح نماز کے بعد محمد رفیع صاحب نے عید منائی۔
اور افطار کا کھانا سامنے رکھا۔ عمدہ سردے بھی ساتھ
کئے۔ دوسرے اجاب بھی ملنے آگئے۔ ان سب کے
ہمراہ ریل پر گیا۔

پولیس کی یورش | پشاور و چین میں مجھے پولیس نے
زیادہ تکلیف نہیں دی۔ محض معمولی دیکھ بھال پاسپورٹ

وغیرہ کی ہوئی۔ ورنہ سنا ہے کہ یہاں مسافروں کو
پولیس کی یورش سے بڑی دشواریاں پیش آتی ہیں۔
اب تو مجھے بھی اپنی نسبت شبہ ہونے لگا ہے کہ شاید میں
پولیس کا کوئی عہدہ دار ہوں۔ جو پولیس والے مجھ کو نہیں
ستاتے۔ دہلی میں پہرہ والے سپاہی میری موٹر کو دیکھتے
ہی سسرکاری شان کا سلام کرتے ہیں اور میرے اجاب
کو شک ہوتا ہے کہ یہ ضرور پولیس سے کوئی خفیہ تعلق
رکھتے ہیں۔

مگر جب پشاور کے خان بہادر عبدالغفر صاحب کا
برتاؤ یاد آتا ہے کہ میرے رفیق کو طور خام سے واپس کر دیا
تھا تو یہ شبہ غلط ہو جاتا ہے اور میں اپنے دل سے
کہتا ہوں کہ پولیس والے محض اس لئے رعایت کرتے ہیں
کہ میرا تعلق اخبارات سے ہے۔ خان بہادر عبدالغفر
پشاور کے صاحب اخباروں سے نہیں ڈرتے اس لئے

مطلوبیت سے واقف ہیں اور ان کو اسلامی اخوت
کی وجہ سے ان کے ساتھ ہمدردی بھی ہے۔ لیکن وہ
کشمیری مسلمانوں کی کیونکر مدد کر سکتے ہیں کہ یہ معاملہ
ان کے حدود اختیار سے بالکل باہر ہے۔
کشمیر کے لئے تو ہندوستانی مسلمان ہی کام کر سکتے
ہیں اور یا فوڈ کشمیر کے مسلمان اپنے لئے کام کریں گے۔

یکم اکتوبر ۱۹۳۳ء

نام کے چین سے رخصت | انسان بھی عجیب
مخلوق ہے۔ سرسبزی کو خشکی اور خشکی کو سرسبزی کہتا
ہے۔ عرقی نے کہہ دیا کہ اگر کشمیر کی گھٹنا ہو پرندہ بھی زندہ
ہو کر اڑ جاتا ہے۔ مگر یہ واقعہ کے ایسا ہی خلاف ہے
جیسے بلوچستان کا چین ہے کہ یہاں باغ کا نام دشت
بھی نہیں ہے۔ لیکن آبادی کا نام چین ہے۔ گلستان
ہے۔ بوستاں ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہاں کے رہنے
والے یادہ لوگ جنہوں نے ان آبادیوں کے یہ نام
رکھے بڑے ہی شاعر مزاج تھے کہ سوکھے پہاڑوں کو
گزار کہتے تھے۔

چین آب و ہوا کے لحاظ سے اچھی جگہ ہے۔ مگر
باغ کی سی سرسبزی یہاں نہیں ہے۔ بہار اور بنگال
اور برما میں ہر مقام قدرتی چین اور گلستاں بوستاں
معلوم ہوتا ہے۔ لیکن وہاں کے رہنے والوں کو اچھے

انہوں نے مجھ کو اپنے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ہونے کی شان دکھا دی اور میں چند حرف لکھنے کے سوا ان کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکا۔

دوسرے درجے نام | پشاور سے افغانستان میں

داخل ہوتے وقت طورخام نام آیا تھا۔ اور افغانستان سے ہندوستان داخل ہونے کے وقت چمن نام آیا تھا۔ یہ دلچسپ نام ہیں۔ طور تو کتنا ہی پختہ ہو خام ہی کہلائے گا کیونکہ ٹھہر تیلی کو برداشت نہ کر سکا اور پاش پاش ہو گیا۔ جس نے سرحدی مقام کا نام طورخام رکھا ہو گا اس نے حضرت موسیٰؑ کے طور کی خامی کا تصور کر کے ایسے نام کی تجویز کی ہوگی۔ اور چمن نام رکھنے والے کو یہ خیال ہو گا کہ شاید نام کے اثر سے کوئی خدا کا بندہ اس مقام کو باغ لگا کر چمن بنا دے۔

چمن کی ریل | ساڑھے سات بجے اسٹیشن پر آگیا۔

اجاب نے پاسپورٹ پولیس تک پہنچا یا اور پولیس نے تصدیق کر دی اور پاسپورٹ واپس لا کر دیدیا۔ ایک افسر ملتے بھی آئے۔ یہ لوگ بلوچستان کی آخری حد تک میری نگرانی رکھیں گے۔ بچارے مجبور ہیں۔ دور اندیش گورنمنٹ وہی ہے جو اپنی حسرت سے ہوشیار رہے جہاں طرح طرح کے خطرے پیدا ہو سکتے ہیں۔ کاش! یہ لوگ جانتے کہ میرے اندر جو چیز خطرناک

ہے وہ کسی افسر پولیس کی نظر نہیں آسکتی۔ اور ہر انسان کے اندر نفس و شیطان کی قوتیں ہوتی ہیں جن کی نگرانی ناممکن ہوتی ہے۔ پولیس محض ظاہری اعمال و حرکات کی نگرانی کر سکتی ہے اور میں ہر ظاہری شرارت و فتنہ پردازی سے پاک ہوں اس لئے خوب ہی بے باک ہوں۔ شیخ سعدیؒ نے گویا میرے لئے ہی کہا ہے۔
تپاک باش برادر مدارا ز کس باک

آٹھ بجے چمن سے ریل روانہ ہوئی اور مجھے ایسا معلوم ہوا کہ سفر افغانستان کا جو خواب دیکھ رہا تھا اسے آنکھ کھل گئی۔

یہ ریل خوب بڑی ہے۔ کیونکہ فوج کے لئے بنی ہے۔ چمن سے چڑھائی شروع ہو جاتی ہے۔ پورے ایک گھنٹہ میں چمن سے دوسرے اسٹیشن تک پہنچی کیونکہ برابر پہاڑ کی چڑھائی تھی۔ ریل بھی انسان کی طرح پہاڑ کی چڑھائی سے مانپ جاتی ہے اور بہت مشکل سے اوپر جاتی ہے۔

منٹل | کالا سے شملہ تک ایک سو کے قریب پہاڑی سڑکیں

ہیں جن کو منٹل کہتے ہیں مگر ان میں بڑوگ کے قریب جو سڑنگ ہے وہ بڑی ہے باقی چھوٹی ہیں۔ بڑوگ کی سڑنگ تین منٹ سے پانچ منٹ تک میں ختم ہوتی ہے۔ گویا دو تین فرلانگ لمبی ہے۔ مگر چمن سے کوئٹہ تک بہت بڑی بڑی سڑکیں آتی ہیں جن میں ایک تین میل لمبی ہے۔

بلوچستان کے پہاڑ

بہت اونچے اور بہت خشک، اور بہت خوفناک ہیں۔ شملہ، منصورہ، ڈلہوزی وغیرہ پہاڑ سبز اور خوبصورت ہیں۔ اور یہاں کے پہاڑ تانبہ کی رنگت اور بہت ہی ڈراؤنے ہیں۔ ان میں کوئی کشش اور خوشنمائی نہیں ہے۔ البتہ اگر میں فاتح ہوتا تو ان پہاڑوں کو عظیم حکومت کی لوح سمجھ کر میں بھی چین اور گلستاں بوستاں سمجھنے لگتا۔

بیٹھے بیٹھے سو گیا

راستہ کی تکان۔ رات کی بیداری، مرض کے اثرات نے دل جل کر میرے جسم پر اثر کیا۔ گاڑی میں اکیلا تھا۔ بیٹھے بیٹھے جیالی پلاؤ پکار رہا تھا۔ سو گیا۔ اور راستہ کے مقامات کو نہ دیکھ سکا۔ البتہ گاؤں میں آوازیں آئیں کہ گلستاں وغیرہ ناموں کے اسٹیشن بھی آئے۔

بوستان جنگشن

بوستان جنگشن پر گاڑی ٹھہری تو سوتے سوتے آنکھ کھلی۔ کیا دیکھتا ہوں سید امجد علی نظامی کہانائے ہوئے گاڑی میں داخل ہوئے۔ میں سمجھا کوٹہ آگیا۔ کیونکہ امجد علی کوٹہ میں رہتے ہیں۔ اور میں نے چین سے ان کے نام کوٹہ کے پتہ پر تار دیا تھا۔ اس لئے بوستان جنگشن بران کو دیکھ کر حیرت ہوئی۔ مگر معلوم ہوا کہ فوج قواعد کرنے یہاں آئی ہے۔ اور یہ فوج کے ساتھ کئی دن سے کوٹہ سے باہر ہیں۔

میرا تار شیخ حشمت اللہ صاحب ٹھیکیدار کوٹہ سے ان پاس یہاں لائے تھے۔ صفدر خاں نظامی۔ عبدالغنی صاحب ٹھیکیدار ہوٹل، محمد اسماعیل صاحب محمد اسحق صاحب۔ مہر دین صاحب وغیرہ بھائی بھی آئے تھے۔ کھانے کا سامان بہت زیادہ تھا۔ پھولوں کا بار بھی تھا۔ مجھے ان سب سے مل کر بہت ہی خوشی ہوئی۔

سید امجد علی نظامی

سلسلہ نظامیہ کے پرانے متوسل ہیں۔ ان کے اعتقاد اور عمل میں ہمیشہ یکسانیت رہتی ہے۔ درگاہ شریف کے لشکر اور تبلیغی کام اور اسکول کی امداد کے لئے کبھی ان کو کہنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ خود ہی ہر مہینہ پابندی کے ساتھ بھیج دیتے ہیں۔ اسیر نہیں ہیں لیکن امیروں سے زیادہ خدانے بڑا دل ان کو دیا ہے۔ خلوص و محبت میں سرشار ہیں۔ عرصہ کے بعد ملے تھے صورت دیکھتے ہی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ یہ آنسو خوشی کے آنسو تھے۔ اور ان کے اندر صداقت و حقیقت کا وجدانی کیفیت چمک رہا تھا۔

جتنا تعلق ان کو میرے ساتھ ہے اتنا ہی تعلق میرے دل کو ان کے ساتھ ہے۔ افغانستان جانے سے پہلے جب میں نے سفر کا پروگرام بنایا تو واپسی میں کوٹہ کی طرف سے آنا اور امجد علی سے ملنا نوٹ بک میں لکھا تھا۔ گریہ کوٹہ سے پہلے بوستان میں مل گئے۔ فوجی ملازم ہیں اور

فوجیوں کو جیسی پابندی ہوتی ہے۔ سب جانتے ہیں۔ مگر ان کا رکھ رکھاؤ ایسا عمدہ ہے کہ انگریز افسر نے درخواست سننے ہی کو ٹھٹھکانے کی اجازت دے دی اور کہا کہ تمہارا کام میں سنبھال لوں گا۔ تم جاؤ اپنے پیر کی خدمت کرو۔

شیخ حشمت اللہ صاحب بھی بڑی خوبیوں کے آدمی ہیں۔ ان کو بڑی حسرت اس کی تھی کہ کوٹہ میں سیرا استقبال بہت دھوم دھام سے ہو۔ اس واسطے ان کو میرا ناگہاں آجانا بہت تکلیف دے رہا تھا کہ استقبال کا انتظام نہ کر سکے۔ میں نے منہس کر کہا۔ کاش تم کو معلوم ہوتا کہ میں استقبال کی دھوم دھام کو بہت ہی ناپسند کرتا ہوں اور اسی واسطے میں نے اب تک دہلی میں اپنے آنے کی اطلاع نہیں دی تاکہ دہلی کے اجاب استقبال کے تکلف میں اپنا وقت اور روپیہ خرچ نہ کریں۔

ایک بچے گاڑی کو ٹھٹھکانے لگی۔ راستہ میں سید امجد علی اور شیخ حشمت اللہ صاحب سے خوب باتیں ہوئیں۔

اسباب اسٹیشن پر چھوڑ دیا اور ہم سب موٹر میں سید امجد علی نظامی کے مکان پر گئے۔ جمعہ خاں نظامی وغیرہ بایوں نے سید امجد علی نظامی کے مکان پر ٹھہرنے اور کھانے کا انتظام کر رکھا تھا۔ اگرچہ مجھے بھوک نہ تھی لیکن میں نے سید امجد علی اور ان کی خوش اعتقاد اہلیہ کے خیال سے کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد سید امجد علی نظامی کی اہلیہ نے بیعت کی۔ ان لوگوں کی

اصرار تھا کہ میں رات کو ٹھہروں مگر میں پروگرام نہ چکا تھا اور بھاول پور کے چیف منسٹر صاحب کو تار دے چکا تھا۔ اس واسطے کھانا کھاتے ہی روانہ ہو گیا۔ راستہ میں شیخ حشمت اللہ صاحب اور سید امجد علی نے کوٹہ کے مشہور بازار اور بنگلے دکھائے۔ کوٹہ بہت بڑی چھاؤنی ہے۔

یہاں کی آب و ہوا بہت عمدہ ہے۔ سرسبز بھی خوب ہے۔ میوے بھی پیدا ہوتے ہیں۔ دکانیں بھی شاندار معلوم ہوتی ہیں۔ اسٹیشن پر آیا۔ مندا خاں نامی ایک شخص نے جوائنٹ پروجیکٹار سے اور جمعہ خاں نظامی کا بھائی ہے بیعت کی۔

اور میں چار بجے کی ٹرین میں کوٹہ سے روانہ ہو گیا۔ طبیعت خدا کے فضل سے اچھی ہے۔ موسم یہاں بھی ٹھنڈا ہے۔

زلزلہ کی وجہ سے کوٹہ کی آبادی جی بھی نہیں رہی۔ جن سے کوٹہ تک پہاڑ ہی پہاڑ تھے۔ اور اب کوٹہ سے ٹرین

روانہ ہوئی تو اور بھی زیادہ پہاڑ ملے۔ یہ وہی پہاڑ ہیں جو افغانستان کی سرحد کے قریب چین کے سامنے ایک

دیوار معلوم ہوتے تھے۔ ریل کے دونوں طرف نہایت اونچے اونچے بہاری بہاری دکھائی دیتے ہیں تو ایسا معلوم

ہوتا ہے کہ ریل کے دونوں طرف دیوار و صغیر بنائے ہوئے کھڑے ہیں۔

رات کو بھی گاڑی میں اکیلا رہا۔ سیکنڈ کلاس میں آج کل بہت کم آدمی سفر کرتے ہیں۔ لیکن ذرا

ہوشیار اور بیدار رہنے کی کوشش کی کیونکہ بلوچستان کے بہت سے افسانے سن چکا تھا۔

۲ اکتوبر ۱۹۳۱ء

ملتان کا راستہ

روڑ ہی جنگشن | صبح روڑ ہی جنگشن پر گاڑی بندی۔ اور دو گھنٹے دوسری گاڑی کے انتظار میں ٹھہرنا پڑا چیل قدمی بھی کی اور تھوڑا سا ناشتہ بھی کیا۔ نو بجے دوسری گاڑی میں سوار ہوا۔ جب یہ گاڑی بھاول پور کے ڈیرہ نواب اسٹیشن پہنچی تو معلوم ہوا کہ نواب صاحب اور وزیر عظم آج کل بھاول پور ٹھہرے ہیں اور سالگرہ کا جلسہ ہو رہا ہے یہ سننے کے بعد میں نے بھاول پور ٹھہرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ کیونکہ سالگرہ کے موقع پر بہت سے شاعر اور اخبار نویس جمع ہوتے ہیں اور ریاستوں میں ایسے موقع پر اخبار نویسوں اور شاعروں کو بہت حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ چنانچہ بھاول پور کا اسٹیشن آیا تو میں وہاں نہیں اُڑا۔ اور سمسٹہ جنگشن سے ملتان جانے کا ارادہ کر لیا۔ اور سوا گیارہ روپے زائد دیکر ٹکٹ بٹلایا۔ میرٹھ چین سے سمسٹہ ہو کر براہ راست دہلی کا تھا۔ لیکن سمسٹہ پر دو بجے رات کو گاڑی ملتی جو دوسرے دن رات کو دو بجے دہلی پہنچتی۔ اس واسطے میں نے سمسٹہ میں وقت ضائع کرنا فضول سمجھا اور خیال آیا کہ

ملتان گئے ہوئے پینتالیس برس ہو گئے۔ دس سال کی عمر میں اپنے والد کے ساتھ ملتان گیا تھا۔ اب بہت اچھا موقع ہے کہ آج کی رات ملتان میں رہوں اور کل صبح وہاں کی زیارتوں سے فارغ ہو کر لاہور جاؤں۔ اور لاہور سے ڈاک گاڑی میں دہلی چلا جاؤں۔

مخدوم شیر شاہ صاحب | بھاول پور سے مخدوم شیر شاہ صاحب میرے درجہ میں سوار ہوئے۔ یہ مخدوم راجن شاہ صاحب میر اسمبلی کے بھائی ہیں۔ بہت لائق اور ذی علم مسلمان ہیں۔ ان سے خوب باتیں ہوئیں۔ رات کے نو بجے ملتان پہنچا اور تاگہ میں سوار ہو کر مخدوم راجن شاہ صاحب کے مکان پر گیا۔ چونکہ بے اطلاع آیا تھا اور رات کو پہنچا تھا اس واسطے دل ہی دل میں نادم ہو رہا تھا کہ میرے ہاں جو لوگ بے اطلاع رات کے وقت آتے ہیں ان کو میں ہمیشہ بُرا کہا کرتا ہوں۔ آج خود ہی بے اطلاع جا رہا ہوں۔ مگر مخدوم راجن شاہ صاحب اور ان کے صاحبزادہ مخدوم غلام محی الدین صاحب بڑے ہی خلیق اور مہمان نواز ہیں۔ انہوں نے بے وقت کی اور بے اطلاع کی آمد کو برا نہ سمجھا۔ اور بہت ہی اخلاق سے پیش آئے۔ راستہ میں تاگہ جا رہا تھا تو میں دیکھتا تھا کہ جگہ جگہ چار پائیاں بچھی ہوئی ہیں اور ٹرکوں پر لوگ سو رہے ہیں۔

عمار تیں نہ تھیں۔

اس درگاہ سے رخصت ہو کر حضرت شمس تبریزؑ کی درگاہ میں گیا۔ یہ مزار بہت پُرانا ہے۔ میری تحقیقات بموجب حضرت شمس تبریزؑ آغا خانی جماعت کے ایک اعلیٰ تھے اور ان کی تبلیغ سے پنجاب میں کہا روں اور بناروں لے آغا خانی مذہب اختیار کیا تھا جو پہلے شمس ہندو کہلاتے تھے۔ مگر آجکل اسماعیلی سلمان مشہور ہیں۔ اور ان سب نے اپنے نام اسلامی رکھ لئے ہیں اور مسلمانوں سے سلام کیا کرتے ہیں اور میل جول بڑھا رہے ہیں۔

تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اسماعیلی جماعت کے داعی سلطان محمود غزنوی سے پہلے سندھ اور ملتان میں آگئے تھے اور محمود غزنوی نے ان کا قتل عام کیا تھا۔ اس لئے ممکن ہے کہ شمس تبریزؑ وہ شمس الدین داعی نہوں جو تین سو برس پہلے پنجاب میں آئے تھے۔ اور جگہ سافہ دو داعی اور تھے۔ ایک صدر الدین اور دوسرے امام الدین صدر الدین نے سندھ اور کاٹھیاواڑ میں تبلیغی کام کیا۔ اور امام الدین نے آغا خانی جماعت سے الگ ہو کر احمد آباد کے قریب پیرانہ مقام میں اپنی جماعت ست پنچہ کے نام سے علحدہ جاری کی۔

بہر حال شمس تبریزؑ کا یہ مزار پُرانا معلوم ہوتا ہے۔ حضرت مولانا رومؒ کے پیر شمس تبریزؑ یہاں نہیں ہیں

اس وقت خیال آتا تھا کہ مخدوم صاحب کے ہاں بھی بے سوتے ہوں گے۔ مگر دیکھا کہ سب بیدار تھے۔ مخدوم صاحب نے فوراً میرے لئے مکان کی چھت پر سولے کا اور نماز کا انتظام کر دیا۔ یہاں ابھی تک اتنی گرمی ہے کہ رات کو کھلی چھت پر سونا اچھا معلوم ہوا۔ ملتان کی نسبت ایک شعر مشہور ہے کہ ۱۔

چار چیز است تحفہ ملتان

گرد، گرما، گدا و گورستان

سو واقعی یہاں گرمی بھی ہے اور گرد بھی ہے اور گورستان بھی بہت زیادہ ہیں۔ گداؤں کا حال معلوم نہیں کیونکہ میں خود گدا ہوں۔ گداؤں کو بیچاؤں تو خود اپنے آپ کو بیچاؤں۔ رات کو بہت آرام سے سویا۔ اور خوب غفلت کی نیند آئی۔

۳ اکتوبر ۱۹۳۱ء

ملتان

زیارات صبح مخدوم راجن شاہ صاحب کے ناگہ میں ان کے صاحبزادہ مخدوم غلام محی الدین صاحب کے ہمراہ زیارتوں کے لئے گیا۔ پہلے حضرت حافظ جمال صاحب کی درگاہ میں فاتحہ پڑھی۔ نواب احمد یار خاں صاحب رئیس ملتان نے اس درگاہ کو از سر نو تعمیر کیا ہے۔ پینتالیس سال پہلے جب آیا تھا تو یہاں اتنی شاندار

اُن کا مزار ترکی کے شہر قونیہ میں ہے۔

حضرت شمس تبریز کے مزار پر گنبد بنا ہوا ہے۔ باہر کچھ لوگ بیٹھے ہوئے ختم پڑھ رہے تھے۔

یہاں سے رخصت ہو کر عید گاہ دیکھی۔ نواب سیف الدولہ عبدالصمد خاں دلیچنگ احراری نے یہ عید گاہ بنائی تھی۔ ۱۳۱۵ھ میں انگریزی گورنمنٹ نے مسلمانوں کے چندہ سے اس کی مرمت کرائی۔ بہت عمدہ اور خوبصورت عید گاہ ہے۔

عید گاہ دیکھنے کے بعد حضرت بہاء الدین ذکر یا ملتانى رحمہ کے مزار پر حاضر ہوا۔ ان کے مزار کے برابر حضرت کے بڑے صاحبزادے حضرت صدر الدین رحمہ کا مزار ہے اور چھپر کھٹ کے باہر حضرت کے بقیہ تین صاحبزادوں کے مزارات ہیں۔ اور مزار کے پائیں حضرت کی اولاد میں جتنے ممتاز لوگ گزرے ہیں ان کے مزارات ہیں۔ سارا گنبد قبروں سے بھرا ہوا ہے۔

حضرت مخدوم رکن الدین رکن عالم رحمہ جو حضرت بہاء الدین ذکر یا ملتانى رحمہ کے پوتے تھے ان کو بھی پہلے یہیں دفن کیا گیا تھا مگر سلطان محمد تعلق نے حضرت کے لئے علیحدہ مقبرہ بنوایا تو بیت کا صندوق یہاں سے نئے میں لے جا کر دفن کیا گیا۔ یہ مقبرہ بھی بہت شاندار ہے۔ حضرت بہاء الدین ذکر یا ملتانى رحمہ کے گنبد کے

باہر نواب باقر شاہ کا مزار ہے جو دہلی میں صوبہ دار تھے اور ان کے پائیں نواب مظفر خاں کا مزار ہے جن سے سکھوں نے ملتان کی حکومت حاصل کی تھی۔

اسی جگہ میرے دوست مخدوم حسن بخش صاحب سجاد نشین کا مزار بھی ہے۔ اور اسی کے قریب باہر نواب قیصر خاں گنسی رئیس بلوچستان کا مزار ہے۔ یہ بھی میرے بڑے دوست تھے۔ اور آخزمانہ میں ملتان میں نظر بند کر دیئے گئے تھے۔

سہروردیوں کا مرکز | یہ درگاہ سہروردیہ خاندان

کا مرکز ہے۔ حضرت بہاء الدین ذکر یا ملتانى رحمہ حضرت بابا فرید الدین گنجشکر رحمہ کے زمانہ میں تھے اور ان کے پوتے حضرت رکن عالم رحمہ سے حضرت محبوب الہی رحمہ کی بہت دوستی تھی۔ ہنگال کا موجودہ سہروردی خاندان اسی نسل سے ہے اور سیرٹھ میں بھی اس خاندان کے لوگ ہیں۔ محمد انوار صاحب ہاشمی مالک رسالہ دین دنیا اور مفتی نکت صاحب فہمی ایڈیٹر اخبار طاقت اور حکیم محمد ضیف صاحب ہاشمی وغیرہ بھی اسی خاندان سے ہیں۔ اس درگاہ کے موجودہ سجادہ نشین مخدوم مرید حسین صاحب ہیں۔ جو جناب مخدوم حسن بخش صاحب کے صاحبزادہ ہیں۔ گرفت کی تنگی کے سبب میں ان سے ملاقات نہیں کر سکا۔ اس درگاہ کے خادم اللہ وسایہ صاحب بھی ملاقات ہوئی۔

راستہ میں مولانا نظام بخش صاحب مرحوم کے پوتے مولوی حافظ ولد ار بخش صاحب بھی لے۔

یہاں سے رخصت ہو کر حضرت سید شاہ یوسف گرویزہ کے مزار پر گیا۔ مقبرہ پر گنبد نہیں ہے۔ مگر چینی کا کام بہت اچھا ہے۔ یہاں کے سجادہ نشین مخدوم سید محمد یوسف صاحب ہیں۔ درگاہ میں سید جعفر شاہ صاحب ان کے ایک رشتہ دار سے ملاقات ہوئی۔ جمال یوسفی کتاب میں ان حضرت کے حالات ہیں۔

اس مزار کے سر پرانے ایک سوراخ ہے۔ معلوم ہوا پہلے حضرت کا ہاتھ اس سوراخ سے نکلا کرتا تھا مگر حضرت مخدوم رکن عالم رخ کے زمانہ میں اس ہاتھ کا ٹکنا بند ہو گیا۔

بازار | ان سب زیارتوں سے فارغ ہو کر ملتان کے بازار میں آیا اور یہاں کے مزارات کے نوٹو تلاش کئے مگر دستیاب نہیں ہوئے۔ پھر حضرت مولے پاک شہید کے مزار پر حاضر ہوا۔ ادران کے سجادہ نشین مخدوم سید

صدر دین صاحب سے بھی ملا۔ جو مخدوم سید راجن شاہ صاحب کے بڑے بھائی ہیں۔ یہ بہت عابد اور اپنے بزرگوں کے قائم مقام معلوم ہوتے ہیں۔

قیام گاہ پر آیا تو لاہور کے ایک بزرگ لے جن کا نام میاں محمد صاحب ہے۔ حضرت میاں ایٹان کی درگاہ میں رہتے ہیں۔ چہرہ سے اور باتوں سے اچھے

درویش معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے ساتھ غلام محمد صاحب نامی درویش بھی تھے۔ جن کی ڈاڑھی بہت لمبی تھی۔ کھانا کھا کر ریل پر جانے کی تیاری کی۔ مخدوم سید غلام محی الدین صاحب نے آج پورا وقت میری رفقت میں خرچ کیا۔ کہتے تھے ملتان میں سید زین العابدین نے دو ہزار رضا کاروں کی ایک کور بنائی ہے۔

ملتان کے مسلمانوں کو بڑا افسوس ہے کہ آپ نے اپنے آنے کی اطلاع نہیں دی۔ ورنہ اسٹیشن پر سب لوگ استقبال کے لئے جاتے۔ میں نے ہنس کر جواب دیا۔ کہ استقبال کرانے کے قابل میں نے کوئی کام نہیں کیا۔ کھانا کھا کر مخدوم راجن شاہ صاحب رخصت ہوا اور مخدوم سید غلام محی الدین صاحب کے ہمراہ اسٹیشن پر آیا۔ اور گیا رہ بیچے خانوال کی گاڑی میں سوار ہوا۔ خانوال سے کراچی میل میں بیٹھ گیا۔ جس نے پانچ بجے لاہور پہنچا دیا۔

حفیظ صاحب جالندھری | کراچی میل میں ابوالاثر حفیظ صاحب جالندھری بہاولپور سے آتے ہوئے لے۔ بہت خوشی ہوئی۔ انہوں نے کہا۔ بہاولپور میں چیف منیجر صاحب نے آپ کے ٹھہرانے کا انتظام کیا تھا اور اسٹیشن پر موٹر بھی بھیجی تھی۔ وہاں سب کے انتظار رہا۔ میں نے کہا۔ سالگرہ کی خبر سنکر میں نے ارادہ لیا تو

کیونکہ میں شاعر اور اخبار نویس نہیں ہوں۔ حفیظ صاحب نے شاہنامہ کا ایک حصہ سنایا۔ اسلامی شاہنامہ انہوں نے ایسا لکھا ہے کہ اردو زبان میں ایسی عمدہ اور موثر نظم کی کتاب آج تک کوئی نہ لکھی گئی ہوگی۔ شبنوی میر حسن کی نظم بہت اچھی ہے۔ اور بھی بہت سی نثر ویاں قابل تعریف لکھی گئی ہیں۔ لیکن ان سب میں جو ٹھٹھے قصبے ہیں اور حفیظ صاحب کے شاہنامہ میں سچے واقعات ہیں۔ اور مسلمان قوم کو زندہ کرنے اور اسلامی تاریخ سے ماہر بنانے کا مقصد ہے۔

عزیمیت | حفیظ صاحب نے میری نسبت کہا کہ آپ کے اندر عزیمت بہت زیادہ ہے کہ اس بیماری اور کمزوری میں افغانستان کا سفر کر کے اتنی جلدی واپس آ گئے۔ میں نے کہا۔ یہ لفظ آپ نے خوب بتایا میں اب تک اپنی اس قوت کو کسی لفظ میں ظاہر نہ کر سکتا تھا جو قدرت نے مجھے دی ہے۔ اب کہہ سکوں گا کہ میرے اندر عزیمت ہے۔ یعنی عزم اور ارادہ کی طاقت مجھ میں بہت زیادہ ہے۔ حفیظ صاحب کی وجہ سے لاہور تک کا راستہ بہت ہی اچھا گزرا۔ میرے دل میں حفیظ صاحب کی اور ان کے شاہنامہ کی بہت زیادہ قدر و منزلت ہے۔ لاش میں ایسے اچھے شاہنامہ کو ہندوستان کے ہر گھر میں تقیم کرنے کی سعادت

حاصل کر سکتا۔

لاہور کی سیر | اسباب اسٹیشن پر چھوڑ کر ہانگہ میں بیٹھا اور شہر لاہور کا ایک چکر لگایا۔ چونکہ سید شاہ صاحب ابھی حال میں افغانستان سے واپس آئے تھے۔ اس واسطے ان سے ملنے گیا مگر وہ دفتر میں موجود نہ تھے۔ اس لئے اسٹیشن پر واپس آ گیا اور ریلوے ہوٹل میں کھانا کھایا۔ تھوڑی دیر میں سید حبیب شاہ صاحب تشریف لائے۔ اور ان سے خوب باتیں ہوئیں۔ کشمیر کے تازہ واقعات بھی سنے۔ اور بھی اندرونی باتیں معلوم ہوئیں۔ افغانستان میں سید صاحب کا اخبار "سیاست" بہت مقبول ہے۔ غازی نادر شاہ اس اخبار کو خود پڑھتے ہیں۔

اخبار "پارس" کے ایڈیٹر لال کریم چند صاحب اور شام سندر صاحب بھی ملنے آئے۔ ان سے بھی خوب باتیں ہوئیں۔ نو بجے کے بعد گاڑی لاہور سے دہلی کی طرف روانہ ہوئی اور میں آرام سے سو گیا۔ تھوڑی دیر میں گاڑی کے مسافر جو سب ہندو تھے۔ چیخنے لگے۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ معلوم ہوا برابر جو فرسٹ کلاس ہے۔ اس میں کسی انگریز پر ایک سکھ نے حملہ کیا۔ یا اس انگریز کو سکھ کے حمل کا شہ ہوا۔ اور وہ سکھ کھڑکی کے باہر تختہ کے اوپر گاڑی کا ڈنڈا پکڑے ہوئے کھڑا ہے۔

اور انگریز اس کو پستول دکھا رہا ہے۔ میرے درجہ میں ایک ہندو پنجاب کے تھے۔ جن کے ساتھ ان کی بیوی بھی تھیں۔ اور ایک ہندو بمبئی کے تھے جو بالکل انگریزی معاشرت رکھتے تھے۔ انگریز ہندو صاحب اس سکھ کو دھمکاتے تھے کہ تو یہاں کیوں آیا۔ اور پنجاب کے ہندو سکھ کے ساتھ ہمدردی ظاہر کرتے تھے۔ میں نے کہا۔ کہ آپ لوگ ایسی حالت میں کہ سکھ خطرہ میں مبتلا ہے اس سے کچھ نہ کہیں اور یہ دیکھتے رہیں کہ جب گاڑی ٹھہرے تو سکھ کو کپڑ لیں۔ گاڑی امرت سرے جالندھر کی طرف جا رہی تھی۔ بمبئی والے ہندو نے کہا۔ انگریز کی جان خطرہ میں ہے۔ میں نے کہا۔ آپ کہتے ہیں کہ انگریز پستول دکھا رہا ہے۔ اور سکھ کے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے۔ غالباً یہ سکھ مغلس ہے اور بے ٹکٹ مسافر کرنا چاہتا ہے۔ اگر کوئی مجرم ہوتا تو اس کے پاس ہتھیار ہوتے۔ بہر حال بمبئی والے ہندو کو سکھ سے ہمدردی نہ تھی۔ جالندھر کے قریب ٹرین پہنچی تو وہ سکھ کو ڈا اور اس کا ایک ہاتھ کلائی کے پاس سے کٹ گیا اور اس کے سر میں بھی بہت چوٹ آئی۔ گاڑی ٹھہر گئی۔ پولیس آگئی اور انگریز کے بیان لگے۔ اور پولیس زخمی کو اسپتال لے گئی۔ اس میں شک نہیں کہ زمانہ آج کل خطرناک ہے۔

انگریزوں پر حملے ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن اس سکھ کا معاملہ بالکل جداگانہ معاملہ معلوم ہوتا تھا۔ وہ غیر مسلح تھا۔ اور انگریز کے پاس ہتھیار تھے۔ اور انگریز کے بیان سے یہ ثابت بھی نہیں ہوا کہ سکھ نے گاڑی کے اندر جانے کی کوشش کی تھی۔ وہ باہر کھڑا ہو گیا تھا۔ بہر حال زخمی کی تکلیف اور آہوں کو سن کر مجھے بہت اذیت ہوئی۔ معلوم نہیں وہ غریب کیوں تھے پر کھڑا ہوا تھا اور کہاں جا رہا تھا۔ جالندھر کے بعد میں سو گیا۔ اور میرے پیرا آنکھ کھلی۔

۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء

دہلی

باب دہلی | میرٹھ کو دیکھا گویا دہلی شہر کے دروازہ کو دیکھا۔ میرٹھ ہی وہ مقام ہے جس نے مسلمانوں میں انگریزوں کے خلاف بغاوت کی اور انگریزی فوج کے باغی سپاہی راتوں رات دہلی چلے گئے اور ان کی وجہ سے دہلی میں بھی غدر ہو گیا۔

میں اس شہر میں مدتوں رہا ہوں۔ لال کرتی بازار کے محلہ میں بھٹیا شیخ احسان الحق صاحب فقیر عشق کے مکان پر رہتا تھا۔ اجا رتو حید کی ایڈیٹری کرتا تھا جس کی ایک سال تک خوب دھوم دھام رہی۔ کانپور کی مسجد کے سلسلہ میں وہ اخبار بھی ضبط ہوا اور میں نے بھی میٹر

کی سکونت چھوڑ دی۔ اس زمانہ میں میرٹھ کو دہلی کا دروازہ ہی سمجھتا تھا۔ اس لئے آج جب میرٹھ کو دیکھا تو ایسا معلوم ہوا گویا اپنے شہر میں آگیا۔ یہاں میرے بعض ایسے اجاب رہتے ہیں جن کو میں اپنے خاندان کا ایک رکن سمجھتا ہوں۔ جن میں بھیا فقیر عشقی صاحب سب سے زیادہ ممتاز ہیں۔

دہلی | میری خواہش تھی کہ دہلی میں اپنے آنے کی کسی کو خبر نہ دوں تاکہ استقبال کی گڑبڑ نہ ہو۔ لیکن ملتان میں پہنچ کر خیال آیا کہ قندھار سے گھروالوں کو فارسی میں تارویا تھا جس کے الفاظ یہ تھے ”خوش ہستم می آیم“ اس تار کے بعد پھر کوئی خبر میں نے نہیں بھیجی۔ لیکن ہے گھروالوں کو تشویش ہو۔ اس واسطے ملتان سے تار بھیجا ضروری معلوم ہوا۔ سمجھتا تھا کہ ایک رات میں استقبال کا انتظام نہیں ہو سکتا۔ گھروالوں کو خبریت معلوم ہو جائے گی اور دوست اجاب استقبال کی زحمت بچ جائیگے۔ مگر دہلی اسٹیشن پر گاڑی پہنچی تو حیران ہو گیا۔ بہت سے لوگ جمع تھے۔ اور دوست تو سب ہی آئے تھے جوتہ دہلی کے محکمہ تعلیمات کے انسپکٹر و دہری غلام محی الدین صاحب میرے قدیمی عنایت فرمایا اور نظام الاسلام مڈل اسکول کی ہیوودی و ترقی سے انھیں خاص دلچسپی ہے۔ وہ بھی پلیٹ فارم پر موجود تھے۔ اور ملا واحدی صاحب

اور ان کے بچے بھی تھے۔ اور منشی عبد الحمید صاحب رسالہ ”مولوی“ کے ایڈیٹر بھی تھے۔ اور بقائی صاحب رسالہ ”پیشوا“ کے ایڈیٹر بھی تھے۔ اور منشی شوکت علی صاحب فہمی ایڈیٹر اخبار ”طاقت“ اور محمد انوار صاحب ہاشمی ایڈیٹر ”دین دنیا“ اور شیخ محمد یعقوب صاحب ٹھیکیدار۔ اور حکیم محمد دین ملنسار نظامی اور سید ابن عربی اور خواجہ فضل صاحب شیدا۔ اور میاں عزیز محمد خاں حسن پوری اور عشق الدولہ ستیری مولانا محمد اسماعیل عشقی نظامی۔ اور میرزا سہراب شاہ اور یونس اور بو اکریا اور حسین اور علی اور زید اور روحہ وغیرہ بھی تھے۔ اور خواجہ بورڈنگ ہاؤس کے بورڈرز بھی تھے۔ اور نظام الاسلام مڈل اسکول کے ہیڈ ماسٹر چودہری علی محمد خاں صاحب اور حافظ سراج الحق صاحب سیکنڈ ماسٹر اور چودہری علی نواز خاں صاحب تھرڈ ماسٹر اور محمد اسحاق صاحب اسسٹنٹ ٹیچر اور سید نذیر حسین صاحب اسسٹنٹ ٹیچر اور محمد سلیم الدین صاحب اسسٹنٹ ٹیچر اور ذوالفقار احمد خاں صاحب ڈرل ماسٹر اور مولانا حافظا معین الاسلام صاحب سپرنٹنڈنٹ خواجہ ہوسٹل وغیرہ بھی تھے۔ اسکول کے بچوں نے پھول پہنائے اور پھول برسائے۔ اور صدقہ کے پیسے بھی لٹائے۔ شیخ محمد یعقوب صاحب نے سب سے پہلے اپنی ڈبیر کا پان کھلایا۔ سفر کے بعد دہلی کا پہلا تحفہ ملا۔ انور علی نظامی موٹر

ڈرائیور نے موٹر کو خوب آراستہ کیا تھا۔ چاروں طرف پھولوں کے سہرے لٹکائے تھے۔ بچوں کے ساتھ گھر پر آیا۔ ستری حبیب خاں نظامی اپنے مکان پر چلے گئے۔ میری پالنے والی اماں جلوم عومہ کاڑ کا اٹھ دیا بھی ریل پر موجود تھا۔ بریکانیر ہاؤس کے پاس گاڑی پہنچی تو نبی بخش صاحب نظامی سلیمانی نے پھولوں کے ہار موٹر پر بھجوائے۔ مگر خود علالت کی وجہ سے نہ آ سکے۔ بولیس جو کی نظام الدین کے پاس موٹر آئی تو منشی اختر علی صاحب نے پھولوں کے ہار پہنائے۔ گھر میں آیا تو روح نے جو بانو اور امتین کی طرف سے صدقہ کے پیسے میرے اوپر وار کے پھینکے۔ پھر ستری محمد خاں اور بھول خاں اور بھولا اور مجی اور حمید اور غلام رسول وغیرہ کی طرف سے صدقہ کا تیل اش اور سٹھائیاں آئیں۔ خاندان کے گھروں سے بھی سٹھائیوں کے خوان اور صدقہ کا تیل ماش آیا۔ کیونکہ ہمارے ہاں رسم ہے کہ جب کوئی دور سے آتا ہے تو ایک تھال میں ماش اور ایک برتن میں کرڈ تیل اور تانبہ کے پیسے لاتے ہیں۔ مسافر تیل میں اپنا چہرہ جھانک کر پیسے اور ماش تیل میں ڈال دیتا ہے۔

حسن جبرئیل | گھر کے اندر گیا تو عور بانو اس طرح نکلے تھیں گویا برسوں سے بچھڑی ہوئی تھیں۔ چھوٹا بچہ حسن جبرئیل مجھے دیکھتا رہا مگر اس طرح گویا کوئی انہی

آدمی گھر میں آگیا ہے۔ تھوڑی دیر بعد بیچا نا اور ہاتھ پھیلا دیا۔ میں نے گود میں لے کر خوب پیار کیا۔ کیونکہ خدا کا شکر ادا کر سکوں۔ اس نے کیسی کیسی نعمتیں دی ہیں۔ اطمینان کی روزی بھی دی اور اچھی شکل کی اولاد بھی دی۔ بڑی شکل کی ہوتی تب بھی مجھ کو اچھی ہی معلوم ہوتی۔ کیونکہ انسان کی فطرت ہے کہ اس کو اپنی صورت اور اپنی آواز اور اپنے بچوں کی صورت ہمیشہ اچھی ہی معلوم ہوتی ہے۔

خدا کے فضل سے سب کو تندرست پایا۔ میں نے پہلے غسل کیا۔ پھر کھانا کھایا۔ اس کے بعد ڈاک دیکھی۔ اور شام کو دہلی گیا۔ واحدی صاحب اور عبدالرشید خاں غزالی سے ملا۔ منشی قربان علی صاحب ایڈیٹر اردو سے ملنے نے بھی ٹیلی فون میں واپسی کی مبارک باد دی۔ میں نے بعض دوستوں کو خیریت سے پہنچ جانے کے تار دیئے۔ آدھی رات تک امانت کے خطوط پڑھتا رہا۔ پھر بھی وہ پورے نہیں ہوئے۔ کیونکہ تعداد بہت زیادہ تھی۔ میں نے صرف مختصر خط پڑھے۔ طویل خط امانت میں رکھ دیئے۔ یہاں ابھی گرمی ہے۔ رات کو سب لوگ باہر صحن میں سوتے ہیں۔ مجھے دیر تک جاگنے کی وجہ سے نیند اچھی نہیں آئی + روزنامہ ختم ہوا۔

معلومات بلاد افغانستان

یعنی وہ شہر جو پہلے افغانستان کے تحت میں تھے یا وہ جو آجکل بھی زیر قبضہ ہیں اور ان کے قدیم و جدید نام۔ اور وہ شہر جو مرٹ گئے۔

موجودہ نام	قدیم نام	موجودہ نام	قدیم نام
افغانستان (مملکت)	آریانا۔ اسکویونانی "کسیما" یا "ارگواہی" کہتے تھے۔ ایرانی آریا دور تا ہندوستانی "باہ لکا" اور اہل عرب "خراسان" کہتے تھے۔	زبدجان قصبہ	یوشنگ۔ عرب لوگ "فوشنج" کہتے تھے۔ علاقہ ہرات میں واقع ہے۔
ای بک شہر	سمنگان۔ اس کو چینی لوگ "سی تین تسرین" اور اہل عرب "سمنجان" کہتے تھے۔	سبزوار شہر	اسپینار۔ اہل عرب "اسفزار" کہتے تھے۔
ارگ ہرات	قلعہ اختیارالدین۔	سرپل شہر	انبار۔ آجکل مزار کے علاقہ میں واقع ہے۔
اشکوش علاقہ	وزوالین۔ آجکل حصہ قدغن میں واقع ہے۔	سند ولایت	اندوش۔
بنخ (قدیم قلعہ)	ہنداون۔	صوات علاقہ	سواتس۔
بلوچستان ولایت	اوریشیا۔ اسکویونانی "گدروشا" کہتے تھے۔	شبرغان شہر	شبرگان۔ ایرانی "سفیدوز" کہتے تھے۔
پنجگورہ علاقہ	گواریس۔	شلگر علاقہ	ہجویر۔ غزنی کے حصوں میں آگیا۔
پنجشیر علاقہ	پنجشیر۔	قدغن بدخشاں ولایت	تخار۔ ایرانی "تخارستان" کہتے تھے۔
پنجاب ولایت	زرت گوش۔ ایرانی "ثت گوش" کہتے تھے۔	قندھار ولایت	زابل۔ اس کو یونانی "اراکوسیا" ایرانی "ہروخش" اور بعد میں "زابلستان" اور عرب والے "الرخانج" اور "الرخذ" کہتے تھے۔
باشقرغان شہر خلم		قندادہ شہر	قنداہیل۔ بلوچستان میں واقع ہے۔
جل السراج علاقہ	پروان۔	کشلنگ شہر	فیروزوند۔ موجودہ ولایت قندھار میں واقع ہے۔
جلال آباد علاقہ	تنگ نہاد۔	کوہ دامن علاقہ	کاپی سا۔
جنوبی ولایت	پاختیا۔ اسکویونانی "یکلی میکا" اور ہندو "روہ" کہتے تھے۔	کابل شہر و علاقہ	وانی کرت۔
چترال علاقہ	کتور کاشگر۔ اسکویونانی لوگ "کاشکار" کہتے تھے۔	کشم علاقہ	سکل کنر۔ بدخشاں کے علاقہ میں واقع ہے۔
خراسان ولایت	اپارتیا۔ اسکویونانی "پارتیا" اور ایرانی "پرتو" کہتے تھے۔ اور بقول ہیرودوش اور یورپ کے محققین کے نزدیک پختانہ کے آفریدی گروہ کا قدیم نام بھی اپارتیا تھا۔	لغمان علاقہ	لمپاکا۔
خیوہ ولایت	خوارزم۔ ایرانی "خوارزمیش" کہتے تھے۔	مزار شریف ولایت	باخدی۔ اسکویونانی "باکتراین"۔ ایرانی "باختریش" اہل ہند "باہیک دیس" اور اہل عرب "باختر" کہتے تھے۔ اور پہلے زانہیں "باکتریا" اور "باختر" بھی عام طور سے افغانستان میں کہلایا جاتا رہا ہے۔
دولت آباد شہر	فاریاب۔ آجکل ولایت مزار میں واقع ہے۔	گنداراک	گنداراک۔ یونانی اور ایرانی تھوڑے سے فرق کے ساتھ "گندہارہ" اور "گندار" کہتے تھے۔
دستاق شہر	ولوالیر۔ اہل عرب نے "دلوالج" بنایا۔ بدخشاں کے علاقہ میں واقع ہے۔	مشرقی ولایت	

موجودہ نام	قدیم نام	موجودہ نام	قدیم نام
مردو مہاراجہ	مرگیا نا - اہل عربی "مروالود" نام رکھا تھا	نہرین شہر	لاہین ۲۰ جہل قدغن کے علاقہ میں واقع ہے۔
سیدہ قہرمان	گوزگاں - عرب لوگ "جوزمان" کہتے تھے۔	نورستان پیراں	بولر اور بولور۔
مزار شہر	وہ خیر قریہ۔	دیرستان علاقہ	دیرسی۔
غورمہراجہ	غورج وغور۔ یونانی اسکوپاروپاسس اور ایرانی	ہرات	آریہ۔ آریانا۔ اسکویٹنی ہرائی اور یونانی
فراہ و چنانور	دعویٰ غورستان اور غورستان کہتے تھے۔	آریانا	کہتے تھے۔ پرانے زمانہ میں افغانستان
وسستان	سکاستیانا۔ یونانی درنگیانا اور ایرانی "درنگ" "نیروز" "شیرستان" اور عرب لوگ "درنگ" "وسجستان" کہتے تھے۔	ہندو شریف شہر	مکار آرا۔
دلایت		یوسف نئی علاقہ	مندر۔

یہاں اُن شہروں کی فہرست شروع ہوتی ہے جو کسی زمانہ میں افغانستان کی سلطنت کے شہر شہر تھے اور اب مٹ گئے۔

آرتا گوان	آجکل شہر ہرات کی حدود میں واقع ہے۔ ظہور اسلام سے	اسفزار	ہرات کے علاقہ میں واقع تھا اور مسلمانوں کے عہد میں افغانستان
آرمی گاؤں	قرنوں پہلے کا ہے اور افغانستان کے سب سے پرانے شہروں میں سے ہے۔	بگرام	کا نہایت بارونق شہر تھا۔ مغلوں نے برباد کیا۔
اسکندریہ مرگیاں	علاقہ چکودہ اور کمری درمیانی زمین پر مقدونیہ کے بادشاہ اسکندر کے حکم سے بسایا گیا تھا اور افغانستان کے بارونق شہروں میں شمار ہوتا تھا۔	بہلول	موجودہ پشاور و فیصلہ کے درمیانی علاقہ میں آباد تھا اور افغانستان کے قدیم شہروں میں شمار ہوتا تھا۔
الکزاندریہ	اسکندر کے حکم سے علاقہ مغرب میں بسایا گیا۔ بعض مشرقی حضرت موجودہ موضع مرو جان کو اسکندریہ مرگیاں کہتے ہیں۔	باسیان	علاقہ یوسف زئی میں واقع تھا اور مسلمانوں کے زمانہ سے پہلے افغانستان کے نہایت نفیس شہروں میں شمار ہوتا تھا۔
اراکوسیا	موجودہ شہر قندہار کے نواح میں اسکندر کے حکم سے بسایا گیا۔	بست	ظہور اسلام تک افغانستان کا نہایت عظیم آراستہ اور شہر ہوا۔
الکزاندریہ	اسلام سے پہلے افغانستان کے مشہور شہروں میں سے تھا۔	بوشنگ	اگرچہ مغلوں نے قیامت ڈھائی اس وقت بالکل مٹ گیا۔
قفقاز	موجودہ کوہ دامن کے علاقہ کے نواح میں اسکندر نے آباد کیا تھا۔ اب اس گاؤں کا نشان نہیں ہے۔	فوشنج	دیرانہ ہند کے کنارہ پر آباد تھا۔ مغلوں کے ظہور تک افغانستان کا نہایت تمدن شہر رہا۔ اسکے آثار اب بھی باقی ہیں۔
آہنگران	آباد کیا تھا۔ اب اس گاؤں کا نشان نہیں ہے۔	میر قاسم	قریہ زندہ جان کے گاؤں میں جو موجودہ ہرات کا علاقہ ہے (فوشنج) آباد تھا۔ مغلوں کے ظہور تک افغانستان کے اصول و رسم کے شہروں میں شمار ہوتا تھا۔
انطکیہ	غور کے علاقہ میں تھا۔ مسلمانوں کے عہد میں نہایت خوشنما شہروں میں شمار ہوتا تھا۔ مغلوں نے تباہ کیا۔	برخشاں	افغانستان کے بہترین اور نہایت قدیم شہروں میں سے تھا۔ عربوں کے حملہ کے زمانہ تک ایٹیا کے سب سے عمدہ شہروں میں، اس کا شمار رہا۔ بعد میں بار بار آجڑا اور اب ویران پڑا ہے۔
	قدیم شہر مہر کے نواح میں واقع تھا اور افغانستان کے قدیم تاریخی شہروں میں سے تھا۔ انقبو سوتر نے تیسری صدی قبل میلاد میں اس کی بنیاد رکھی تھی۔		موجودہ فیصلہ آباد کی جگہ پر آباد تھا۔ مغلوں کے ظہور تک افغانستان

مروقان	کے بارونق شہر میں شہر تھا۔ چنگیز خان اسکو تباہ کیا۔	جوین	مسلمانوں کے عہد میں افغانستان کا اوسط درجہ کا شہر تھا اور سیستان (موجودہ فرارہ) کے علاقہ میں تھا۔ اب اس کا نشان تک باقی نہیں رہا۔
بالاحصار	قدیم بلخ کے نواح میں عربوں کے زمانہ میں آباد ہوا۔ بعد میں خارجی لڑائیوں سے نیست و نابود ہو گیا۔	فرنگ (فرنگی)	افغانستان کا نہایت ہی قدیم اور تاریخی شہر اور ولایت سیستان پایہ تخت تھا۔ مغلوں کی دہشت انگیز تباہیوں کی نذر ہوا۔
پیشور (فرسور)	صدی تک افغانستان کا پایہ تخت رہا۔ انگریزوں اور افغانیوں کی دوسری لڑائی میں منہدم ہوا۔	خون شہر	موجودہ لوگر کے علاقہ میں واقع تھا اور قرون وسطیٰ میں افغانستان کے سب سے بڑے شہروں میں گنا جاتا تھا۔ اب اس شہر کی بنیاد کی اہل تک نہیں رہی۔
پشین	یعنی قدیم پشاور۔ زمانہ ماقبل اسلام سے لیکر ظہور اسلام اور مسلمانوں کے حملوں کے زمانہ تک افغانستان کے بڑے تاریخی شہروں میں اس کا شمار تھا۔	سوزگان (ایک)	اہل عرب کے حملوں کے زمانہ تک افغانستان کے لغزیز و تاریخی شہروں میں سے تھا۔ بعد میں فرنگی۔ اب ایک گاؤں اسکی جگہ آباد ہے۔
پشکلا ویتی	موجودہ علاقہ ہزارہ جات میں واقع تھا۔ مغلوں کے ظہور تک افغانستان کے مشہور شہروں میں شمار ہوتا تھا۔	سرخ قدیم	تمام قرون وسطیٰ میں افغانستان کے اہم شہروں میں تھا۔ اب اس کی جگہ موجودہ سرخ کوچک نے لے لی ہے۔
پتالہ	موجودہ پشاور کے چاروں طرف میں واقع تھا اور افغانستان کے نہایت پرانے شہروں میں سے تھا۔ اسکی جگہ کے وقت آباد اور بارونق تھا۔	شورین	موجودہ ہزارہ جات میں آباد تھا اور مغلوں کے حملوں تک افغانستان کے مشہور شہروں میں سے ایک شہر تھا۔
پنجواہی	سندھ کے علاقہ میں تھا۔ سکندر کے حملہ کے وقت آباد اور بارونق تھا۔	شانی (شانی)	شہر ضحاک (بامیان) کے نواح میں واقع تھا اور قرون وسطیٰ میں افغانستان کا مشہور شہر تھا۔
پیشاوران	افغانستان کے مشہور شہروں میں شمار ہوتا رہا۔	شہرک	غور کے علاقہ میں تھا۔ مسلمان بادشاہوں کے وقت افغانستان کا اہم شہر تھا۔ اور ایک روایت یہ بھی کہ اسکا طبعی پایہ تخت تھا۔
تکلیں باد	موجودہ شہر قندھار سے ایک منزل پر واقع تھا۔ مسلمانوں کے عہد میں مغلوں کے ظہور تک افغانستان کے اوسط درجہ کے شہروں میں شمار ہوتا رہا۔	شیرین	موجودہ میمنہ کے علاقہ میں واقع تھا اور مغلوں کے ظہور تک افغانستان کا بارونق شہر رہا۔
تالقان اول	کے متوسط شہروں میں سے رہا۔	ضحاک	شہر بامیان کے آس پاس تھا اور افغانستان کے تاریخی شہروں میں شمار ہوتا تھا۔
تالقان دوم	موجودہ قندھار کی جگہ آباد تھا۔ مغلوں کے ظہور تک اہل کی ولایت میں افغانستان کا نہایت مشہور شہر شمار ہوتا رہا۔	غزنی قدیم	افغانستان کے بہترین شہروں میں سے تھا اور غوری اور غزنویوں کا شہر کے زمانہ تک بہت آباد اور بارونق تھا۔
تاق (طاق)	موجودہ تالقان (تقن) کے گرد و نواح میں واقع تھا اور چنگیزی حملہ تک افغانستان کا اہم ترین شہروں میں اسکا شمار رہا۔	غلغلہ	بامیان کے محضوں کے بالمقابل واقع تھا اور افغانستان کے لغزیز شہروں میں سے تھا۔ مغلوں نے اسکو سمار کر دیا۔
تہتہ تختہ	خرغاب (ہرات) کے علاقہ میں واقع تھا۔ چنگیزی تباہ کاریوں تک نہایت بارونق شہر رہا۔	فاریاب	افغانستان کا مشہور شہر تھا۔ مغلوں کے ظہور تک آباد اور بارونق رہا۔
	چھوٹا سا مضبوط اور منظم شہر تھا۔ شہر فرخ (سیستان) کے قریب جوار میں تھا اور مغلوں کے ظہور تک خوب بارونق اور آباد تھا۔	فرارہ قدیم	اہل لایت فرارہ کے قصبہ ولایت گدازنے اسکی جگہ لے لی ہے۔
	سندھ کے نواح میں افغانستان کا قدیم اور تاریخی شہر تھا۔	فیروزوند	موجودہ شہر فرارہ کے نواح میں واقع تھا اور چار سو برس قبل میلاد اس طرف آباد تھا۔
	اب اس جگہ پر ایک قصبہ آباد ہے۔		موجودہ قندھار کے علاقہ میں واقع تھا۔ افغانستان کے

تھا مسلمانوں کے دور میں مشہور شہر تھا کھنڈر اب بھی باقی ہیں۔		اوسط درجہ کے شہروں میں تھا۔ اب اس کا نشان تک باقی نہیں ہے۔	
(موجودہ جلال آباد) کے نواح میں واقع تھا۔ اور ظہور اسلام کے زمانہ تک افغانستان کا	نگار آرا (بہ)	غور کے علاقہ میں واقع تھا اور غوری بادشاہوں کے زمانہ میں افغانستان کا بڑا شہر تھا۔	فیروز کوہ
نہایت ہی نفیس اور آراستہ شہر تھا۔ بلخ اور شیرخان کے مابین واقع تھا اور افغان	غلیک (یوکر اتیدیا)	تیمنہ کے علاقہ میں واقع تھا۔ افغانستان کا اوسط درجہ کا شہر تھا۔ اب اس کی جگہ قریب	قبصار
قدیم کے نہایت بڑے شہروں میں سے تھا۔ بلخ کے بادشاہ یوگر اتید نے دوسری صدی قبل		اشغال آباد ہے۔ موجودہ قندہار کے قریب وجہریں واقع تھا۔	قندہار قدیم
میلاد میں اس کی بنیاد رکھی تھی۔ افغانستان نہایت بارونق شہروں میں سے	نیشاپور قدیم	نادر شاہ ترکمان کے حملہ کے وقت تک افغانستان کا اہم شہر تھا۔ نادر شاہ نے	
تھا۔ بعد میں مغلوں نے اس کو تباہ کیا۔ اور قجراور ابدالی کی لڑائیوں		برباد کر دیا۔ بلوچستان میں واقع تھا اور قرون وسطیٰ	قصدار
میں برباد ہوا۔ کوہ دامن اور کابل کے درمیان سکندر کے	نکائی	میں افغانستان کے بڑے شہروں میں شمار ہوتا تھا۔	
حکم سے آباد ہوا۔ اور زمانہ قبل اسلام میں افغانستان کا تاریخی شہر تھا۔		خان آباد (موجودہ تلمن) سے چند میل پر واقع تھا۔ اور افغانستان کے مشہور	قندز
موجودہ ہرات کی جگہ آباد تھا اور افغانستان کے نہایت مشہور اور بڑے شہروں میں شمار	ہرات قدیم	شہروں میں شمار کیا جاتا تھا۔ غور کے علاقہ میں تھا اور مسلمانوں کے عہد	قرہ باغ
ہوتا تھا۔ مغلوں نے منہدم کر دیا۔ خوارزم (غزوہ) کا پایہ تخت تھا۔ مغلوں کے	ہزار اسپ	میں افغانستان کا اوسط درجہ کا شہر شمار ہوتا تھا۔ موجودہ کوہ دامن (کابل کی شمالی طرف) میں	کاپیسی نگار
ظہور اور ان کی تباہ کاریوں کے زمانہ تک افغانستان کے اہم شہروں میں شمار کیا جاتا تھا۔		واقع تھا۔ اور مسلمانوں سے پہلے افغان کا خوشنام شہر تھا۔	
موجودہ مردچاق کی جگہ پر جو علاقہ مرغاب میں ہے واقع تھا۔ اور افغانستان کے قدیمی	مردچاق	بگرام (جبل السراج) کی حدود میں تھا اور افغانستان کا تاریخی شہر تھا۔ اسکندر	کارتھ
شہروں میں شمار ہوتا تھا۔ موجودہ قصبہ مرد کے نزدیک آباد تھا اور	مرد	نے اس کی بنیاد ڈالی تھی۔ ہرات کے علاقہ میں واقع تھا اور مسلمانوں	کوہان
افغانستان کے نہایت بڑے اور مستند شہروں میں اس کا شمار تھا۔ مغلوں		کے زمانہ میں مشہور شہر تھا۔ اب سوائے کھنڈروں کے کچھ نہیں رہا۔	
نے برباد کر دیا۔		ولایت پانچتیا میں (موجودہ سمت جنوبی) واقع	گرویز قدیم



حاکم افغانستان کا سفرنامہ

چونکہ میں قندھار سے ہندوستان واپس چلا آیا اور ہرات و چشت و بدخشاں و بلخ و مزار شریف وغیرہ مقامات ماتحت حکومت افغانستان کی سیر کر سکا اس لئے مجھے تلاش تھی کہ مذکورہ مقامات کی نسبت ایسی معتبر کتابیں مل جائیں جن سے اپنے سفرنامہ کو مکمل کر دوں۔ چنانچہ جناب سرودگویا صاحب نے کابل میں مجھے ہرات و چشت وغیرہ مقامات کی نسبت بہت عمدہ کتابیں عنایت کی تھیں جن سے میں نے نوٹ تیار کئے۔ اس سلسلہ میں مجھے اعلیٰ حضرت خاقان افغانستان غازی محمد نادر شاہ کا ایک فارسی سفرنامہ بھی مل گیا جو انھوں نے غازی محمد امان اللہ خاں سابق تاجدار افغانستان کے زمانہ میں بحیثیت افسر فوج لکھا تھا۔ اور قدغن اور بدخشاں کے تفصیلی حالات قلم بند کئے تھے۔ اور ہر مقام کے نقشے تیار فرمائے تھے۔ جب میں افغانستان سے دہلی پہنچا اور کئی سو کتابوں کا بندل ریل میں رہ گیا جو میں افغانستان سے لایا تھا تو میں نے کابل کے احباب کو لکھا کہ کتابیں جو لایا تھا گم ہو گئیں لہذا اگر کچھ اور کتابیں مل سکیں تو مجھے بھیجو۔ مگر افسوس ہے کسی نے کوئی کتاب بھی البتہ خود اعلیٰ حضرت کے سفرنامہ قدغن اور بدخشاں کی ایک جلد وہاں سے آگئی جس سے میں نے اپنے سفرنامہ کے لئے حالات جمع کئے اور نقشے بھی نقل کر لئے تاکہ ان سیاچوں کو مفید ہوں جو قدغن اور بدخشاں کی سیر کرنی چاہیں۔ در ترجمہ مولانا اسماعیل صاحب توحید کاپوری سے کرایا، **سفرنامہ پر ایک نظر** میں نے اعلیٰ حضرت غازی محمد نادر شاہ کے اس سفرنامہ کو بہت غور سے کئی بار پڑھا اور بڑی حیرت ہوئی کہ یہ کتاب ایسے شخص نے لکھی ہے جس نے اس وقت تک یورپ کا سفر نہیں کیا تھا اور وہ یورپ کے طرز تحریر اور طریقہ ذراہمی معلومات عامہ سے واقف نہ تھا مگر اس نے سفرنامہ میں کسی جزو کو باقی نہیں چھوڑا ہر چیز قلبند کر دی۔ لارڈ کرنل نے جب ایران کا سفرنامہ شائع کیا تو ان کی انگریز قوم نے فخر یہ کہا تھا کہ انگریز اس طرح آنکھ کھول کر سفر کیا کرتے ہیں۔ پس اگر میں بھی غازی محمد نادر شاہ کے اس سفرنامہ کی نسبت لیکھوں تو بیجا نہ ہوگا کہ افغان بھی اس گہری نظر سے خدا کی زمین کی سیاحت کرتے ہیں۔ ناظرین اندازہ کر سکیں گے کہ غازی محمد نادر شاہ نے کسی جامعیت سے یہ سفرنامہ لکھا اور طرز قدغن

اور بدخشاں کو کتاب کے آئینہ میں پوری طرح دکھایا ہے۔

افسوس ہے کہ میں پوری کتاب کو نقل نہیں کر سکتا بلکہ کہیں کہیں سے خلاصہ خلاصہ کیا ہے تاہم اس خلاصہ اقتباس سے بھی غازی ممدوح کے طرز تحریر کا اندازہ ہو جائیگا۔ بڑے شہر وں اور چھوٹے دیہات کی پیداوار، موسم آبادی، خانہ شماری، اقوام اور ان کی مراسم اور ان کے نام، یہاں تک کہ ان کی مویشیوں کی تعداد بھی درج کر دی ہے میں نے گھوڑوں، بکریوں، اونٹوں وغیرہ کی تعداد کو چھوڑ دیا اور بہت سی تفصیلات بھی قلم نہ کر دیں کیونکہ سفرنامہ بہت بڑا ہو جاتا لیکن ان سب چیزوں کو دیکھ کر حیران ضرور ہوا کہ کیونکر ایک سیاح نے یہ معلومات دہشتا کی ہو سکی اور کتنی محنت اس معلومات کی فراہمی کے لئے ان کو کرنی پڑی ہوگی۔

غازی موصوف کا سفرنامہ دیکھ کر مجھے شرم آنے لگی کہ میں نے کابل، درغزی اور قندھار کے جو حالات اس سفرنامہ میں لکھے ہیں وہ غازی محمد نادر شاہ کے سفرنامہ کے سامنے کچھ بھی نہیں ہیں۔

غازی ممدوح کے سفرنامہ کی طباعت صاف نہیں ہے نقشے اور عبارتیں نقل کرنے کے وقت محسوس ہوا کہ چھاپی میل لفاظ اڑ گئے ہیں اور ان کا پڑھنا دشوار ہے خاص کر اس شخص کو جو ان مقامات پر گیا ہی نہیں اور وہ ان ناموں سے آشنا بھی نہیں ہے۔ بہر حال میرے ناظرین غازی محمد نادر شاہ کے سفرنامہ کے خلاصہ کو ملاحظہ فرمائیں جو ذیل میں درج ہے۔ اور جس سے میری مع دستاؤں کی تصدیق ہو سکتی ہے

حسن نظامی

سفرنامہ غازی محمد نادر شاہ

خلاصہ

”قطغن اور بدخشاں کے حالات“

اور مغربی جانب ابدال پہاڑ ہے۔ یہ پہاڑ قندوز اور

تاشقرغان کے درمیان واقع ہے جس کی لمبائی افغانی

پیمانہ سے ۲۳۹ کرودہ ہے اور عرض انداز ۹۵ کرودہ ہے۔

علاقہ میں پہاڑ بکثرت ہیں خاص طور سے بدخشاں بہت

زیادہ پہاڑی علاقہ ہے نہایت سخت پتھر کے پہاڑوں

کا ایک سلسلہ قطغن و بدخشاں کو محیط ہے قطغن و بدخشاں

جغرافیہ | قطغن اور بدخشاں کا علاقہ شمالی افغانستان

میں واقع ہے اس کے حدود داربعہ یہ ہیں شمال کی طرف

دریائے آمویہ اور شمال شرق کی طرف پامیرات شرقی

جانب کوئل و دورائے جنوب کی طرف کوئل بریاں اور

کوئل خاک اور جنوب مغربی کی طرف غور کا علاقہ ہے

کے ان حصوں میں جہاں صاف مٹی کے میدان ہیں کاشت کی جاتی ہے۔ عام طور سے پہاڑوں کا بالائی حصہ مٹی سے ڈھکا ہوا ہوتا ہے جس پر آسانی کا شت کی جا سکتی ہے قطعاً میں ہموار زمین بہت ہے بچہ شہ دریاؤں کے بانی سے سیراب ہتی ہے اور جہاں ہر قسم کی کاشت کیجا سکتی ہے لیکن بدخشاں میں ہموار زمین کم ہے اور اکثر ریتی، پتھری اور بنجر زمین ہے جو علمی کہلاتی ہے لیکن کبھی کبھی بھگی ہوئی برف اور چٹموں کا پانی بدخشاں کی زراعت کے لئے فائدہ مند ثابت ہوتا ہے۔

قطغن کے دریا | علاقہ قطغن میں تین دریا بہتے ہیں (۱) دریائے تالقان جو فرخارا اور ورسج سے نکلتا ہے اور (۲) دریائے بنگن جو قطغن کے تقریباً تمام حصوں میں بہتا ہے اور (۳) دریائے عددزی و بغلان ہے جو قطغن کے مختلف حصوں کو سیراب کرتا ہوا قلعہ رال میں دریائے اتویہ میں گرتا ہے۔ تالقان قطغن کا ایک ضلع ہے جس کے نام پر دیا کا نام رکھا گیا ہے تالقان کو اس دریا نے بہت زیادہ سیر کیا ہے ان سب دریاؤں سے مختلف نذر نکلی گئی ہیں جو قطغن کی زراعت کی ترقی کا باعث بدخشاں کے دریا بدخشاں کا سب سے بڑا دریا کو کچھ ہے جو جنوب و مغرب میں بہتا ہے اور تین دریاؤں سے بہتا ہے (۱) دریائے جرم سے جو کرآن و منجان سے نکلتا ہے (۲) دریا نرودون جو بہت سے پہاڑی چٹموں کو ایک ساتھ لیکر

بہتا ہے (۳) دریائے نرودون جو سرخیلان اور تند کی کے مقامات کی طرف سے آتا ہے اور یہ تینوں دریاں پانی کے مقام پر ملتے ہیں جہاں سے دریائے کو کچھ بہتا ہے لیکن عجیب بات ہے کہ دریائے کو کچھ سے بدخشاں کی زراعت کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا اور نہ دریائے جرم کچھ مفید ہے کیونکہ دریائے نرودون بہارک کی ٹلم کھیتوں اور قابل کاشت زمین کو سیراب کرتا ہے اور دریائے نرودون خیر آباد و بہارک کے باغات اور اعلیٰ کی پوری آراضی کو شاداب کر دیتا ہے۔ دریائے جرم برف اور چٹموں کے پانی کا مجموعہ ہے جو زراعت کیلئے بیکار مفید ہے۔ دریائے کو کچھ فیض آباد اور رستاق سے ہوتا ہوا قلعہ رے خاتم میں دریائے اتویہ سے ملتا ہے ان حدوں میں یہ دریا زراعت کے لئے کچھ کچھ مفید ثابت ہوتا ہے اور خصار کے قریب جات میں بھی اس سے کام لیا جاتا ہے۔ (۲) دریائے درائیم اس دریا میں پانی بہت کم رہتا ہے لیکن مفید ہے۔ "المیتن" کے قریب دریائے کو کچھ میں گرتا ہے۔ (۳) دریائے تشکان اس میں بھی پانی ہمیشہ بہت کم رہتا ہے اور یہ آبپاری بھی زیادہ نہیں کرتا۔ دریائے دتایم سے کچھ فاصلہ پر کو کچھ میں گرتا ہے۔ (۴) دریائے کشم اس میں بھی برائے نام پانی رہتا ہے۔ "بل بگم" کے مقام پر دریائے کو کچھ میں گرتا ہے

(۵) دریائے آمو یہ پامیرات سے مکلتا ہے اور یہاں کے
 پنڈوں اور پہاڑوں کے پانی سے دریا بنتا ہے اس کے
 کنارے کنارے بید، عرعر اور متعدد جنگلی درختوں کے
 جنگل ہیں۔ اس دریا کے آس پاس جو گاؤں ہیں انکی زراعت
 کے لئے اس کا پانی استعمال نہیں کیا جاتا۔ بلکہ ان مقامات
 کی زراعت پہاڑوں کے برت کے پانی سے ہوتی ہے جو ارد گرد کے
 پہاڑوں سے بہتا رہتا ہے اور کھیتوں کیلئے بہاؤ دیتا ہے۔ آمو میں چلا جاتا
 ہے دریا آمو یہ کے ارد گرد کے پہاڑوں سے صرف نکال پانی آتا ہے بلکہ
 قدرت نے ان پہاڑوں میں سو گرم پانی کے بہتے چھپے بھی جاری
 کر رکھے ہیں جنکا پانی اس دریا کو دیر باندھ دیتا ہے لیکن سب سے زیادہ پانی
 کی مقدار شتخان رودی اور خادوق کے پانیوں کی ہے جس سے
 دریائے آمو یہ کے عرض و گہرائی میں بہت بڑی ہوتی
 ہے۔ اور پہلے سے دو بالا شان ہو جاتی ہے۔ یہ دریا درہ
 واخان، اشکاشم، غرخی، غار ان شتخان، دروانا ونگہ
 رستان سے ہوتا ہوا حضرت امام صاحب کے مقام پر آتا ہے
 اور پھر وہاں سے تاشقرغان میں آتا ہے جو مزار شریف
 کے علاقہ میں ہے۔ یہ دریا تھکانہ بگری قوں قندوز کے مقام
 پر افغانی حد تک گزرے روس میں چلا جاتا ہے اور افغانستان کی کھدروں
 جڈا کرتا ہے روس کے علاقہ میں پنجاب افغانستان کے کئی دریا ہیں گرتے ہیں
 قسطنطنیہ کے مختصر تاریخی حالات حکومت قسطنطنیہ کی ابتدا
 قندوز میں ہوئی تھی۔ جب سبحان قلی خان امیر بخارا کے

زمانہ میں قسطنطنیہ جماعت ان سے ناراض ہو کر سمرقند سے
 "دشت نبات" میں چلی آئی اور یہاں پر سکونت اختیار
 کر لی تو انھوں نے بالاتفاق بیگ مراد خاں کو اپنا رئیس
 اور قوم کا سردار منتخب کیا جس کے احکام کی قسطنطنیہ قوم
 بہت زیادہ اطاعت کرتی تھی لیکن کچھ دنوں بعد یہ
 جماعت دشت نبات سے کوچ کر کے قندوز چلی آئی اور
 یہیں سکونت اختیار کر لی۔ اس قوم نے یہاں قوت حاصل کی
 اور بیگ مراد خاں نے اپنے تعلقات دوستانہ طور پر حاکم
 قندوز سے قائم کئے لیکن بعد میں حاکم قندوز معزول کر دیا
 گیا اور اس کی جگہ بیگ مراد خاں کو حاکم قندوز بنایا گیا
 بیگ مراد خاں نے حاکم ہونے پر بہت زور پکڑا اور فوجی
 تالقان، امام صاحب، کلنگان، خوشتر اور فرنگت
 کے علاقوں پر قابض ہو گیا۔ اور ایک سال بھی نہیں گزرا
 تھا کہ اس نے کوآب پر چڑھائی کر دی اور اس کو بھی اپنے
 تصرف میں لے آیا اور وہاں کی حکومت اپنے ایک بیٹے
 کے سپرد کر دی اور خود ساتھ میں فوت ہو گیا۔ محمود جو
 اس کے بیٹے کا تابع تھا اسکی جگہ بیٹھا اور اپنے دور میں
 حصار، غدری، تگلان، فرخار، وریج اور مشہد کو بھی
 فتح کر لیا۔ اور پچاس ہزار سواروں کی ایک فوج جمع کر کے
 بدخشاں فتح کرنے کے ارادہ سے دریائے مشہد کے کنارے
 جا پہنچا۔ مقابلہ کے لئے میر یار بیگ خاں آیا لیکن تین دن

کی خوزیری کے بعد میر یار بیگ خاں کو شکست ہوئی اور بخشانی فوج پسپا کر دی گئی محمود سنگ مر کے راستہ سے داخل ہوا مگر یار بیگ خاں فضل آباد میں پہنچ چکا تھا محمود نے اس کا محاصرہ کیا۔ بحالت محاصرہ ناگاہ ایک قاصد بھجان قلی خاں میر بخارا کی طرف سے یہ پیغام لایا کہ درگنج کا خان ایک بڑے لشکر کے ساتھ ہم پر حملہ آور ہوا ہے اور ہم مغلوب ہو گئے ہیں لہذا مدد کے لئے فوراً دھڑاؤ اور وہاں کا خیال چھوڑ دو۔ چنانچہ یہ پیغام ملتے ہی محمود فوراً دس ہزار سواروں کو لیکو بخارا روانہ ہو گیا اور خان درگنج کے لشکر کو شکست دی اور اس کو گرفتار کر کے امیر بخارا کے سامنے پیش کیا۔ امیر نے اور گنج کا علاقہ محمود کو دیدیا اور محمود کو اتالیق کا لقب بھی دیا۔ لیکن محمود نے اپنے ایک ملازم عبداللہ کو اور گنج کی ریاست یدیی چنانچہ اب تک اور گنج کی حکومت عبداللہ کے خاندان میں باقی ہے امیر بخارا نے بلخ کا علاقہ بھی محمود کے سپرد کر دیا۔ محمود بلخ کی حکومت اپنے بھانجے کی نگرانی میں دیکر خود قندھار چلا آیا۔ لیکن مقوڑے دنوں کے بعد ہی اسکے بھانجے نے اطلاع دی کہ بخارا کی فوج حملہ کی تیاری کر رہی ہے اور عنقریب ایک بڑی یورش کے آثار معلوم ہوتے ہیں۔ یہ خبر سنا کر محمود ایک لشکر جرار لیکر فوراً روانہ ہوا اور بخارا کے پہلو کی اچھی طرح گوشمالی کی اور سلطان قلی خاں امیر بخارا کی تخت

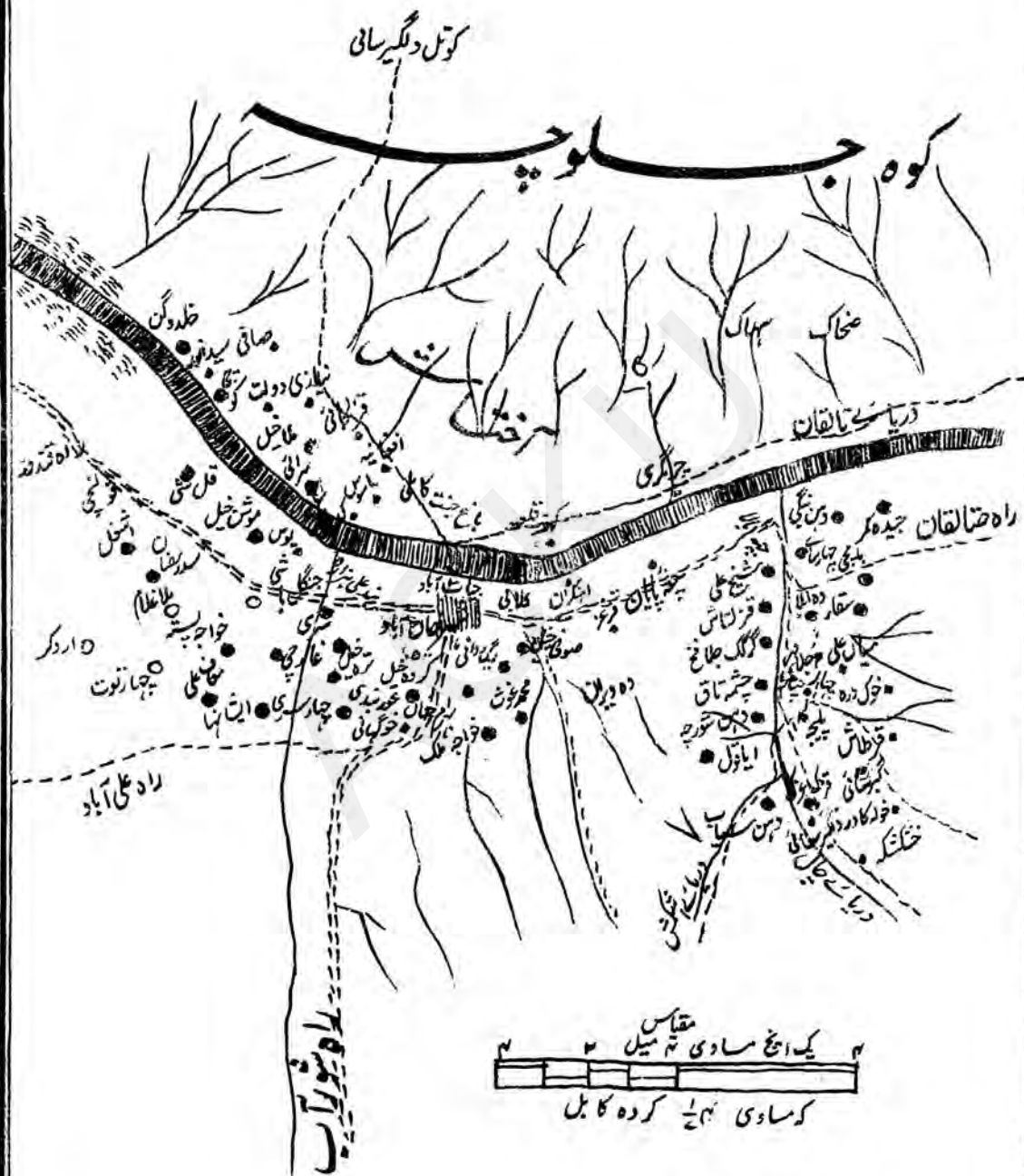
میں یہ غارت نامہ بھیجا کہ جناب میر پ کا منگوار غلام ہوں لیکن بخارا کی فوج نے آپ کے بھٹے ہوئے ملک کو مجھ سے زبردستی لینے کا ارادہ کیا تھا اس لئے مجھ کو ان کی گوشمالی ضروری معلوم ہوئی اب آپ کسی کو بھیجیں تاکہ میں بلخ کا انتظام اسکے سپرد کر دوں۔ امیر موصوف نے اس کے جواب میں محمود کو خلعت بھیجا۔ واپسی کے وقت محمود نے بخشاں پر بھی قبضہ کر لیا اور یار بیگ خاں کو مشہد سے نکال دیا۔

۱۲۰۰ھ میں جبکہ گرمی کا موسم تھا شکم میں دلزلہ لگایا اور محمود اتالیق ایک عمارت کے نیچے دب کر مر گیا۔ محمود اتالیق کے بعد کا بیٹا شہزاد خان تختی تخت پر بیٹھا لیکن دس سال کی حکمرانی کے بعد ۱۲۰۳ھ میں اس کا بھی انتقال ہو گیا۔ شہزاد خاں کے بعد اس کا بیٹا مضرب بے حاکم ہوا۔ لیکن وہ بھی دس سال زندہ رہ کر ۱۲۰۸ھ میں انتقال کر گیا۔ مضرب بے کے بعد اس کا بیٹا محمد یوسف بے حاکم ہوا اس نے بیس سال تک نہایت کامیابی سے حکومت کی اور ۱۲۱۸ھ میں اس عالم فانی سے گذر گیا۔ اس کے بعد ہزارہ بے نے حکومت سنبھالی جو پندرہ سال تک نہایت اقبال مند کے ساتھ حکومت کرتا رہا بالآخر وہ بھی ۱۲۵۰ھ میں حلت کر گیا۔ ہزارہ بے کے بعد اس کے فرزند آرا بے نے حکومت کی باگ سنبھالی۔ اس نے حکومت کے ابتدائی سالوں میں قندھار ہی میں حکومت کی لیکن چونکہ وہ ظالم اور جفا پیشہ

ہو گیا تھا اس لئے وہ سلطنت سے ہٹا دیا گیا اور معزولی کی حالت میں قندوز سے بلخ چلا آیا اور یہیں اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کے باقی بیٹے تھے۔ مگر غربت کا یہ عالم تھا کہ ان کے پاس کھانے کو بھی کچھ نہ تھا۔ یہ لڑکے مضطرب ہو کر کوآب آئے لیکن وہاں بھی ان کا غنچہ اقبال شگفتہ نہ ہوا وہاں سے یہ بدخشاں آئے لیکن وہاں بھی شاہ مقصود نے ان کو اپنا چہرہ نہ دکھایا۔ وہاں سے یہ فرخار پہنچے اور نرہ بیگ حاکم سے ملے جو ان کے ساتھ محبت و خلوص سے پیش آیا یہاں پہنچ کر ان کے اقبال کا ستار اچھکا اور ان شاہزادوں نے ایک جماعت کو اپنا ہمنوا بنالیا اور شکش پرتابھن ہو گئے۔ مراد بے جوان شاہزادوں میں سب سے بڑا تھا اس نے زمام حکومت اپنے قبضہ میں کی اور شکش پرتابھن ہونے کے بعد اس نے تالقان پر حملہ کیا۔ تالقان کا حاکم تاب مقادست نہ لاسکا اور فرار ہو گیا۔ مراد بے نے تالقان کی حکومت اپنے چھوٹے بھائی مضرب جان کے سپرد کر دی اور اہم صاحب پر پیشقدمی کر کے اس کو بھی اپنی حکومت میں شامل کر لیا اور اس مقام کا حاکم اپنے تیسرے بھائی حضرت جان کو بنادیا اور پھر رشتاق پر فوج کشی کر کے اپنے چوتھے بھائی احد بیگ کو وہاں کا حاکم بنایا لیکن ابھی وہ قندوز کی طرف بڑھا تھا کہ احد بیگ کی طرف سے کچھ کسرٹی اور بناوت کے آثار ظاہر ہونے لگے تو اسے

واپس ہو کر اپنے بھائی کے مزاج درست کر دیے مگر اسکے قصور کو معاف کر دیا۔ یہاں سے پھر وہ بدخشاں کی فتح کے ارادہ سے آیا۔ مقابلہ کے لئے بہادر شاہ اور میر باد بیگ ثانی آئے گنجشگان کلفگان میں ایک خونریز جنگ ہوئی مراد بے کامیاب رہا اور مخالفین کو شکست فاش ہوئی اور انھوں نے صلح کی آرزو ظاہر کی اور اس بات پر صلح ہوئی کہ شہد گشتیم کے علاقوں پر مراد بے کی حکومت رہے گی اور بدخشاں کے باقی علاقے ان دونوں کے سپرد کئے جاتے ہیں یہ ۱۲۵۷ء میں اس کا انتقال ہو گیا اس کے بعد شاہ مراد خاں تخت حکومت پر بیٹھا جو اپنے اٹھوں بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا لیکن ہمت و جرأت اور عقلندی میں سب سے بڑا تھا۔ اس نے اپنے سر بھائیوں کو کو مغلوب کیا اس کے تین بیٹے تھے جسکطان مراد، عبد الرحیم اور عبد الکریم۔ تالقان کا علاقہ سلطان مراد کو، ہنرین کا علاقہ عبد الرحیم کو اور غدری کی حکومت عبد الکریم کے سپرد کر کے وہ فتوحات بڑھانے کی طرف متوجہ ہوا۔ اسے سردار محمد اعظم خاں اور سردار محمد فضل خاں کو ایک تہدید نامہ لکھا کہ اگر امن و سلامتی چاہتے ہو تو میری اطاعت کرو اور خراج ادا کرو ورنہ میری فوج ظفر موج کے حملہ کے منتظر رہے گی لیکن ان دونوں سرداروں نے اس حکمنامہ کی کوئی پروا نہ کی شاہ مراد خاں نے ان پر فوج کشی کی تب انھوں نے خراج

118000



دینا منظور کر لیا۔ شاہ مراد خاں مسئلہ میں رعلت کر گیا
 سلطان مراد تہرمن کے حاکم نے حکومت افغانستان کی
 اطاعت قبول کر لی تھی لیکن اس کا دوسرا بھائی عبدالحکیم
 حاکم غوری امیر بخارا کے بہکانے سے سلطنت افغانستان سے
 سرکش ہو گیا تھا۔ امیر بخارا نے ہسکایا تھا کہ وہ افغانیوں
 کے خلاف بغاوت کرے اور آزاد ہو جائے۔ سلطان مراد
 کو بھائی کی یہ حرکت پسند نہ تھی۔ اور امیر بخارا کی یہ شرارت
 بھی اس کو ناگوار ہوئی اس لئے اس نے بلخ کے حاکم سردار
 فیض محمد خاں کو خط لکھا کہ "چار ہزار کاشغر محمدین خاں
 کی سرکردگی میں زرد آلو اور درہ کلنگگان میں روانہ کر دو
 تاکہ امیر بخارا کو اس کی طبیعت کی سزا دی جائے۔" چنانچہ
 امیر بخارا سے جنگ ہوئی جس میں امیر بخارا کو بہت بڑی
 شکست ہوئی اور وہ خوفزدہ ہو کر چترال بھاگ گیا
 سلطان مراد نے محمد حسین خاں کو آجگہ کا حاکم مقرر کر دیا۔
 لیکن ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ قلعہ کے حاکموں
 کی طرف سے سرکشی کی اطلاعاتیں پہنچیں اور معلوم ہوا کہ میر
 قلعہ خود کو آزاد اور افغانی مرکزی حکومت سے الگ
 سمجھتا ہے اور اندرون افغانستان میں اپنی معاذانہ کوششوں
 سے ایک مہیاں اور انقلاب پیدا کرنا چاہتا ہے۔ لیکن یہ
 زیادہ تھا جبکہ افغانستان کی مرکزی حکومت طاقتور تھی اور
 اس قسم کے سرکش حاکموں کی پورے طور پر کوشمالی کیجا سکتی تھی

اس لئے قرین الشرف امیر محمد فضل خاں مرحوم نے اپنے
 بھائی سردار احمد اعظم خاں اور اپنے بیٹے صیبا الملک لید
 کی سرکردگی میں جو اس وقت افغانی افواج کا سپہ سالار اعظم
 تھا قلعہ دبدخشاں کو فتح کر لئے اور مقام کشروں کا قلعہ فتح
 کرنے کی غرض سے ایک لشکر جبار روانہ کیا۔ ان افغانی فوجوں
 نے قلعہ دبدخشاں کے علاقہ کو فساد سے پاک کر دیا اور
 اس پر افغانی مرکزی حکومت کا علم گاڑ دیا۔ اس وقت سے
 سے لیکر اب تک قلعہ دبدخشاں کا علاقہ افغانستان
 میں شامل ہے اور کبھی افغانی حکومت سے باہر نہیں ہوا
 افغانستان کی مرکزی حکومت کی طرف سے وہاں کے
 انتظامات کے لئے ایک نائب حکومت اور مختلف ماتحت حکام
 مقرر کئے جاتے ہیں۔

قلعہ کے حدود اور بلخ | شرقا دبدخشاں کے علاقہ جات
 ہیں۔ شمالاً دریائے امویہ ہے۔ جنوباً کوہ ہندکوش ہے جو کابل
 اور قلعہ کے علاقوں میں حد فاصل ہے۔ اور مغربی جانب
 ترکستان کا علاقہ ہے۔

خان آباد | قلعہ دبدخشاں کے صوبہ کا دارالحکومت
 خان آباد ہے جہاں نائب حکومت مقرر رہتا ہے خان آباد
 کی مشرقی جانب تالقان اور شمال کی طرف حضرت امام حمزہ
 اور مغربی جانب قندوز و تاشقرغان اور جنوب کی طرف
 تہرین اور آندراب ہے خان آباد سطح سمندر سے ۲۵۰۰ فٹ

خان آباد کے مکانوں و دکانوں کی تفصیل

مکانوں و دکانوں کی تعداد	محلہ کا نام
۲۷۱	محلہ خواجہ پالک
۱۵۰	محلہ چہار یکار
۱۱۳	محلہ تختہ گبرک
۱۸	محلہ دروازہ کابل
۵	محلہ نجات
دکانوں کی تعداد	دکاندار
۵	بقال
۱۸	سمنار
۹۰	سمادار فروش
۲	خوردہ فروش
۴	جلباہ اور دھنیا
۱۶	فصلی گر
۵	کلال
۸	نعل بند
۸۰	بنیہ
۷	رنگرینز
۱۰	ناسنائی
۹	قصاب

بند ہے یہاں کی آب و ہوا صحت کے لئے مفید نہیں ہے
ماہ سنبدا اور ماہ میزان سے لیکر ماہ عقرب تک طیریا کا بہت
زیادہ زور رہتا ہے۔ زکام و کھانسی کے مرض بھی یہاں بکثرت
ہیں تقریباً ۵۰ فیصدی لوگ مختلف امراض کا شکار رہتے ہیں
گرمیوں اور سردیوں میں مغرب کے بعد سے صبح تک روزانہ
ٹھنڈی ہوا چلتی رہتی ہے۔

شہر اور اطراف شہر میں مختلف اقوام آباد ہیں بھڑارہ،
ازبک اور تاجک قبائل کے لوگ بکثرت ہیں لیکن خان آباد
کے پڑائے اور اصل باشندے بہت کم ہیں اطراف کے آئے ہوئے
زیادہ ہیں۔ خان آباد کے شمالی جانب دریا بہتا ہے۔ یہاں ایک
خوبصورت باغ بھی ہے اور ایک خوبصورت محل حیات آباد
بھی باغ کے قریب ہی موجود ہے۔ خان آباد کے چاروں طرف
بند بند گودہ ہائے خاکی ہیں اور وہ بہت ہی نشیب میں
واقع ہے۔ چاروں طرف کا پانی خان آباد کے میدان میں
اکٹھا ہوتا ہے اور ایک جانب دریا سے خان آباد ہے اور
یہی وجہ ہے کہ شہر خان آباد کی آب و ہوا بہت خراب ہے۔

خان آباد قلعہ میں ایک بہت بڑا شہر ہے۔ یہاں کا
بازار بہت مشہور ہے جس میں ضرورت کی تمام چیزیں ملتی ہیں
شہر میں چار بڑی سڑکیں اور ایک بڑا بازار ہے۔

خان آباد میں ۴۴ گھر ۳۹ دکانیں ۱۹ سرائیں

اور ۲ جامع مسجدیں ہیں۔

نام دکاندار	تعداد دکان	نام دیہات	تعداد مکانات
پوشین فروش	۴	گرگ	۷۴
اسباب کمنہ فروش	۷	میان علی اور خوک درہ	۴۳
شہر کی دونوں جامع مسجدیں محلہ شہ خان تاجر		جلامیر	۱۲۷
محلہ چار یکا را در سمندر خاں کو توال شہر نے تعمیر کرائی ہیں۔		سقاب	۵۵
شہر میں دو حمام ہیں ایک سرکاری ہے دوسرا		دہانہ بنگی اور شیخ علی	۳۰
محلہ شہ خان تاجر چار یکا را نے تعمیر کرایا ہے۔ ۱۹ سرائیں		باجی	۴۰
ہیں جن میں سے ایک سرکاری ہے اور باقی تاجروں نے		قرنیش	۸۰
بنوائی ہیں۔		قشلاق اور اٹلا	۱۹۶
سمت مشرقی خان آباد کے دیہاتوں کی تفصیل		چار سائے و جلابنجی	۸۰
ذیل میں سمت مشرقی خان آباد کے دیہاتوں کے		چوٹہ	۱۰۴
نام اور وہاں کے مکانات کی تعداد کی تفصیل بصورت		دہ ویران	۶۰
نقشہ پیش کی جاتی ہے۔		چیدہ کمر	۲۵
		قرغز	۵۴
نام دیہات	تعداد مکانات	میزان کل مکانات ۱۵۹۰	
جنگشک	۷۷	سمت شمالی خان آباد کے قریہ جات کی تفصیل	
دلگرسائے	۹۷	قریہ کا نام	مکانات کی تعداد
بولہ کادر	۵۳	کوہ جیلو جہ	۳۷۱
گرسالہ قرہ طاس اور تیرین	۱۳۳	سُہاک	۲۱
بنگی اور پٹہ طاق	۸۱	قشلاق چرکری	۱۵
دہلچہ اوچا چار چار اور دہانہ سیاب	۱۰۱	بائوس	۳۴
قشلاق فاضل	۸۰		

قریب کا نام	مکانات کی تعداد	دیہات کا نام	مکانات کی تعداد
قشلاق کابلی	۱۸	چاشت چہار سہری	۷
سرے افغانیہ	۸۹	تیرہ خیل	۵۷
قرل سائے	۱۴	غارجی	۳۹
قشلاق سرے	۲۵	ایشان توت	۱۷۶
کدوگن	۵۰	خواجہ پستہ	۳۰
جنت باغ	۱۵	قشلاق ملا غلام	۹۱
ملا خیل	۲۶	مُعان علی	۱۲
سبازی	۱۷۲	زرد کمر	۵۸
دولت یار	۲۹	میزان مکانات ۶۱۶	
کوچی اختلاش	۲۴۲	سمت جنوبی خان آبا کے دیہاتوں کی تفصیل	
صافی	۵۹	سمت جنوبی کے دیہات چہار توت کے نام سے مشہور ہیں۔	
بورین	۱۴۲	نام قریب	تعداد مکانات
سدر رمضان	۲۰۲	کرد خیل	۸۱
سیدانور	۳	خواجہ پالک	۴۰
میزان کی ترتیب ۱۳۲۷		ریگ روانی	۲۸
سمت غربی خان آباد کے دیہاتوں کی تفصیل		قشلاق محمد غوث	۶۷
سمت غربی خان آباد کا علاقہ جنگل ہاشمی کے نام سے مشہور ہے وہاں کے دیہات اور مکانات کے اعداد و شمار درج ذیل ہیں		صوفی خیل	۱۳۶
دیہات کا نام	مکانات کی تعداد	قشلاق بہرام خاں	۷۰
بندر علی ہزارہ	۱۴۶	خوگیانی	۷۴
		غور بندی	۷۵
		کل میزان ۵۷۱	

شہر اور نواح خان آباد میں ۳۱۹۲ گھر ہیں جس میں اندازاً بارہ ہزار لوگ بستے ہیں۔ اقوام تاجک، ہزارہ، ازبک اور افغان ہستی میں باہم مخلوط ہیں۔

زراعت | خان آباد کے اطراف کی زمینیں کئی قسم کی ہیں۔ اعلیٰ قسم کی زمینوں میں جہاں زراعت کے لئے پانی اچھی طرح مینا ہو جاتا ہے مختلف قسم کی کاشت کی جاتی ہے گیہوں، جو، کئی قسم کے چاول، ماش، جوار، گنا، روئی اور کئی اقسام کی ترکاریاں بونی جاتی ہیں اور ان کی باقاعدہ کاشت ہوتی ہے اور وہ حصہ زمین جو ٹہنی کہلاتا ہے وہاں گیہوں جو پیدا ہوتا ہے اور خربوزہ و تربوز بھی پیدا ہوتا ہے۔ لمبی زمینوں پر خربوزہ کی کاشت بہت مفید ثابت ہوئی ہے۔ اور خان آباد کا خربوزہ شیرینی اور مزہ کے لحاظ سے تمام افغانستان میں مشہور ہے۔ سابقہ حکومتوں کے زمانے میں خان آباد کی تمام قابل کاشت اور بہترین زمین جنگلوں میں منتقل ہو گئی تھی اور اس کی کسی قسم کی کاشت نہیں ہوتی تھی لیکن علیحضرت ضیاء الملک والدین اور علیحضرت امیر شہید اور شاہ امان اللہ خان کے زمانہ میں ان جنگلوں کو کاٹ دیا گیا اور یہاں آبادی کا بندوبست کیا گیا اور تمام جنگلی زمینوں پر زراعت کرائی گئی۔ اب بھی ہر سال بہت سے جنگلوں کو خوبصورت اور مفید کھیتوں کی شکلوں میں تبدیل کیا جاتا ہے۔

میموے | خان آباد کے اطراف میں شاہ قوت زرد آلو،

آلوچہ، بہی، شفتالو، آمو بابو، ناک، عتاب، خربوزے اور تربوز وغیرہ بہت کثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔

صنعت و تجارت | خان آباد کے علاقہ میں جو قومیں آباد ہیں وہ مختلف طریقہ پر کسب معاش کرتی ہیں پیشہ دروں کا ایک نقشہ اوپر گزر چکا ہے جس سے خان آباد کی صنعت کا ایک اندازہ ہو سکتا ہے۔ ہزارہ قوم کے لوگ کپڑا اور بھٹیں چلتے ہیں اور کپڑا بھی بناتے ہیں۔ اور تاجک قبیلہ کے لوگ بھی مختلف قسم کے کپڑے بناتے ہیں۔ اور افغانی لوگ زیادہ تر زرگری اور کاشتکاری کرتے ہیں۔ اور یہ سب قبائل تجارت بھی کرتے ہیں۔ چادلوں کی تجارت کا کاروبار بخارا، کابل، مزار شریف اور سرحدوں تک وسیع ہے۔

زار روس کے زمانہ میں یہ قبائل ترکستان، بخارا، افغانستان اور روس کے درمیان تجارت کرتے تھے۔ رشیم کے باریک کپڑے قالین، کشمیری شالیں، اور چین و بخارا کے تیار کئے ہوئے کپڑوں کی تجارت ان کے قبضہ میں تھی لیکن اب روس بخارا و ترکستان کی تجارت ان کے قبضہ سے نکل گئی ہے اور وہ راستے ان کے لئے مسدود کر دیے گئے ہیں۔ اس لئے یہ لوگ اب کابل، چترال، پشاور وغیرہ میں چائے، قند اور میووں سے لدا ہوا سامان لاتے اور بیچتے ہیں۔

خوراک | شہر اور قریب جوار کے بننے والے اپنی حیثیت کے مطابق اچھا کھاتے ہیں۔ ہر قسم کے چاول، مختلف قسم

کی ترکاریاں، اور روٹی ان کی عام غذا ہے۔ روٹی کے ساتھ اچھا سالن کھاتے ہیں اور غلہ و ترکاریوں کی قسم سے جو کچھ زمین سے پیدا ہوتا ہے اسکو کھانے میں دیرینہ نہیں کرتے۔

لباس | تمام قبائل اور شہری سب عمدہ لباس پہنتے ہیں اور لباس کے معاملہ میں خرچ کی پروا نہیں کرتے۔ شہر کے سب لوگ خوش خوراک و خوش لباس ہیں دیہات کے لوگ شہریوں سے مختلف ہیں اور وہ عام طور پر سر پر عمامہ باندھتے اور پاؤں میں موزہ ضرور پہنتے ہیں۔

رسم و رواج | شادی کی رسم میں اقوام ازبک ہزارہ کی قدیم رسم یہ تھی کہ لڑکی والے داماد سے گھوڑے بکریاں کھیت، باغات، نقد روپیہ اور زیادہ سے زیادہ سامان لئے بغیر شادی نہیں کرتے تھے۔ اور لڑکی کو جھیز میں لباس اور نقد روپیہ حیثیت سے زیادہ دیتے تھے۔ داماد کو گھوڑا دیتے تھے اور لڑکے والوں سے جو کچھ وصول ہوتا تھا وہ سب بیاہ کی رسموں میں خرچ کر ڈالتے تھے لیکن جب سے حکومت افغانستان نے ”نظام نامہ نکاح و عروسی“ بنایا ہے وہ پہلے کی طرح اسراف سے باز آگئے ہیں۔ اور نکاح کی فضول رسموں میں روپیہ برباد نہیں کرتے اور جانہین نظامیہ نکاح کی پابندی کی وجہ سے اپنی حیثیت سے زیادہ خرچ نہیں کر سکتے اور اس سے انکی مالی حالت دن بدن ترقی کر رہی ہے۔

غنی کی مراسم | اقوام ازبک و ہزارہ میں غنی کے موقع پر لیغور رسم جاری تھی کہ مرنے والے کے مال کو بیکار کاموں میں اتنا صرف کرتے تھے کہ سب نقد و جنس ختم ہو جاتا تھا۔ اور بچارے بچے زندگی بھر کے لئے مفلس ہو جاتے تھے لیکن اب یہ مذموم اور ناجائز رسمیں بند ہو گئی ہیں۔ اور سب قبائل حکومت کے ”نظام نامہ“ کی پابندی کرتے ہیں۔

اسلحہ | ازبک و ہزارہ قوموں میں بندوق کا رواج نہیں ہے۔ وہ ایک خاص قسم کا کلکڑی کا ہتھیار بناتے ہیں جو انسان کے قد سے بھی اونچا ہوتا ہے اور جس کو وہ ”یشاق“ کہتے ہیں۔ اور افغانی لوگ اعلیٰ قسم کی بندوقیں رکھتے ہیں جو انگریزی و روسی بندوقوں کی طرح ہوتی ہیں اور وہ تلواریں بھی رکھتے ہیں۔ خان آباد کے علاقہ میں کئی ہزار بندوقیں اور تلواریں اور دیگر اسلحہ لوگوں کے ہاتھ ہیں۔

علماء و تجار | خان آباد میں حسینیل اشخاص کمپبلک میں بہت اثر و رسوخ حاصل ہے۔

ملا محمد عیسیٰ تاجر	سلطان عطا ہند خاں
محب اللہ خاں تاجر	چقان نگباشی سجانی وکیل
غلام محمد خاں تاجر	حاجی غلام حیدر تاجر
محمد عظیم خاں تاجر	محمد عمر جہار بیکاری تاجر
غلام حیدر خاں تاجر	ملا سید فقیر
میر محمد شاہ تاجر	فضلو خاں تاجر

اندراپ۔ تہرین۔ ایشک چہ۔ دہ ویران۔ غوری۔ چال شکرش
قندوز۔ تاشقرغان اور ہزار جاے تک جاتی ہیں۔

(۹) شرقی جانب ایک بڑی سڑک ہے جو سڑک خجندیک
کے نام سے مشہور ہے۔ یہ سڑک بنگی۔ تالقان اور بدخشاں تک جاتی
ہے۔ خجند ایک مقام کا نام ہے جہاں دریائے تاشقان اور
دریائے بنگی ملتے ہیں۔

قطغن کے پل | علاقہ قطغن میں دریاؤں پر چوبل ہین کی
تعداد پندرہ ہے ان کے نام درج ذیل ہیں:-

(۱) پل دریائے اندراپ (۲) پل چوبی (۳) پل دریا آزد
(۴) پل دریائے کش آباد (۵) پل باجگاہ (۶) پل خجنان
(۷) پل ذرخجنان (۸) پل رود لایان خجنان (۹) پل دوشی
(۱۰) پل خمری غدری (۱۱) پل خوست (۱۲) پل زوردر (۱۳) پل درہ خیلاب
(۱۴) پل درہ خیلاب (۱۵) پل درہ خیلاب۔

درہ خیلاب کے نام سے تین پل موسوم ہیں کیونکہ یہ سب
درہ خیلاب مقام پر ہیں اور یہ پل دریائے بنگی پر ہیں۔ وہاں
پل خمری غوری جو پل خشتی غوری کے نام سے بھی مشہور ہے
اس کو عبداللہ خان بادشاہ بلخ نے بنوایا تھا۔

قطغن میں آبادی کی گنجائش | قطغن کے تمام اطراف
نواح پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں
بھی مزید آبادی کی بہت گنجائش ہے اور وہاں ایسی خالی زمینیں
بھی بہت ہیں جو زراعت کے قابل ہیں۔ اور ایسی بھی بہت ہیں جو

علی محمد خاں تاجر

جمیعہ خاں تاجر

مولوی محمد یعقوب تاجر

میر سید عبدالحکیم

تاش محمد سنگاشی

ارجن ہر سنگھ

دوست محمد افغانی سنگاشی

محمد نسیم وکیل قوم طغلاوی

طاوہل بیگ لد قابل بیگ

سڑکیں | (۱) خان آباد سے ایک سڑک نکلتی ہے جو ڈار

قرزل سائی اور دشت آچی سے ہوتی ہوئی شہر وان پر ختم ہوتی

ہے۔ (۲) دوسری سڑک شمالی جانب سے جو حضرت امام صاحب

اور دیگر سائی تک جاتی ہے (۳) تو لک سے ہوتی ہوئی تھوڑا

اور تختر کوہ تک جاتی ہے (۴) حضرت امام صاحب تک جاتی

اور اس کے علاوہ سمت شمالی میں اور بھی کئی سڑکیں ہیں جو

حضرت امام صاحب تک چلی گئی ہیں۔

مغربی جانب بھی کئی سڑکیں ہیں جو خان آباد سے قندوز

تک جاتی ہیں اور بعض سڑکیں تاشقرغان تک بھی جاتی ہیں

ان راستوں کے علاوہ یہ سڑکیں بھی مشہور ہیں (۵) سڑک بوئین

(۶) سڑک سدر رمضان (۷) سڑک چہار سیری (۸) سڑک جرز۔

جنوبی حصہ میں بھی کئی مشہور سڑکیں ہیں جو شوراب،

جو معمولی توجہ سے قابل کاشت ہو سکتی ہیں اس لئے کٹھن کے اکثر حصوں میں جاری پانی بکثرت ہے اس کے علاوہ بہت آسانی سے ہر مقام پر پانی کی نہریں نکالی جاسکتی ہیں۔ اس لئے یہ یقینی ہے کہ اگر بیکار پڑی ہوئی زمینوں کی آبپاشی اور آبیاری کچھلے تو قطن کی پیداوار میں حیرت انگیز اضافہ ہو سکتا ہے۔ موجودہ دور نادر میں ترقی کا کام شروع کر دیا گیا ہے۔ نظامی اور موجودہ آبادی سے دو حصہ در زیادہ آبادی نہایت خوشحالی اور اطمینان و آرام سے زندگی بسر کر سکیگی۔

موٹی | اندراب، بخدان، غوری، قندوز، امام صاحب
نوح خان آباد و تالقان میں گھوڑے اور بکریاں بہت ہیں کیونکہ عرب، افغان، کادوی، سبجانی، ترکمانیہ، ہزارہ، لڑخانی اور قندھاری قوموں میں ان کے پالنے کا رواج ہے۔ یہ قبائل ان مویشیوں کی تجارت کرتے ہیں صرف خان آباد میں پانچ لاکھ سے بڑے گائے بکریاں اور گھوڑے خچر ہیران میں صرف کبریوں کی تعداد ۱۰۱۸۰۰ ہے۔

اندراب | اندراب قطن کے ماتحت درجہ اول کی حکومت ہے،
اس کے ماتحت خوست، فزانگ اور خجنان کے علاقے بھی ہیں سطح سمندر سے ۵۶۲ فٹ اونچا ہے، پارہ حرارت ۹۵ درجہ ہے خان آباد سے ۶۳ کروہ (افغانی پیمانہ) سمت جنوبی کی طرف واقع ہے۔ یہ مقام حکومت کی حفاظت کے لئے بہترین ہے اگر کبھی کسی وجہ سے حکومت کو دارالسلطنت بدلنے کی ضرورت پڑے

تو اس سے بہتر دوسری جگہ ملنی مشکل ہے کیونکہ قدرت نے اس مقام کو چاروں طرف سے محفوظ کر دیا ہے۔ اگر اس مقام پر تھوڑی سی فوج ہو تو وہ پیش قدمی کرنے والی جہاز فوج کو آگے بڑھنے سے روک سکتی ہے۔ اندراب کا علاقہ خوست بھی بہت محفوظ جگہ ہے۔ چاروں طرف سے غنیم کے لئے آمد کا راستہ بند۔ صرف ایک طرف معمولی راستہ ہے جس پر اگر دس جوان ہوشیاری سے بیٹھ جائیں تو مخالف کے ہزاروں آدمیوں کو ہلاک کر سکتے ہیں قطن۔ مزار شریف اور پنجشیر کے درمیان واقع ہے اس لئے ہر قسم کی امداد اور سامان آنے کے لئے رستے موجود ہیں۔

آب ہوا بہت اچھی ہے۔ ٹھنڈی ہوا اور صحتی بہتی ہیں جو صحت کے لئے مفید ہیں۔

مکانات و روڈ کالیں | اندراب میں ۱۴۳ مکانات ہیں جن میں
اندازاً ۱۵۰۰۰ ہزار آدمیوں کی آبادی ہے۔

بازار بنو میں پچاس دکانیں ہیں اور ”صالح“ میں ساٹھ ہیں۔ شہر میں دوسرائیں ہیں اور ”ریاضت“ سنگ ہران میں در ”صالح“ نشان اور کشتن آباد میں بھی ایک ایک مدرسہ ہے حکومت اندراب کا مرکزی مقام قشلاق بنو ہے اندراب کے چاروں طرف دیہات ہیں جو ایک کروہ سے لیکر پندرہ کروہ تک دور ہیں۔ ذیل میں اندراب کے دیہاتوں اور ان کی بعد مسافت کا نقشہ درج کیا جاتا ہے۔

گاؤں کا نام	مفت	گاؤں کا نام	مفت
-------------	-----	-------------	-----

بنو حاکم کشین خوش درہ	۲ کردہ	اولاد	۴ کردہ
پنجاہ	۱۶ کردہ	دہ یک	۷ کردہ
کشن آباد	۱ کردہ	قشلاق تاجگان	۱۰ کردہ
رنج	۳۳ کردہ	سمندان	۱۴ کردہ
دہ صلاح	۳۳ کردہ	تیر کران	۱۰ کردہ
خارپشتہ	۶ کردہ	پس کنڈی	۱۴ کردہ
درہ قلات	۷ کردہ	سنگ بران	۲ کردہ
قشلات میتاد	۲ کردہ	نوبہار	۶ کردہ
دہ زنگ	۳۳ کردہ	لکڑیار	۸ کردہ
درہ قاصان	۶ کردہ	سراب	۱۲ کردہ
درہ آرزو مشہور لنگ	۴ کردہ	واغدرہ	۸ کردہ
سرپل	۱ کردہ	درہ شور	۱۲ کردہ
رنج	۲ کردہ	شاشان	۷ کردہ
ارزنگان	۱ کردہ		

اندراب کے قبائل

اندراب میں خاصان، مفروض، بنوہ، پشہ، ہزارہ، افغان، تاجک، قرغلی اور قوزی قبائل کے لوگ بستے ہیں۔

پہاڑیاں

اندراب میں کئی خوبصورت پہاڑیاں ہیں، نوبہار اور دشت شیر اچھی پہاڑیاں ہیں۔ تل میر غازی ایک بہت ٹھنڈی جگہ ہے اور اندراب میں مشہور ہے۔ اکی لہری

چھ ہزار تین سو پچاس فیٹ اور چوٹی پر قدرتی حوض ہے اور عمدہ عمدہ درخت ہیں اور کئی مکانات بھی ہیں۔ اس کے آس پاس شہنشاہی اور تاجک قوم رہتی ہے۔ اس کے شمالی جانب درہ شاشان ہے جہاں سے ایک راستہ خوست جاتا ہے۔ قشلاق اندراب کے قریب ایک جگہ ہے جہاں قدرت نے گرم پانی کا چشمہ جاری کر رکھا ہے، اس چشمہ کا پانی سماوار کے کھولتے ہوئے پانی کی طرح گرم ہے۔ اس پانی میں اگر مرغی کا انڈا ڈال دیا جائے تو چار منٹ میں ابل جائیگا اور وہاں کے لوگوں نے اس کا بار بار تجربہ بھی کیا ہے۔ ہنارے میں یہ پانی بہت خوشگوار اور مفید ہے (معلوم ہوتا ہے یہاں گندک کی کان ہے جس نظامی)

زراعت

ان زمینوں پر جہاں قدرتی پانی بکثرت موجود ہے یہاں کے قبائل گھیوں، جو، جوار، باقلہ، اور بہت قسم کی ترکاریاں بولتے ہیں۔ اور ان زمینوں پر جو نلکی کھلاتی ہیں اور جہاں پانی کا مناسب انتظام نہیں ہے یہ لوگ صرف گھیوں جو اور دو تین قسم کی ترکاریاں بولتے ہیں۔ نلکی زمین پر نہ کاشت اچھی طرح ہوتی ہے اور نہ پہاڑی علاقے کی ہوتی ہے۔

میوے

اندراب میں سیب، انگور، اخروٹ، زرد آلو، شفتالو، شاہ توت، خربوزے، تربوز اور ناک بہت کثرت سے ہوتے ہیں لیکن کوک سلطان، آلو بالو، آلوچہ اور گیلکاس کم ہوتا ہے۔

صنعت و تجارت

اندراب کے افغان قبائل بجز

زراعت اور کاشتکاری کے کوئی دوسرا پیشہ نہیں کرتے ہزارہ قبیلہ کے مالدار لوگ اذن کے مختلف کپڑے۔ مندرے کمل، وغیرہ بناتے ہیں جو افغانستان میں عام طور پر مستعمل ہیں تا جب قبیلہ کے لوگ بڑھتی اور لوہاری کرتے ہیں اور موزہ بھی بناتے ہیں، اور کشمیر اور چوغہ اور کئی قسم کے اونی کپڑے بناتے ہیں اور چمڑے کا کام بھی کرتے ہیں۔

یہاں کے قبائل عام طور پر بھیڑ بکری اور گھوڑوں کی تجارت کرتے ہیں۔ اپنے علاقہ کی پیداوار کا بل لجاتے ہیں اور وہاں سے مروجہ لباس اور سامان اپنے ہاں لاتے اور فروخت کرتے ہیں ان کی رسم و عادت خان آباد، غدری اور بنگلان کے لوگوں کی طرح ہے قطفن کے لوگوں کی بہ نسبت یہ زیادہ جری اور بہادر ہیں۔

اسلحہ یہاں کے لوگ انگریزی اور روسی ہندو قوں کی طرح خود ساختہ ہندو ق استعمال کرتے ہیں اور مختلف قسم کی بارودوں اور پٹاسوں کو کام میں لاتے ہیں۔ اور تلوار اور تیز دھار کے ہتھیار بھی پاس رکھتے ہیں۔

آب و ہوا یہاں کی آب و ہوا بہت اچھی ہے۔ کابل کی طرح یہاں کا موسم خوشگوار ہے اور یہاں کا پانی بہت صاف ہے۔ خاص طور سے کشن آباد کا پانی بہت ہی عمدہ ہے اور اس علاقہ میں سب سے بہتر اور مفید اور زود و مفید تسلیم کیا گیا ہے۔

پیداوار اطراف اندراب میں پیاز، زیرہ، لہسن، بادام

کدو، لکڑی، سیرکوی، درویش شقائق، سمارق، تودہ قرنی اور کئی قسم کی ترکاریاں پیدا ہوتی ہیں۔ اندراب کے علاقہ میں باغات اور چمن زراعت میں ہلکے ہفتہ بڑی کثرت سے ہوتا ہے اور اندراب کی پہاڑیوں میں باجونا، پودینہ، درمنہ ترکی، مرزنجوش، اور گندما بھی بہت ہے۔

اس کے علاوہ اندراب گھوڑوں کی تجارت کے لئے تمام افغانستان میں مشہور ہے "اسب تشنگ" بہترین افغانی گھوڑا ہے جو اندراب کے علاقہ میں ہوتا ہے، اندراب کے جنگلوں اور میدانوں میں کبوتر، خرگوش، چرن، مرغابی، کبک، سیسی، بونڈ اور قشقار بھی بکثرت ہیں۔ اور لوگ ان جانوروں کے شکار سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ اس علاقہ میں دریائی کتا بھی موجود ہے اس کے شکار کے بھی لوگ شوقین ہیں۔

سڑکیں اندراب کے مغربی جانب تلو، خان آباد، اور خنجان کی سڑکیں ہیں اور مشرقی جانب خادک کی سڑک ہے اور جنوب کی طرف ہاندرہ اور آرزو کی سڑکیں ہیں۔ اور ایک سڑک "ہزار چشمہ" بھی ہے جو کوہستان کابل تک جاتی ہے اور شمالی جانب سڑک قاصمان ہے۔ یہاں سے ایک سڑک خوست اور فرنگ تک جاتی ہے اور بہت ہی دشوار گزار اور مشکل راستہ کو طے کرتی ہے۔

خوست اور فرنگ خوست و فرنگ درجہ اول کی علاقہ ہے اندازاً پارہ حرارت ۹۵ ڈگری ہے سطح سمندر سے ۸۸۰

12821

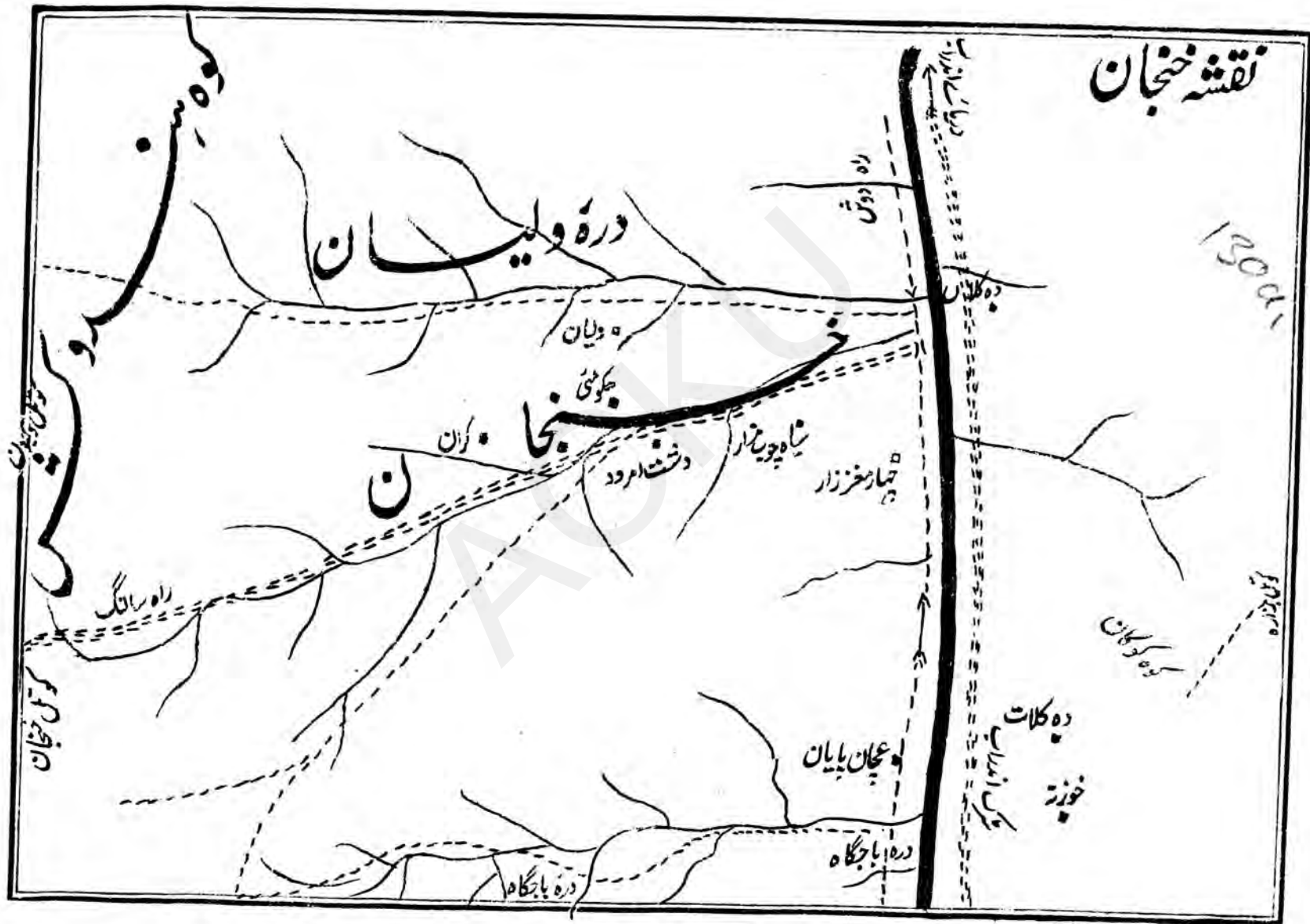


بلند ہے۔ خوست و فرنگ میں ۳۴۵۵ مکانات ہیں۔		
خوست اور فرنگ کے علاقہ علاقہ خوست و		
کے دیہات کی تفصیل فرنگ میں کئی درے		
ہیں جہاں مختلف قبائل رہتے ہیں اور جو مختلف دیہاتوں میں		
آباد ہیں ذیل میں پوری تفصیل درج کی جاتی ہے۔		
نام درہ	نام گاؤں	تعداد مکانات
ہزارہ گاوی	ہزارہ گاوی	
	تشلاق قوم تاجک	
	تشلاق قوم ہزارہ	
	تشلاق ورجی قوم تاجک	
	تشلاق سچی قوم تاجک	
تشلاق فادزو قوم تاجک	تشلاق فادزو قوم تاجک	
	تشلاق پشتہ بازار قوم تاجک	
	تشلاق دامنہ ہزارہ	
	تشلاق خم خفی تاجک	
	تشلاق چہار صفحہ	
تشلاق ہزارہ	تشلاق ہزارہ	
	تشلاق خنجانی	
	نفس خاموش دودہ است	
	نفس دوآبی	۳۰
	خوش درہ	۱۰۰
نفس دوآبی		

نام درہ	نام گاؤں	تعداد مکانات	
چهارباغ ہزارہ	چهارباغ ہزارہ	۵۰	
	قلعہ میرآشیاں	۴	
	گزر قوم تاجک	۹۰	
	درہ خباری	۱۰	
	کچ ناؤ	۱۵	
مروان	مروان	۴۰	
	درہ پشہ	۳۰	
	فرعایل تاجک و ہزارہ	فرعایل تاجک و ہزارہ	۸۰
		چہار تشلاق قوم تاجک	۱۰۰
		نلم قوم تاجک	۱۳۰
لب گزر قوم تاجک		۳۰	
مدرسہ قوم تاجک		۲۰	
خود ایچاتی قوم تاجک	خود ایچاتی قوم تاجک	۳۰	
	منگان	۲	
	شلخی	۳۰	
	یخرم	۸۰	
	وخران	۳۰	
باو حسانہ	باو حسانہ	۴۰	
	دہ کلاں	۲۵	
	دریامی	۲۵	

نام درہ	نام گاؤں	تعداد مکانا	نام درہ	نام گاؤں	تعداد مکانا
۷	یارند قوم ہزارہ و تاجک	۱۰۰	۸	دہ یک	۲۰
۵۵	دہ خواجہ	۳۰	۹	اولاد	۳۵
۱	دشت رباط	۶۰	۱۰	دہ طاری	۵۰
	قشلاق یا مکہ ہزارہ	۵۰	۱۱	دہ مزاری	۳۰
	عزیزان	۴	۱۲	خواجہ منور	۲۰
	صیاد	۲۵	۱۳	درہ ساگو بلاق	۱۵
	ملور	۳۰	ان مواضع میں رہنے والی اقوام کی تعداد ۱۴ ہزار اندازاً ہے۔ لیکن ہے کچھ زیادہ ہو۔ خوش درہ مقام پر ایک کان سیسہ کی بھی ہے۔ دریائے خوست میں خوست کے قبائل سونا تلاش کرتے ہیں اور کامیاب رہتے ہیں لیکن قبائل کے مالدار لوگ اس پیشہ کو پسند نہیں کرتے۔ خوست موضع خوست ایسی جگہ واقع ہے جس کے چاروں طرف پہاڑ ہیں اور وہ قدرتا بہت زیادہ پستی میں ہے۔ سطح سمندر سے ۴۵۰ فٹ بلند ہے۔ شہر خوست کی ہوا زیادہ خوشگوار نہیں ہے۔ سردی میں بہت زیادہ سردی پڑتی ہے اور گرمی میں بہت زیادہ گرمی۔ اطراف میں جنگل بہت ہیں۔ سٹریکیں شہر خوست میں زیادہ ٹکریں نہیں ہیں جن کی طرف "سٹریک یرم" اور "شہنشان" دو سٹریکیں ہیں۔ فرنگ فرنگ بہت اچھی جگہ ہے۔ یہاں کی آب و ہوا بھی بہت عمدہ ہے۔ سطح سمندر سے ۵۸۵۵ فٹ بلند ہے۔ فرنگ		
	دوک تر نشان	۸۰			
	قشلاق بازار تاجک	۵۰			
	مراد شہر	۳۰			
	یخچہ	۵۰			
	تلیک	۵۰			
	زیوی	۴۰			
	صادق	۵۰			
	ملا عبد الرحیم	۲۰			
	دشت شاہان	۴۰			
	درہ آب	۱۰			
	میزا پگاہ	۳۰			
	دہ نو	۱۵			
	اصفیان	۳۰			

نقشه خنجان



ایک حصہ ۳۵ء۔ انیسٹ تک بلند ہے، اسکو سیاہ چاہ کہتے ہیں یہاں سے خنجان اور خاوش کی مسافت ۷۰۰ کر دہ ہے۔

زراعت | زراعت کھیلے فزنگ کی زمین بہت مناسب ہے یہاں لکمی زمین کم ہے اور اکثر وہ زمینیں ہیں جہاں آب سانی پانی پہنچا رہتا ہے۔ چنا، جو، گہوں، جوار، شاخل اور کئی طرح کی ترکاریاں بوئی جاتی ہیں۔

میوہ | توت، انگور، سیب، اخروٹ، شفتالو، زردالو، گیللاس بکثرت ہے اور جی بھی ہے لیکن کم۔

صنعت | فزنگ میں ہزارہ قبائل کے عام لوگ گھوڑوں اور بکریوں کی گلہ بانی کرتے ہیں۔ اور مالدار لوگ اونی اور سوتی کپڑوں کا کار بار کرتے ہیں۔ اور تاجک قبیلہ کے لوگ بھی خاص قسم کے کپڑے بناتے ہیں۔

الحکم | یہاں کے مالدار لوگ روی اور انگریزی طرز کی بندوبس پاس کہتے ہیں اور عام لوگ معمولی قسم کی بندوبس سے کام چلا رہے ہیں۔ تاہم یہ بندوبس بھی کام کے قابل ہوتی ہیں۔

مراحم | "نظامنامہ عروسی" کے نفاذ سے قبل ان کی رسم تھی کہ شادی کے موقع پر گھوڑا، بکریاں، زیور، ابریشم کا سامان ایک ہزار سے لیکر تین ہزار تک نقد روپیہ اور بہت سا مال و متاع خرچ کرنا فرض سمجھتے تھے۔ اور نکاح کے دن دف اور ڈھول اور نوبت بجاتے تھے لیکن اب یہ مراسم متروک ہو گئی ہیں مگر طرفین کے مشوروں سے چھپ چھپا کر یہ سب فخریہ خیال اب بھی

ہوتی ہیں۔ (کیونکہ ان کو ہدایت کرنے والے نہیں ہیں۔)

اس علاقہ کے لوگوں کی ایک رسم یہ بھی تھی کہ جب ان کو کوئی عزیز مر جاتا تھا تو یہ گھوڑے، بکریاں، اور مختلف قسم کا سامان میت کی قبر پر لاتے تھے اور تقسیم کر دیتے تھے۔ اور قرآن شریف بھی نفل سے پڑھواتے تھے اور اس میں بھی بے حساب خرچ کرتے تھے لیکن اب یہ سب "نظامنامہ" کے بعد سے بند ہو گئی ہیں۔

خوراک اور پوشاک | یہاں کے بڑے اور مالدار لوگ کھانے پینے اور پہننے کے معاملہ میں بیجا تکلفات کے عادی ہیں لیکن غریب طبقہ کبھی خشک روٹی بھی کھاتا ہے اور کبھی سالن کے ساتھ بھی اور کبھی دودھ کے ساتھ بھی۔ کرباس اور چکن کے کپڑوں کا لباس اس طرف رائج ہے۔

خنجان | اندراب کے ماتحت ہے اور دوسرے درجہ کی علاقہ داری ہے۔ خان آباد سے مغربی جنوب کی طرف ہے ہزارہ تاجک، افغان اور سائگی قبائل کے لوگ بستے ہیں۔ ۷۰۰ سے زیادہ گھر ہیں۔ خنجان کے مشہور دیہاتوں کے نام یہ ہیں:-

سیاہ چوب مزار، دشت امرود، درہ باجگا، چہار مغز آشیال کی طرف دریائے اندراب ایک کردہ کی مسافت پر بہتا ہے جو کی طرف کوہ ہندوکش ہے جو ۲۰۰ کردہ کے فاصلہ پر ہے خنجان کے لوگ زیادہ تر کاشتکار ہیں اور خوشحال ہیں۔ مالدار لوگ نندمالی، گلیم اور جوال بانی کا پیشہ کرتے ہیں۔ اور تاجک لوگ کرباس اور اچھ بناتے ہیں اور بعض زراعت بھی کرتے ہیں۔

یہاں کا چاول بہت مشہور ہے۔ اور تمام ملک میں جاتا ہے۔ یہ مقام گلی اور گلیم کی تجارت کا مرکز ہے۔ یہاں کے خشک توت بے حد فیس ہوتے ہیں۔ اس علاقہ میں کئی درے بھی ہیں جنہیں ”درہ ویلان“ بہت مشہور ہے۔ کیونکہ یہاں اولیاء اللہ اور بزرگان دین کے مزارات ہیں۔ یہاں کے لوگوں کی رسوم، لباس اور طعام کی عاداتیں خوست کے لوگوں کی طرح ہیں۔ درہ بخجان سے کابل و قطن تک راستے بھی گئے ہیں جو اور راستوں سے آرام دہ اور نزدیک تر ہیں۔	جنوبی جانب ۱۲ کروہ کے اندر	دیہات کا نام	تعداد مکانات	دیہات کا نام	تعداد مکانات
		دشتک	۸۰	کمپرک	۴۰
		شلکتو	۱۰۰	دیمرک	۲۶۰
		سرخابی	۲۲۰	کل تعداد مکانات	۶۰۰
شمالی جانب ۱۲ کروہ کے اندر		بی بی آمنہ	۲۰۰	رستہ یلا قیہا	
		قنص غوری	۱۵۰		
		جمشیدیہا	۱۰۰	کل تعداد مکانات	۴۹۰
جنوبی جانب ۱۲ کروہ کے اندر		دامنہ غوری	۲۰۰	آبخورک	۸۰
		خواجہ پاک	۱۱۰	کل تعداد مکانات	۳۹۰

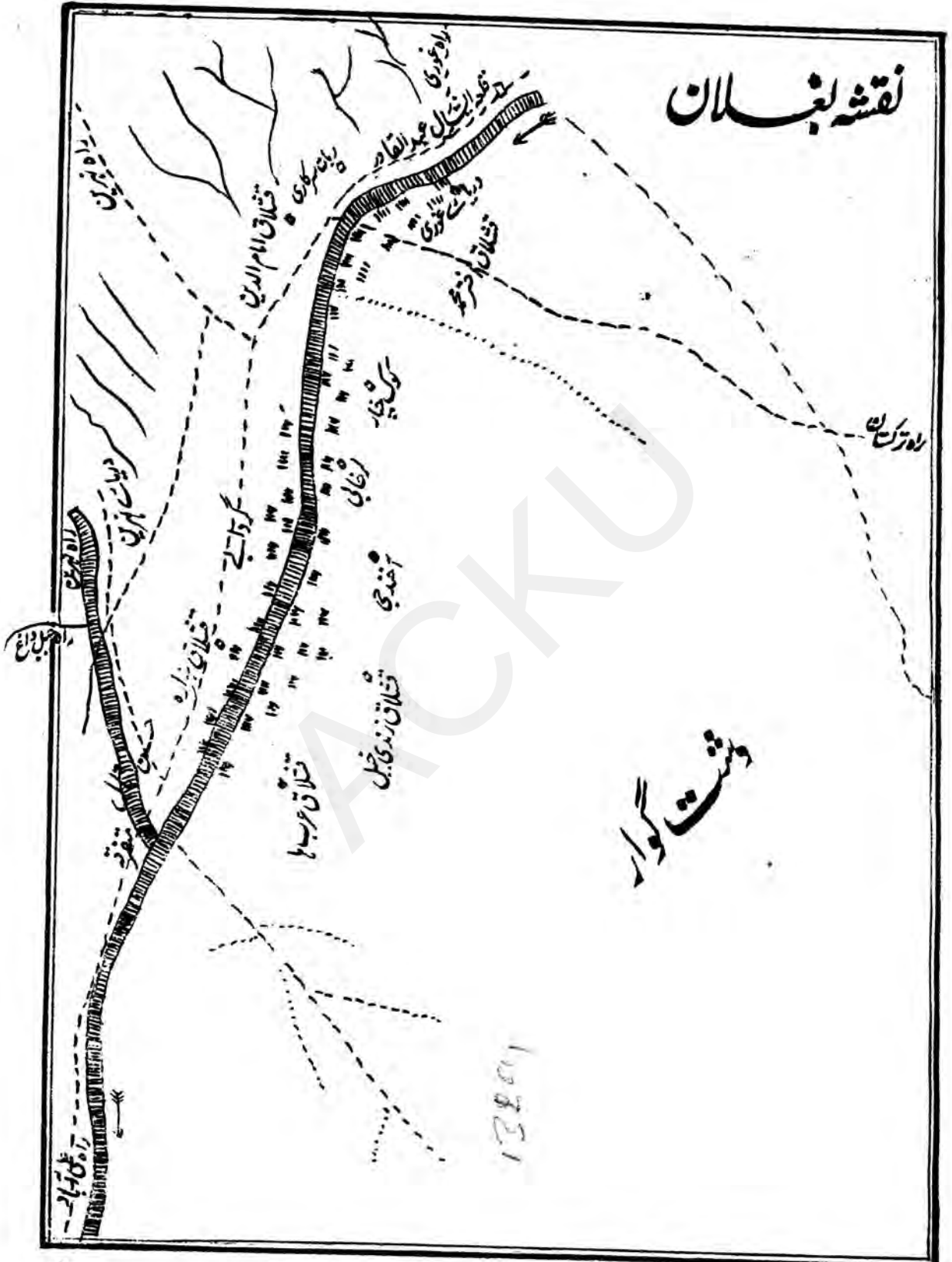
گرمی کے موسم میں یہاں کے مالدار لوگ تین مہینے کے لئے حوض بغداد، نالہ برفلک، اور دیوان گلچیں مقامات پر چلے جاتے ہیں۔ جو ٹھنڈے، خوبصورت اور شاداب مقامات ہیں۔ لیکن اکثر لوگ یہیں رہتے ہیں اور زمینداری اور کاشتکاری کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ یہاں کی آبادی زیادہ تر اہل سنت والجماعت پر مشتمل ہے اور کچھ لوگ آغاخانہ عقیدے کے بھی ہیں۔

زراعت غوری میں زراعت کے لئے پانی کی کمی نہیں ہے کیونکہ جاری پانی غوری میں افغانستان کے بہت سے حصوں سے زائد ہے۔ اور اکثر حصہ کاشت کے قابل ہے جس میں گیہوں، جو، ردی، باقلہ وغیرہ کی کاشت ہوتی ہے۔

میوہ انگور، توت، سیب، ناک، زرد آلو، شقائق، خربوزے، تربوز، پستہ وغیرہ کثرت سے ہے اور ہینگ بھی

دیہات کا نام	تعداد مکانات	دیہات کا نام	تعداد مکانات
بانے سقال	۱۱۰	چین زانی	۲۳۰
خواجه لوان	۱۰۰	چشمہ چکان	۱۶۰
چشمہ شیر	۶۰	کل تعداد مکانات	۶۶۰

نقشه بنگلان



مشت گوار

۱۳۵۱

پیدا ہوتی ہے۔

صنعت ہزارہ لوگوں میں عکین سازی کا رواج ہے

اور غوری کے علاقوں میں کبل بھی اعلیٰ قسم کے تیار ہوتے ہیں کر باس اور اچھ اور مختلف اقسام کے کپڑے بھی بنے جاتے ہیں اور ان لوگوں میں پیشہ آہنگری بھی رائج ہے۔

خوراک و پوشاک افغانی لوگ جو کی روئی کھاتے ہیں

اور تاجک لوگ گیہوں کی روئی کھاتے ہیں۔ اور سبزی اور چاول بھی ان کی خوراک ہے۔

عام طور سے صحن، کر باس، بلبل کے کپڑے استعمال کرتے ہیں۔ اوقیمیتی لنگیاں (عمامہ) باندھتے ہیں۔ اور موزہ، پوتین اور لبادہ بھی پہنتے ہیں۔

رسوم و عادات شادی وغنی میں انکے رسم و رواج طائبا

و قطن کے لوگوں کی طرح ہیں۔

آب ہوا غوری کا پانی بہت اچھا ہے۔ گرمیوں کے موسم

میں ہوا گرم ہوتی ہے مجھ اور پتو بہت ہیں۔

سٹرکیں (۱) سٹرک کوہ کدائی نہرین (۲) سٹرک کوہ کاؤ

جو کوتل سے خجنان کی طرف جاتی ہے (۳) ایک سٹرک ہے

جو دوشی، خواجہ اسید اور چہاردر سے گزرتی ہوئی غور بند تک

جاتی ہے۔ (۴) سٹرک بی بی آئینہ جو کوتل سے بغلان تک

جاتی ہے (۵) سٹرک سہ توت "جسکو تمشتی بھی کہتے ہیں۔

یقینہ ریشان میر غلام قادر تک جاتی ہے اور وہاں سے

اسکے دو حصے ہو جاتے ہیں ایک گر گرک اور چشمہ شیر سے ہوتا

ہوا ایک تک اور دوسرا حصہ تاشقرغان تک پہنچتا ہے۔

بغلان بغلان غوری سے قریب ایک علاقہ داری ہے۔ وجہ

حرارت ۹۹، اول بندی ۲۰۶ فیٹ ہے۔ وسط شہر میں دیئے غوری

ہوتا ہے جس کے دونوں طرف زراعت کی جاتی ہے۔ آبادی

زیادہ تر افغانوں کی ہے۔ چادلوں کی کاشت زیادہ اور اچھی

ہوتی ہے یہاں کی عام پیداوار اور میوے غوری کی طرح ہیں۔

سٹرکیں بغلان کی مشرقی جانب سٹرک شیخ جلال ہے جو

نہرین تک جاتی ہے۔ دوسری سٹرک حسن تال "تک گئی ہے

(۳) ہزار قاق، چکاب، جیل داغ تک جاتی ہے (۴) طبقا

اور نہرین تک گئی ہے۔ (۵) مغربی جانب ہے "جودشت گبر"

اور تاشقرغان تک گئی ہے (۶) آب قول، خیر آباد اور اجیم

سے ہوتی ہوئی تاشقرغان تک گئی ہے (۷) شمالی جانب ہے

جو علی آباد (قندوز) تک گئی ہے۔

ذیل میں دیہات کے نام اور قبائل کے نام اور سکانات

کی تعداد درج کی جاتی ہے۔

دیہات کے نام	قبائل کے نام	سکانات کی تعداد
گردابی	گاڈی افغان	۸۴۱
تشلایام الدین	قوم چوبی زائی	۲۴۱
تشلایاختر	سلام خیل، تغزو، احمد زئی	۲۴۷
تشلایاخذی	قوم تاجک	۱۰۰

دیہات کے نام	قبائل کے نام	مکان کی تعداد
زمین خیل	قوم متفرقہ	۶۸
لوک چنار	اقوام افغان	۲۰۰
عربہا	قوم لرغابی و عرب	۱۳۴
ہزارہا	ہزارہ	۱۹۶
حسن تال	قبائل متفرقہ	۳۱۹

بغلان کے مکانات کی مجموعی تعداد ۲۴۴۶ ہے۔ اندازاً کل آبادی ۷۰۰ ہوگی۔

قبیلہ گاڈی افغان کے لوگ بھیڑ بکریوں اور گھوڑوں کی گلہ بانی کرتے ہیں۔ جو گرمیوں کے موسم میں بدخشاں کی سرحدوں کی طرف نکل جاتے ہیں اور جاڑوں میں واپس آ جاتے ہیں باقی لوگ کاشتکاری کرتے ہیں۔

درے کا نام	قومیت	مکانوں کی تعداد
درہ ترش	تاجک سادات	۵۰
درہ وادی	ہزارہ	۴۰
پاچسان	"	۱۰۳
مرق	ہزارہ کرم	۱۲۰
دہنہ مرق	ایشانہا تاجک	۳۰
درہ اسراف	ہزارہ	۱۲۰

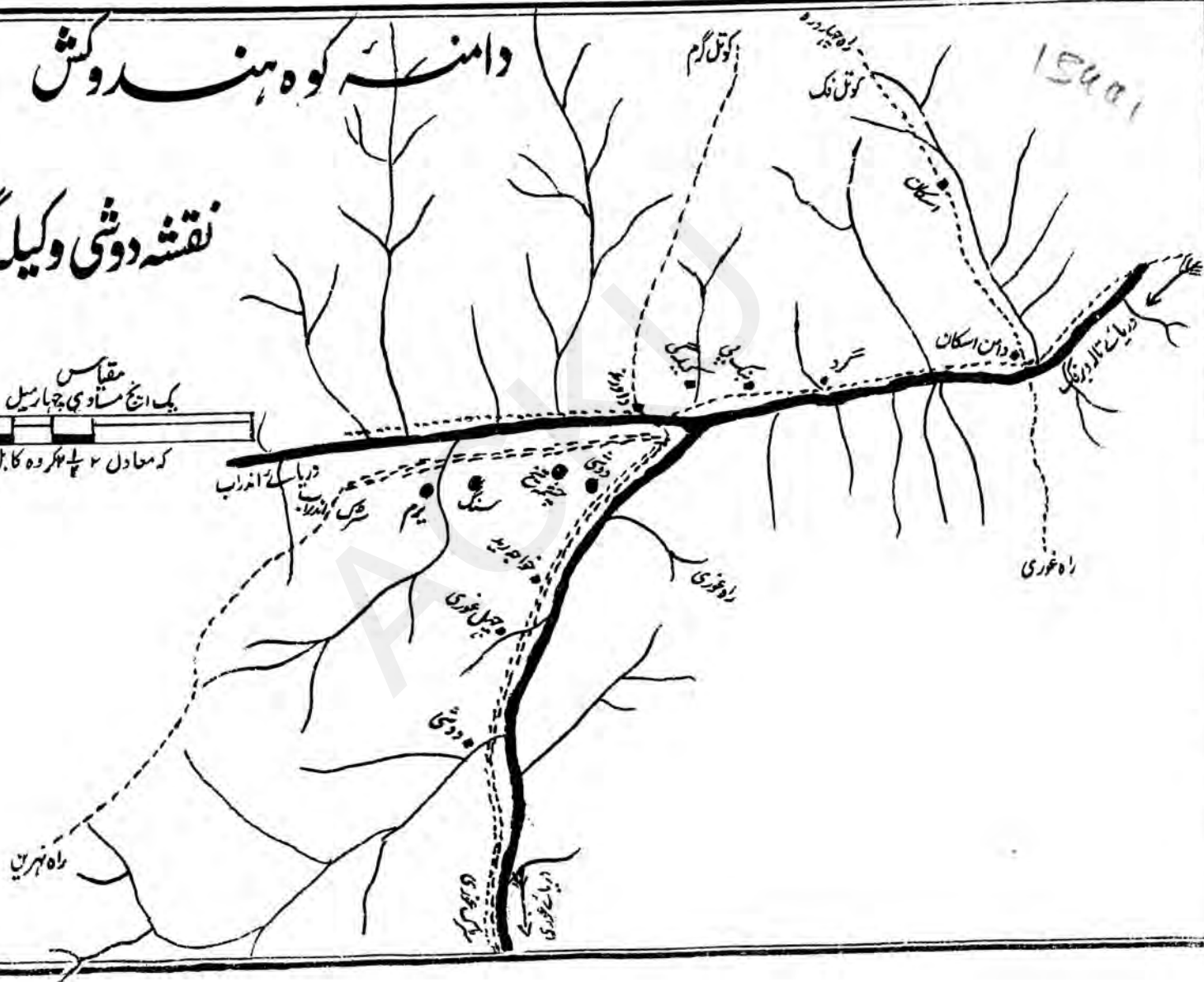
درہ مغلک بھی ایک گرم مقام ہے جہاں کے دولتمند لوگ موسم گرما میں چراگاہ چلے جاتے ہیں۔ اس موضع میں کل مکانات ۴۸۴ ہیں۔ اندازاً آبادی ۵۰۰ تک معلوم ہوتی ہے۔ میوے اور اجناس غوری اور بغلان کی طرح پیدا ہوتے ہیں۔

حضرت امام صاحب | یہ دوسرے درجہ کی حکومت ہے۔ درجہ تک ہوتا ہے۔ یہاں حضرت امام صاحب مزار شریف ہے۔ اس لئے اس موضع کا نام ہی حضرت امام صاحب پڑ گیا ہے۔ یہاں ایک چھاوٹی بھی ہے جس میں افغانی فوج رہتی ہے اور

نام گاؤں	مکان کی تعداد	نام گاؤں	مکان کی تعداد
کرڈ	۱۳۰	خواجہ زید	۱۱۷
نیک پنی	۸۳۳	چل غوری	۲۰۶
کیلہ گی	۷۳۱	اصل دوشی	۹۰
دوستی	۱۶۲	زاو غنہ	۱۳۰

اندازاً آبادی ۹۰۰۰ ہزار ہوگی۔ لوگ خوشحال اور زراعت پیشہ

نقشہ دوشی وکیلہ گی



سمت غربی کے دیہات

دیہات کا نام	مکانات کی تعداد	دیہات کا نام	مکانات کی تعداد
قتلاق مجھر	۱۰۰	یشکبہ	۵۰
ورثہ یلاتی	۱۰۰	ارغن	۳۰
سیدخیل	۴۰	دشت ابدال، غنبروہ	
		خواجہ غار وغیرہ	۱۰۰۰

حضرت امام صاحب کی آبادی ۵۰۰۰ تک ہے اور
اور وہ خان آباد سے ۴۴ کروہ دور ہے۔ اور یہاں کی ہوا بھی
خان آباد کی یہ نسبت بہت گرم ہے۔

زراعت زمین زراعت کے قابل اور اچھی ہے۔ جو گیہوں
جواری، ماش، باجروہ، روئی، شالی، زغر، رشقہ اور مختلف
ترکاریاں اور تربوز اور خربوزہ کی کاشت کی جاتی ہے۔

میوے توت، شقائق، زرد آلو بہت ہیں اور انگور کم
ہوتا ہے۔

صنعت چونکہ یہاں کے لوگ عام طور سے خوشحال ہیں

اس لئے یہاں اون اور سوت کے کپڑے بنے جاتے ہیں۔
اور ضرورت کے مختلف لباس تیار کئے جاتے ہیں۔ یہاں کے
لوگ مروجہ صنعتوں کو شوق سے سیکھتے ہیں۔

رسم و رواج خان آباد کے لوگوں کی طرح یہ لوگ بھی شادی
کے موقع پر بے حد سرفرازی کرنے کے عادی تھے اور داماد سے
زیادہ سے زیادہ سامان روپیہ، گھوڑے وصول کرتے تھے لیکن

ایک بازار بھی ہے جس میں تقریباً ۱۰۰ دکانیں ہیں اور ایک پہلک
سراٹے بھی ہے۔ موضع امام صاحب میں ۲۰۰ مکانات ہیں۔
دیہاتوں کی تفصیل یہ ہے:-

سمت جنوبی کے دیہات

گاؤں کا نام	مکانات کی تعداد	گاؤں کا نام	مکانات کی تعداد
قتلاق لقی	۲۰	غروشخ	۱۵۰
تاج گذر	۳۰	خاؤن قلعه	۵۰
کلبات	۱۰۰	گلدامن	۵۰
دل شاد	۶۰	گل تیمپہ	۵۰
یکہ توت	۴۰	اعمال قتللاق	۴۰
گرگری	۳۰	قتلاق خچر طغن	۱۵۰
ایچکلی	۸۰	قرہ گنبد	۵۰
ای خچال	۱۵۰	قرغز	۳۰
جوی بیگم	۶	توعلن	۵۰
خافتاہ	۱۵۰	بایگہ	۲۰

سمت شمالی کے دیہات جو قلعہ زال مشہور ہیں

دیہات کا نام	مکانات کی تعداد	دیہات کا نام	مکانات کی تعداد
مراد شیخ	۱۰۰	دورمن	۱۰۰
قراول تیمپہ	۳۰۰	بایوس	۵۰
قرہ حسانہ	۵۰		

قلعہ زال نام سے خیال ہو سکتا ہے کہ رسم کے خاندان اس کا تعلق رہا ہو۔ ۱۲ جین نظامی

اب "نظامنامہ" کی پابندی کرتے ہیں۔ اور پُرانے رسم و رواج کے پابند نہیں ہے۔ غمی کی سرس بھی ان میں نہیں ہیں۔ اور اب غمی کے موقع پر اسراف و بجا بہت کم ہوتا ہے۔

اسلحہ | بندوق اور تلوار استعمال کرتے ہیں اور مختلف اقسام کے ہتھیار پاس رکھتے ہیں۔ شکار کے بہت شوقین ہیں۔ اسی علاقہ میں دریائے آمو بہتا ہے جس کے قریب ایک بہت بڑا جنگل ہے۔ جو ۲۰ کروہ لانا اور ۲۰ کروہ تک چڑا ہے۔ اس جنگل میں یہ لوگ شیر ہرن، مرغ، خرگوش، اور جنگلی درندوں کا شکار کرتے ہیں۔

جنگل میں ہر قسم کے جنگلی جانور موجود ہیں، لومڑی، چیتا، اوسفید ہرن بے حساب ہیں۔ اس جنگل کا ایک حصہ قندوز تک چلا گیا ہے۔ عضد الدولہ بادشاہ شکار کے بہت شوقین تھے اور وہ شکار اسی جنگل میں شکار کھیلتے تھے۔ ایک بار انہوں نے ایک ن میں ۱۴ ہرن، ۲۱ گوزن اور دو شیر شکار کیے تھے۔

سٹرکیں | حضرت امام صاحب سے قطر لیا، شہر و آن، قتلوان، طوغری تپ، پل شیمہ، خواجہ غار، خوش کلائی، بہارک کو سٹرکیں جاتی ہیں۔

ذی اثر حضرات | اس علاقہ میں ذیل کے لوگوں کا بہت رسوخ ہے:-

ملا محمد عالم وکیل ازبک - ملا محمد قربان وکیل ازبک - نیک محمد منگباشی - و تہ مراد منگباشی - سیف الدین خواجہ - ملا رضا علی قل ازبک - علی مراد یلگی عرب - ملا امام نظر ازبک -

ملا تاج محمد وکیل - ملا جلال الدین وکیل - خواجہ محمد جعفر - عید نظر توغلن ترک منگلی قل بائی ازبک - قبرہ قل بائی ایشیان قون ازبک - ملا علی عرب - خالد ار بائی عرب -

حکام | حضرت امام صاحب میں جو سرکاری حکام ہیں ان کے نام درج ذیل ہیں:-

محکم خان توخی - احمد جان خان توخی - محمد جان خان - محمد علی خان کوہستانی - امیر محمد خان محمد زالی - عطا محمد خان محمد زالی - عبدالسلام تعلقہ قلعہ - سر ملند خان توخی - میر غوث الدین خان میں اول محکمہ اصلاحیہ قلعہ - عطا محمد خان محمد زالی -

قندوز | یہ موضع درجہ اول کی ملاقہ داری کے ماتحت ہے۔ گرمیوں میں پارہ حرارت ۱۰۳ درجہ ہوتا ہے۔ افغانستان میں مثل مشہور ہے "اگر مرگ می خواہی قندوز برو" (اگر موت چاہتا ہے تو قندوز چلا جا) معلوم نہیں یہ مثل لوگ کیوں بولتے ہیں حالانکہ قندوز بڑی روح پرور جگہ ہے۔ یہاں کی فضا جان بخش ہے اور ہوا خوشگوار۔ یہاں مردان، افغانی، تاجکی، لرخابی، سحاباتی، عرب، ہزارہ، ترکمان، قنقرات، بالوس، ازبک، قزاق، چوراق، مرداد قبائل کے لوگ رہتے ہیں۔

سٹرکیں | (۱) جنوب کی طرف ہے۔ صوبہ بغلان جاتی ہے۔

(۲) شمال کی طرف ایک سڑک ہے جو قلعہ زال تک جاتی ہے۔ وہاں سے دو حصوں میں ہوئی ہے۔ ایک تاشقرغان تک دوسری تخت کیقباد تک جاتی ہے۔ (۳) جیر و تک گئی (۴) کوئی

نقشه قندوز

۱۳۶۵

راه حضرت امام
آب دان

قلعه زال

باج چهل دختران

قلعه دل پشه

قندوباری

قنقرات

بالوس

برکانه

قزاق

قندوباری

چوارق

مشفقه

صوفی

لرخابی

قنقرات

ترک من

طائر

لرخابی

راخیل

طالبه دورین

بجانی

شکر نزار شریف

کوتل یکنک

چهل دختران

باغ

ربات سرکاری

کوبه

قندوباری

قزاق

عرب

ایاق

لرخابی

عبدالله بانی

عبدالله بانی

عزیز

عزیز

عزیز

عزیز

عزیز

عزیز

عزیز

عزیز

عزیز

عزیز

علاقه تر

مکانات کی تعداد	قوم کا نام	دیہات کا نام	اور حضرت امام صاحب تک گئی ہے (۵) مغربی جانب ایک بڑی سڑک ہے جو تاشقرغان گئی ہے (۶) مشرقی جانب کی سڑک خان آباد تک جاتی ہے۔
۶۰	افغان بازی خیل	غلام حیدر بانی	قدوز پڑائی بستی ہے جہاں پُرانے بادشاہوں کا بنوایا ہوا قلعہ بھی ہے جس کے تین طرف گہری خندق ہے۔ اس قلعہ میں دروازے، برجیاں، دیواریں اور بادشاہی محلات یادگار کے طور پر باقی ہیں۔
۱۵۰	ایماق	تشلان سبحانی	قلعہ کے سامنے سے نہر گورتپہ جو سیاہ آب کے نام سے مشہور ہے گزرتی ہے۔ یہ نہر آگے جا کر دریائے کلان میں گرتی ہے۔
۱۵۰	ازبک	بچی	نیا قدوز جو ابھی حال میں آباد ہوا ہے اندازاً ۵۰۰ مکانوں کی بستی ہے۔ یہاں کے بازار میں ۲۰۰ دکانیں ہیں اور حکم شہر کے دو مکانات ہیں جو عزیز اللہ خاں ولد سردار حبیب اللہ خاں قدزاری کے دور حکومت میں بنائے گئے تھے۔ ۵ سرائیں اور کئی مدرسے بھی ہیں۔
۱۰	"	قوش تمپہ	دیہات
۳۰	متفرق	تشلان پنج شیریا	دیہات
۲۰	پنج شیریا	زیارت حضرت سلطان صاحب	دیہات
۶۰	ازبک	کوئہ سفلی	دیہات
۱۰۰	"	کوئہ علیا	دیہات
۳۰	متفرق	نوا آباد	دیہات
۳۰	"	بیش کپڑ	دیہات
۳۰	"	بارغ میری	دیہات
۲۰	"	چیلہ مسید	دیہات
۸۰	افغان لودی	لودین	دیہات
سمت شمالی کے گاؤں			
مکانوں کی تعداد	دیہات کے نام	مکانوں کی تعداد	دیہات کے نام
۴۰	نہر استقلان سرخابی	۵۰	بارغ زافغان و چرگری
۳۰	تشلان زاخیلان	۱۰۰	تشلان لاضیفہ شہر
۳۰	سید احمد بانی	۳۰	عمر خیل افغان
۴۰۰	نہر توبہ کش قدزاری	۲۰۰	عربہا
۱۵۰	آق تپہ ترکمن	۵۰	سرخابی ملاقدراہماق
دیہات کا نام	قوم کا نام	مکانات کی تعداد	دیہات کا نام
تشلان ولی آباد	خوست و فرنگ	۲۰	
" لکچین	ازبک و افغان	۱۲۰	
" کتم	افغان	۱۵۰	

سمت مغربی کے گاؤں جو چھار دہے کے نام سے مشہور ہیں				سمت جنوبی کے گاؤں			
گاؤں کا نام	مکانوں کی تعداد	گاؤں کا نام	مکانوں کی تعداد	گاؤں کا نام	مکانوں کی تعداد	گاؤں کا نام	مکانوں کی تعداد
چرخاب	۳۰	درتہ بلاتی ایماق	۴۰	قلعہ زال	۴۰۰	چھار درہ	۲۰۰
قشلاق ناصری فنا	۱۰۰	غریخان سنگباشی	۴۰	قشلاق چل دختران	۳۰	قشلاق صوفی	۱۵۰
شکاری قوم ازبک	۱۵۰	عبدلہ بابائی عمر خیل	۳۰	باغ چل دختران	۵۰	سرخابی ایماق	۵۰
ملرعی افغان	۸۰	سرخابی ایماق	۱۰۰	باسوس	۳۰	سرخابی قطن	۶۰
ان سب یہاں میں تقریباً ۵۰ ہزار آدمی رہتے ہیں۔ قدوز کی زمین زراعت کیلئے بہت مناسب ہے۔ جاری پانی کثرت سے ہے اس لئے کئی نہیں قدوز کی زمین کو پانی سے سیراب کرتی ہیں۔ باغ چل دختران بہت خوبصورت اور قدیم باغ ہے جس میں قدرت نے عجیب عجیب گلکاریاں کی ہیں۔ میسو کے انگوڑے حساب پیدا ہوتا ہے، سیب، انجیر، تربوز، خربوزہ، آلوچہ، توت، کوک سلطان، اوزناک۔ زراعت زمین کا زیادہ حصہ کاشت کے قابل ہے۔ گیہوں، جو، جوار، روتی، شلجم اور مختلف قسم کے غنّے اور ترکاریوں کی کاشت کی جاتی ہے۔ خوراک اور پوشاک یہاں کے قدحاری، نعمانی اور کابلی لوگ بہت مالدار ہیں۔ اس لئے اعلیٰ قسم کا کھانا اور عمدہ گوشت دہی استعمال کرتے ہیں۔ اور قبیلہ ازبک اور مروم کے لوگ دُنبہ کا گوشت اور زغرا روغن کھاتے ہیں لیکن افغانی دُنبہ کے ساتھ گھی کھاتے ہیں۔				قنقرات	۲۰۰	طارکمر	۲۰
				ترکانیہ	۲۰۰	طارترسمن	۱۰۰
				قدحاری	۱۰۰	قنقرات شانی	۵۰
				قزاق	۲۰۰	قدحاریہا	۵۰
				قلعہ ملا عیسیٰ خاں	۲۰	عربا	۱۰۰
				قلعہ عبدالرحمن خان	۱۵	چوراق	۱۰۰
				طائفہ ورمین	۳۰	متصرفہ	۵۰
				آب خواہ	۵۰	عمر خیل	۶۰
				زاخلہ	۸۰		
سمت جنوبی کے گاؤں				گاؤں کا نام	مکانوں کی تعداد	گاؤں کا نام	مکانوں کی تعداد
				فیروز کوئی	۲	زردکمر	۴۰
				خواجه مشہد سادات	۲۵	طائفہ آب سرینہ	۴۰
				ابراہیم خیل	۱۰۰	جرگندر	۸
				چلہ مزار ہر قوم	۸۰	سہ درک	۱۰۰

صنعت قبیلہ تاجک کے لوگ کرپاس اور اچہ بان ہیں۔ اور ترکمانی اور قزاق قبائل کے لوگ قالین بناتے ہیں اور کئی قسم کا کپڑا بھی بناتے ہیں۔ اور قزاق قبیلہ کے لوگ جنگلی جانوروں لومڑیوں اور قرہ قلی بھیڑ کا شکار کرتے ہیں۔ اور انکی کھالوں سے پوستیں بناتے ہیں۔ اور قزاق قبیلہ کے بعض آدمی اور قنقرات اور ترکمن لوگ بھی قرہ قلی بھیڑ کے گٹھے پالتے ہیں۔ جس کی ٹوپیاں نہایت قیمتی ہوتی ہیں۔ اور جسکی یہ تجارت کرتے ہیں۔ یہاں کے اونٹ عام طور پر دو کوہان کے ہوتے ہیں۔

اسلحہ سینکڑوں قسم کی انگریزی اور روسی ساخت کی بندوقیں ان لوگوں کے پاس ہیں۔ ازبک لوگ بندوقوں کے علاوہ خنجر بھی رکھتے ہیں۔

رسم و رواج چونکہ آبادی مختلف قوموں پر مشتمل ہے اس لئے ان سب کی رسوم بھی علیحدہ علیحدہ ہیں۔

ازبک لوگ حسب حیثیت چار پانچ سو روپیہ لڑکی کے والد کو دیتے ہیں۔ اور لڑکی والے بھی داماد کو نقد و عین سامان کی صورت میں اتنا ہی روپیہ دیتے ہیں۔ مگر قندھاری افغان دو تین ہزار روپیہ اور کثیر سامان داماد سے لیتے ہیں۔ اور جب تک اتنا ہی لڑکی کے ہیز نہیں ملے شادی کا معاملہ کھٹائی میں پڑا رہتا ہے۔ غرض تمام قبائل شادی کے معاملہ میں روپیہ اور سامان کے لین دین کی رسم کے پابند ہیں۔ اور اس رسم قدیم کو

ترک نہیں کرتے اور اکثر نظامہ عروسی کی بھی پروا نہیں کرتے۔

مزارات قندوز کے نواح میں حضرت بابائی، پارہ دوز، حضرت سلطان، اور حضرت خواجہ قتل کے مزارات مشہور ہیں۔

شکار گاہیں قندوز کے اطراف میں کئی بڑے بڑے جنگل ہیں۔ مشرقی طرف ایک جنگل ہے جو تین کروہ لانا اور تین ہی کروہ چوڑا ہے۔ شمالی جانب بھی دو جنگل ہیں۔ ایک پانچ کروہ لانا اور ایک کروہ چوڑا ہے۔ اور دوسرا پانچ کروہ لانا اور پانچ کروہ چوڑا ہے۔ ان جنگلوں میں شیر، لومڑی، چیتا، بھیڑیا، قاز، مرغابی، لنگگ، اور جنگلی بھیڑیں بکثرت ہیں۔ دریائے خانیاب

کے کنارے ”دریائی گٹا“ بھی دکھایا جاتا ہے جس کا اکثر شکار بھی ہوتا ہے۔ اور اس دریا میں پانچ سیر سے لیکر بارہ سیر تک کی مچھلی بھی پائی جاتی ہے (افغانی سیر منہ وستان کے ۸ سیر کے برابر ہوتا ہے) جناب عضد الدولہ مرحوم اکثر اس جنگل میں شیر خرگوش، مرغابی وغیرہ جانوروں کا شکار کھیلتے تھے۔

قندوز اور بغلان کے درمیان ایک مقام کوہی ہے جو عام طور سے ”قرہ ماتور“ مشہور ہے۔ یہاں پستہ کے بے شمار درخت ہیں۔ ہزارہ قبیلہ کے لوگ پستہ اکٹھا کرتے ہیں اور انکی تجارت کرتے ہیں۔

مالقان خان آباد کے مضافات میں ہے۔ گرمیوں میں ۱۳ درجہ پارہ حرارت ہوتا ہے۔ درجہ اول کی حکومت ہے۔ وسیع اور بہوار جگہ ہے معتدل ہوا ہے۔ جاڑوں میں ایک دو مرتبہ

سخت برف باری ہوتی ہے جس کا سلسلہ چار روز تک منقطع نہیں ہوتا۔ تین چار کروہ کے فاصلہ پر اس کے آس پاس بہت سے دیہات ہیں۔ باغات سیوے، اور جاری پانی کثرت سے ہے۔ ایک بڑے بارغ میں حاکم شہر کی خوبصورت عمارت واقع ہے جس کے چاروں طرف سیووں کے سرسبز درخت ہیں۔ اور چنار کے پُرانے اور اونچے اونچے درخت بھی ہیں۔ ایک بڑا حوض بھی ہے۔ اور چھوٹی چھوٹی نہریں بھی ہر طرف بہتی ہیں۔ ایک سیج اور خوبصورت چبوترہ بھی اس بارغ کے وسط میں ہے۔		گاؤں کا نام	مکان کی تعداد	تفصیل
تالقان میں ایک جامع مسجد، چار سرائیں اور ایک مکتب بھی ہے۔ شہر کے کناسے دریا بھی بہتا ہے۔ یہاں کے بازاروں کے دکاندار شہری لوگ نہیں ہیں بلکہ دیہاتی ہیں جو اپنی دکان اور اپنے پیشہ کے لئے روزانہ صبح کو دیہاتوں سے آتے ہیں اور عصر کے وقت واپس چلے جاتے ہیں۔ اور بعض ایک ہفتہ کے بعد گھر لوٹتے ہیں۔ اور سات دن اسی جگہ رہتے ہیں۔		خواجه قارق، قرق جوکو، خوش گیلانی، لکلکان وغیرہ	۱۵۰	یہ دیہات تالقان سے ۵۰ کروہ مسافت پر واقع ہیں، مکانات دور دور ہیں۔ ان سب دیہات کی آبادی ۴۰۰ ہے۔ یہاں کے لوگ کسان کرتے ہیں۔ قوم منغل
تالقان کے لوگ فارسی، ترکی اور پشتو زبانوں میں گفتگو کرتے ہیں۔		قوم چکچک ترک، قشلائی، مامائی، قلعه چپ، سرخ، اقلانی، ہزار بارغ، قرہ خ، ہواسائی، کل بلات، عنبر کوہ	۱۰۰، ۳۳، ۲۵، ۴۰، ۳۰، ۴۰، ۵۰، ۲۵، ۵۰، ۴۰	قوم نقل ترک، " " " " قوم ترک، تاجک، قلق " منغل اور ترک
شمالی مشرقی جانب کے گاؤں				
یہاں کے چشموں پر مرغابیاں اور کبک کثرت سے ہیں جن کا آسانی سے شکار کیا جاتا ہے۔		گاؤں کا نام	مکان کی تعداد	گاؤں کا نام
تالقان کے دیہات		قوہ	۲۵	آق مسجد
تالقان کے دیہات		چهار بارغ سائی	۱۵	لمسن
تالقان کے دیہات		تالک	۴۰	مسکین
تالقان کے دیہات		کوفدقاہ	۱۵	ہزار سموج
تالقان کے دیہات		خواجہ بلتی	۲۰	شور قدق
خود تالقان		تاجک، ازبک، افغان وغیرہ	۱۵۰	تفصیل

گھاؤں کا نام	مکانوں کی تعداد	گھاؤں کا نام	مکانوں کی تعداد	گھاؤں کا نام	مکانوں کی تعداد	گھاؤں کا نام	مکانوں کی تعداد
پس تعلق	۵۰	ادرج قدق	۳۰	گھاؤں کا نام	مکانوں کی تعداد	گھاؤں کا نام	مکانوں کی تعداد
غرب درہ	۲۰	گندہ چہ	۱۲	چیدہ کمر	۲۰۰	نہر سید	۸۰
جگہ بلاغ	۲۵	خواجه خیل	۴۰	خوجہنگال	۱۰	شوراب	۱۴۰
بہارک	۳۰۰	بانگ	۵۰	قول برس	۱۰	چائی شورچہ	۱۰۰
قرہ پرچاؤ	۱۰۰	کہنہ تالقان	۵۰	آق مسجد	۴۰	جونی شیخ	۱۰
سراے ننگ	۲۰۰	بولک درتہ بڑ	۵۰	چشمہ شیر	۸۰		

زراعت | جو، جوار، گیہوں، ماش، خربوزہ، تربوز، قوئی اور قہریم کی ترکاریوں اور غلوں کی کاشت کی جاتی ہے۔ لیکن خان آباد کا خربوزہ یہاں سے بہتر اور اعلیٰ ہوتا ہے۔

صنعت | خواجه غار کے ترک لوگ المار میں اس لئے وہ پلاس، کرباس اور جوال (گرم کپڑے) بناتے ہیں اور نمداالی بھی کرتے ہیں۔ اور بعض قبائل عمامہ، اچہ، کشمیرہ اور اعلیٰ اونی کپڑے تیار کرتے ہیں۔ اور بعض لوہاری، سناری اور مردوجہ دستکاریاں بھی اختیار کرتے ہیں لیکن شہر تالقان کے لوگ بحر کا شنکاری کے اور کچھ نہیں جانتے۔

خوراک اور پوشاک | تالقان کے علاقہ میں کابلی اور افغانی لوگ زیادہ ہیں۔ اس لئے یہ کھانے میں بہت شائستہ ہیں لیکن ازبک لوگ کھانے پینے میں زیادہ اہتمام نہیں کرتے۔ اور گیہوں کا دلیہ، گیہوں کی روٹی اور جوار پرکتا کرتے ہیں۔

لباس کے معاملہ میں تمام قبائل کے لوگ ایکساں ہیں سب

گھاؤں کا نام	مکانوں کی تعداد	گھاؤں کا نام	مکانوں کی تعداد	گھاؤں کا نام	مکانوں کی تعداد	گھاؤں کا نام	مکانوں کی تعداد
آہن درہ	۲۰۰	خانہ تعلقاں تودان	۵۰	گھاؤں کا نام <th>مکانوں کی تعداد</th> <td>گھاؤں کا نام<th>مکانوں کی تعداد</th></td>	مکانوں کی تعداد	گھاؤں کا نام <th>مکانوں کی تعداد</th>	مکانوں کی تعداد
سلطان بائی	۲۰	تالک قریق	۴۰	گھاؤں کا نام <th>مکانوں کی تعداد</th> <td>گھاؤں کا نام<th>مکانوں کی تعداد</th></td>	مکانوں کی تعداد	گھاؤں کا نام <th>مکانوں کی تعداد</th>	مکانوں کی تعداد
تعلقاں محمد سرخان	۳۰	کہتہ بند وچ بلات	۱۰۰	گھاؤں کا نام <th>مکانوں کی تعداد</th> <td>گھاؤں کا نام<th>مکانوں کی تعداد</th></td>	مکانوں کی تعداد	گھاؤں کا نام <th>مکانوں کی تعداد</th>	مکانوں کی تعداد
خطایان	۱۰۰	شمند	۱۰	گھاؤں کا نام <th>مکانوں کی تعداد</th> <td>گھاؤں کا نام<th>مکانوں کی تعداد</th></td>	مکانوں کی تعداد	گھاؤں کا نام <th>مکانوں کی تعداد</th>	مکانوں کی تعداد

تالقان سے جنوبی جانب ایک کروہ کے فاصلہ پر جو

گھاؤں ہیں:-

گھاؤں کا نام	مکانوں کی تعداد	گھاؤں کا نام	مکانوں کی تعداد
چیدہ کمر	۲۰۰	نہر سید	۸۰
خوجنگال	۱۰	شوراب	۱۴۰
قول برس	۱۰	چائی شورچہ	۱۰۰
آق مسجد	۴۰	جونی شیخ	۱۰
چشمہ شیر	۸۰		

زراعت | جو، جوار، گیہوں، ماش، خربوزہ، تربوز، روٹی اور قہریم کی ترکاریوں اور غلوں کی کاشت کی جاتی ہے لیکن خان آباد کا خربوزہ یہاں سے بہتر اور اعلیٰ ہوتا ہے۔

صنعت | خواجه غار کے ترک لوگ مالدار ہیں اس لئے وہ پلاس، کرباس اور جوال (گرم کپڑے) بناتے ہیں اور نمدا مالی بھی کرتے ہیں۔ اور بعض قبائل عامہ، اچہ، کشمیرہ اور اعلیٰ ادنیٰ کپڑے تیار کرتے ہیں۔ اور بعض لوہاری، سناری اور مروجہ دستکاری بھی اختیار کرتے ہیں لیکن شہر تالقان کے لوگ بجز کاشتکاری کے اور کچھ نہیں جانتے۔

خوراک اور پوشاک | تالقان کے علاقہ میں کابل اور افغانی لوگ زیادہ ہیں۔ اس لئے یہ کھانے میں بہت شائستہ ہیں لیکن ازبک لوگ کھانے پینے میں زیادہ اہتمام نہیں کرتے۔ اور گیہوں کا دلیہ، گیہوں کی روٹی اور جوار پرکتا کرتے ہیں۔

لباس کے معاملہ میں تمام قبائل کے لوگ ایکساں میں سب

کی ایک کان ہے۔ یہ جگہ زیادہ سرسبز و شاداب نہیں ہے اور یہاں زیادہ درخت بھی نہیں ہیں۔

تالقان سے کلفگان تک راستہ میں "دشت روبہ" اور آق یلاق دو مقامات ملتے ہیں جہاں باشندے عام طور پر بکریاں اور لکڑی کی جھونپڑوں میں رہتے ہیں۔

مشرکیں | مغربی جانب سترک تالقان اور سترک قرغار ہے اور مشرقی سمت سترک بدخشان ہے۔ اور شمالی جانب سترک رستاق ہے لیکن جنوب کی طرف کوئی مشہور سترک نہیں ہے بلکہ پہاڑوں کا ایک سلسلہ ہے جہاں جنگل ہے۔ اور جنوب کی جانب دریائے کوچ کے کنارے جنگلوں کا ایک سلسلہ ہے جس میں پستہ کے بے شمار درخت ہیں۔

صنعت، خوراک، پوشاک، اسلحہ | یہاں کے لوگ نمائی، پلاس بانی کرتے اور جیل و جال بناتے ہیں اور مرد و خواتین دونوں صنعتوں کے بھی ماہر ہیں۔

خوارگیہوں کی روٹی کھاتے ہیں اور عام طور سے کچا گیہوں بھی کھاتے ہیں۔ اور مالدار لوگ گوشت روٹی اور پلاؤ کھاتے ہیں۔ عام طور پر کرباس اور اچھ کا لباس پہنتے ہیں لیکن عورتیں چیت اور کرباس کا لباس بناتی ہیں۔

کلفگان کے لوگوں کو اسلحہ سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔ تمام کلفگان میں ایک بھی بندوق نہیں ہے۔ ضرورت کے وقت لکڑی کے ایک ہتھیار سے جس کو "تیاق" کہتے ہیں کام نکال لیتے ہیں

یا کینرہ لباس پہنتے ہیں اور خود ساختہ کپڑے زیب تن کرتے ہیں۔ اسلحہ | یہاں کے لوگ زمانہ قدیم سے اسلحہ سے کوئی لگاؤ نہیں رکھتے۔ شاید کسی کے پاس ٹوٹی پھوٹی بندوق نکل آئے ورنہ عموماً لوگ لکڑی کے لمبے لمبے ڈنڈے ساتھ رکھتے ہیں۔

رسوم | رسم و رواج میں کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ شادی، غمی کی رسمیں وہی ہیں جو عام قبائل کی ہیں "نظامنامہ عروسی" سے انکی بھی کچھ اصلاح ہوتی ہے۔

نمک آب | تالقان کے مضافات میں ہے۔ تاجک اور ہزارہ لوگ زیادہ ہیں۔ زبان فارسی بولی جاتی ہے۔ یہاں نمک کی ایک کان بھی ہے۔ اور اسی لئے اس جگہ کا نام "نمک آب" مشہور ہے۔ نمک کی کان کے قریب ایک جنگل ہے جس میں بادام تلخ، سال، طوس، ارچہ اور زرشک کے بے شمار درخت ہیں یہاں کے باشندے زیادہ تر زراعت کرتے ہیں۔ اور جو گیہوں وغیرہ یہاں کی عام پیداوار ہے۔ کچھ لوگ گلیم، کرباس اور اچھ بانی بھی کرتے ہیں اور نمک کی کان سے لوگ نمک جمع کر کے اسکی تجارت بھی کرتے ہیں۔

کلفگان | تالقان کے مضافات میں ہے اور متقل علاقہ ہے تالقان سے ۱۲ کروہ دور ہے۔ سرد و جگہ ہے اور ہوا بہت اچھی ہے۔ چشمہ کا پانی عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ زراعت اچھی ہوتی ہے۔ جو گیہوں، زرخا اور فالتیز پیداوار ہے۔

عام زبان ترکی ہے، قومیت بھی ترک ہے۔ یہاں بھی نمک

فرخار | فرخار ایک علاقہ ہے جو تالقان کی ماتحتی میں ہے۔ عام

آبادی تاجک لوگوں کی ہے۔ گرمیوں میں درجہ حرارت ۹۲ ہوتا ہے۔ آب و ہوا اور موسم کے اعتبار سے کابل کی طرح ہے۔ یہاں کے لوگ گورے اور خوبصورت ہوتے ہیں۔ زراعت اور کپڑے بننا ان کا پیشہ ہے۔ ان لوگوں میں بہت سے عالم اور فاضل ہیں۔ فرخار ۴۴ فیٹ بلند ہے اور تالقان سے ۱۲ کروہ دور ہے۔ یہاں دو درے ہیں جن کی لمبائی ۱۰ کروہ تک ہے۔ فرخار کے پہاڑوں میں پستہ، بادام تلخ، ارچہ اور ارغوان کے جنگل ہیں اور بید، گز، یخن، بشال، دولانہ اور زرشک کے درخت بے شمار ہیں۔ اور یہاں ہرن بھی کثرت سے ہیں۔

ایک بازار ہے جس میں چالیس دکانیں ہیں اور جہاں ضرورت کی سب چیزیں ملتی ہیں۔

فرخار کے علاقوں کے مکانات کی تعداد ۱۲۰۰ سے متجاوز ہے۔ اور آبادی اندازاً ۵۰۰۰ ہے۔

بزرگان دین کے مزارات بھی ہیں جن میں (۱) حضرت پیر فرخار (۲) حضرت شاہ نعمت اللہ ولی (۳) اور حضرت خواجہ ابدال ولی کے مزارات مرجع عام و خاص ہیں۔

میموے صیغنت۔ خوراک۔ پوشاک۔ اسلحہ۔ یہاں یہ زرد آلو، شقلاو، انگور، آلوچہ، بہی، ناک، اخروٹ، گیللاس کثرت سے ہیں۔

یہاں کی زمین آبی (جس کو پانی پہنچانے کی ضرورت نہ پڑے

اور ایسی زمین اچھی ہوتی ہے کیونکہ وہ قدرتی طور سے ہر وقت پانی سے سیراب ہتی ہے) اچھی ہے اور لمبی بھی ہے۔ اس میں زیادہ پیداوار نہیں ہوتی یہ زمین آبی کے مقابلہ میں خراب ہے۔ پیداوار جو، گیہوں، ارزن، چنا، شاخل اور شالی ہے۔

اچھ اور کرباس پانی اور تمام مروجہ پیشے رائج ہیں۔ جو، گیہوں، گوشت، چاول، دودھ وغیرہ ان کی خوراک ہے۔

مردوں کا لباس کرباس صحن، برک کے کپڑے ہیں، اور ملل کے صافے اور پشاور سی لنگیاں (عمامے) باندھتے ہیں۔ اور موزہ اور چڑے کے لباس پہنتے ہیں۔ اور عورتیں چیت، کرباس اور ملل کے کپڑے استعمال کرتی ہیں اور چہرہ پر نقاب ڈالتی ہیں۔ یہاں کے لوگ شکار کے بہت شوقین ہیں۔ اس لئے ان اطراف میں بہت سی اقسام کی بندوقیں لوگوں کے پاس ہیں۔

ورنج | یہاں کے لوگ بالکل گورے رنگ کے ہوتے ہیں اور فغانی زبان میں بات چیت کرتے ہیں۔ ورنج کے ماتحت کئی گاؤں ہیں۔

جو سب درے ہیں اور ان سب میں پانی جاری رہتا ہے سب کی آب و ہوا نہایت خوشگوار ہے اور ٹھنڈی ہے۔ اور یہاں میوے بھی کثرت سے ہیں۔ اس طرف کے تمام کوہ و درشت قدرتا خوبصورت اور حسین ہیں۔ انہی مقامات میں ایک ”درہ طرشت“ ہے جہاں خلی جانب سے پانی آتا ہے۔ اور ایک آبشار بھی ہے جس کا پانی بہت زور کے ساتھ ایک بلند پہاڑی سے گرتا ہے۔ اس آبشار سے اگر بجلی نکالی جائے تو روشنی وغیرہ کی ضرورتوں کو ایک حد تک پورا کر دے گی۔ اور

اس سے کارخانے بھی جاری ہو سکتے ہیں۔

ایک اور جگہ ”تنگاب میاں“ ہے جہاں شمال سے پانی آتا ہے۔ یہ بھی خوبصورت جگہ ہے۔ یہاں قرآن کریم کے حافظ اور قاری اور علماء و مشائخ اور سادات بہت ہیں۔ تاجک اور ہزارہ لوگوں کی آبادی ہے۔

”درہ طرشت“ میں بزرگان دین کے مزارات بھی ہیں۔ شیخ نظام الدین، شیخ نجم الدین، سید غیاث الدین، سید قاضی اور مولانا وقاص کے مزارات سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ ایک نئے برگ شیخ خلیل اللہ کا بھی مزار عوام کا مرجع ہے۔ کہتے ہیں مرحوم کا انتقال بخارا میں ہوا تھا اور عقیدتمند حضرات ان کی لاش یہاں اٹھا لائے تھے۔

یہاں کے پہاڑی جنگلوں میں مختلف قسم کے بے شمار درخت ہیں۔ اور پہاڑی چشموں اور جوضوں پر مرغابی، کبوتر اور مختلف اقسام کے جانور اکثر شکار کئے جاتے ہیں۔ اور جنگلی مرغ بھی اس طرف پایا جاتا ہے۔

دورِ سج میں ایک خاص قسم کا پھل جس کو ”لالہ سفید“ کہتے ہیں پایا جاتا ہے جس کو یہاں کے باشندے بہت شوق سے جمع کرتے ہیں، اور اس کے بیج کو جو پیاز کی طرح ہوتا ہے چھیل ڈالتے ہیں۔ اور جوش دیکر کوٹ لیتے ہیں، اور اس کا نشاستہ پکاتے ہیں جو مزے میں شہد اور کھیر کی طرح شیریں ہوتا ہے۔ اس طرح اس قسم کے اور بھی کئی پھل دیکھے گئے ہیں۔

سڑکیں صنعت۔ خوراک۔ پوشاک | دورِ سج سے ایک

راستہ کو ریپتو میریان کو گیا ہے، اور دوسرا راستہ کرآن تک پہنچاؤ جس کے راستے میں حضرت سعد وقاص کی زیارت گاہ ملتی ہے۔ ایک سڑک بچہ کی سرسبز وادی سے ہوتی ہوئی فرخار گئی ہے۔ یہاں کی عام صنعت پارچہ بانی ہے۔ اور کاشتکاری بھی ہوتی ہے۔ زمین کا زیادہ حصہ آبی ہے اور کچھ ملی ہے۔ جو گیہوں باقی، اور شنگ عام پیداوار ہے۔

میوے بھی زیادہ نہیں پائے جاتے، اور عام طور سے فرخار کی نسبت خوراک و پوشاک بھی بہت ہے۔ باقی اور شنگ کھاتے ہیں اور گیہوں، جو اور شنگ کے ملے ہوئے آٹے کی روٹیاں سوکھی بھی کھاتے ہیں۔

یہاں پانچ قسم کی معمولی ساخت کی بندو قیس لوگوں کے پاس ہیں۔ اندراب اور دورِ سج کے باشندے بہادر اور باہمت ہوتے ہیں، اور جنگ کے موقع پر ہمیشہ غالب اور کامیاب ہوتے ہیں۔

تالقان کی سڑکیں | کلفگان، فرخار اور دورِ سج کے علاقے سب تالقان کی ماتحتی میں ہیں۔ اسلئے ہم ذیل میں تالقان کی سڑکوں کے حالات لکھتے ہیں:-

تالقان کی مغربی جانب ایک بڑی سڑک ہے جو خان آباد تک گئی ہے۔ اور دوسری رشتاق تک گئی ہے۔ اور ایک سڑک جو درآہم کو کتھم تک پہنچی ہے۔ اور ایک سڑک چال، اشکمش، فرخار اور دورِ سج کو جاتی ہے۔ تالقان کے چاروں طرف بہت سی

سڑکیں ہیں جو ملک کے تمام حصوں میں جاتی ہیں۔ تالقان کے دیہات میں پانی ہمیشہ جاری رہتا ہے۔

نہرین | نہرین کا دوسرا نام ”برکہ و تیموز“ ہے کیونکہ یہاں ازبک برکہ، او تیموز قبائل کے لوگ رہتے ہیں۔ یہ دوسرے درجہ کی حکومت ہے اور چال و شکش اس کی ماتحتی میں ہیں۔ گرمیوں میں پارہ حرارت ۹۸ درجہ ہوتا ہے۔ قشنگ اور خوش رنگی مقامات کی فضا بہت اچھی ہے۔

پستہ کے بہت سے جنگلات ہیں۔ جو بہت سستے داموں میں ملتے ہیں۔ نہرین کے چاروں طرف دیہاتیں ہیں۔ تاجک، ازبک، ہزارہ اور افغان قبائل کے لوگوں کی آبادی ہے۔ زمین کا زیادہ حصہ لہمی ہے اور آبی زمین کم ہے۔ نہرین میں .. امکانات اور سوہی دکانیں ہیں۔

سڑکیں | (۱) مشرقی جانب ہے جو خواجہ ہجران تک جاتی ہے (۲) مغربی جانب ہے جو طیقان حسن تال اور بغلان تک جاتی ہے (۳) جنوب کی طرف ہے جو شیخ جلال سے بغلان تک گئی ہے (۴) یرم تک جاتی ہے (۵) کوتل مرغ، خوش درہ اور شیخ جلال تک جاتی ہے (۶) پیش گزہ سے غوری تک گئی ہے۔

(۷) خنجان، وکیلہ گئی اور دوشی تک چلی گئی ہے (۸) درہ گدڑی سے مشرق کی طرف جا کر حیدر پل پر دو حصوں میں منقسم ہو گئی ہے۔ ایک سڑک خوشت تک اور دوسری شہر شرا و جیل و اق تک چلی گئی ہے خواجہ ہجران میں ایک درہ ہے جو نہرین سے تین کروہ دور ہے

جو پتھر کے کولہ کی ایک کان ہے۔

خواجہ ہجران کی زمین عام طور پر لہمی ہے۔ باشندے بات چیت ترکمانان میں کرتے ہیں لیکن الفاظ بہت غلط استعمال کرتے ہیں۔

چال اور شکش | چال اور شکش نہرین کی حکومت کے ماتحت دوسرے درجہ کی علاقہ داری ہے۔ چال میں سرکاری عمارتیں بھی ہیں۔ اور .. امکانات ہیں۔ اور شکش میں مین ہوا رہے اور نفیس چراگاہیں ہیں۔ اور خوبصورت چمن زار ہیں۔ اور پستہ، بادام، آجہ اور ولانہ کے جنگلات ہیں۔ باشندے تیمز ہیں۔

راستے | چال کے جنوب کی طرف ایک درہ ہے جہاں سے خوست کو ایک راستہ گیا ہے۔ ایک اور راستہ ہے جو قلول اور گندہ چشمہ تک گیا ہے۔ قلول ایک درہ ہے جہاں میوے اور قوت بہت ہوتے ہیں۔ (۳) جبل داق اور نہرین تک گیا ہے۔ (۴) یہ راستہ فوری سنگ اور خواجہ ہجران کو جاتا ہے (۵) خوشت تک پہنچا ہے (۶) شہر شرا اور خواجہ ہجران تک گیا ہے (۷) تالقان جاتا ہے (۸) شکش سے چال جاتا ہے (۹) خوشت، نمک آب اور تالقان کو راستے گئے ہیں (۱۰) دو منزل کا راستہ ہی تالقان گیا ہے (۱۱) ایک منزل ہے جو اندراب تک جاتا ہے (۱۲) خنجان اور سالنگ گیا ہے (۱۳) مغربی جانب ہے اور بغلان تک جاتا ہے۔ (۱۴) خوست اور فرنگ تک گیا ہے۔

صنعت | عام طور سے یہاں کے لوگ زراعت پیشہ ہیں اور

سب سے بہتر مانا گیا ہے۔

آب ہوا | بدخشاں کی آب و ہوا بہت اچھی اور صحت بخش

ہے۔ امراض بہت کم ہیں اور تندرستی عام ہے۔ بدخشاں میں اونٹ کم ہوتا ہے لیکن بکریاں قطعاً کی بہ نسبت بے شمار ہیں۔

گھوڑے بھی ہیں۔ بدخشاں کا اکثر حصہ کوہستانی ہے اور بہت سرد ہے۔ خاص طور سے شمال اور جنوب کے تمام حصے برف سے ڈھکے ہوئے ہیں۔ جہاں بہت ہی سخت سردی پڑتی ہے

یہی وجہ ہے کہ یہاں ”ترکی بکریاں“ زندہ نہیں رہتیں کیونکہ وہ اتنی سخت سردی برداشت نہیں کر سکتیں۔ اور سردی کی وجہ

سے بکریوں کے لئے چارہ بھی بہت کم میسر آتا ہے لیکن ”گدڑی بکری“ ان اطراف میں بے شمار ہے۔ کیونکہ یہ سردی پسند کرتی ہے

اور بہت کم چارہ کھاتی ہے اور سال میں دو مرتبہ حاملہ ہوتی ہے۔

صنعت | بدخشاں میں پارچہ بانی کی صنعت بہت عام ہے۔

پہاڑی علاقہ کے لوگ اونٹنی کپڑے بنا کر اپنا پیٹ پالتے ہیں اور اس کی

تجارت کرتے ہیں۔ رستاق میں صابون سازی کی صنعت

بہت زیادہ رائج ہے اور قطعاً بدخشاں کے تمام علاقوں میں رستاق

کا ہی صابن استعمال کیا جاتا ہے۔

یہاں کے لوگ خوبصورت اور گوسے چھتے ہوتے ہیں۔

تاجک قبائل کے لوگ بہت زیادہ ہیں اور ترکی کم ہیں۔

عام زبان فارسی ہے لیکن پہاڑی علاقوں اور شنگان و اقان

اور خجستان میں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں۔ یہاں کے لوگوں کا

بعض چمڑے کا کام بھی کرتے ہیں اور سامان تیار کر کے تالقان اور

خان آباد کی منڈیوں میں فروخت کرتے ہیں۔ چونکہ چال بیشالی

جانب دریا کے کنارے نمک کی کان ہے اس لئے بعض نمک

فروشی بھی کرتے ہیں اور بعض کپڑے بھی بناتے ہیں۔ زمین کا زیادہ

حصہ لٹی ہے اور آبی زمین بہت کم ہے۔ پیداوار جو، گہو، چنا،

روٹی، شالی، زرخ اور جو آ رہے۔ اور میووں میں توت، زرد آلو

انگور، سیب، شتالو، خربوزہ اور تربوز ہوتے ہیں۔

چال اور شگش نہرین سے ۷۰ کوہ دور ہیں۔ اور ان میں

سے زائد مکانات ہیں ۷۰ دکانیں ہیں۔ آبادی ۲۰۰۰۰۰ ہزار

کے قریب ہے۔ آبادی اور مکانات کا یہ اندازہ دیہاتوں کو

ملاکر ہے۔

”بدخشاں“ | بدخشاں دارالسلطنت کابل سے شمالی جانب

دریائے امویہ کے کنارے واقع ہے۔ جنوب میں کوہ ہندوکش

مشرق میں چتر، شنگان اور دروازہ ہیں۔ مغرب میں کھفگان ہے۔

بدخشاں کی پیداوار، گہو، جو، باقلی، زرخ، چنا، کھول

کوکنار، شنگ اور ارزن ہے۔ زمین اکثر لٹی ہے اور کمیں

کیں آبی بھی ہے لیکن یہاں کی لٹی زمین بھی ایک خوبی ہے

کہ اس میں بہر قسم کی زراعت کی جاسکتی ہے اور تمام قسم کی

پیداوار ہوتی ہے۔ اور بہر قسم کے میوے یہاں پائے جاتے

ہیں۔ جرم، بہارک، زردیو، کشم، شنگان کے میوے، تمام

افغانستان میں مشہور ہیں۔ بہارک اور رستاق کا سیب

عام مذہب آغاخانی ہے۔

معدنیات | لعل، لاجورد، سُرمہ، گندھک، سیسہ اور چون کی کانیں بہت سے مقامات پر ہیں۔ اور اگر تلاش کی جائے تو تو ابھی بے شمار کانوں کا اور پتہ چل سکتا ہے (اب نادری حکومت انتظامات میں مصروف ہے)

باشندوں کے نام | بدخشاں کے علاقہ کے اہلسنت جی زیادہ تعداد فیض آباد، جرم، کشم، درواز، اور ستاق وغیرہ مقامات میں ہے۔ ان کے مردوں کے نام عام طور پر عاشور، آدینہ، صفر قربان، سید میرزا، نیاز محمد، چنگک، میرزا پید پر ہوتے ہیں۔ اور ان کی عورتوں کے نام راحت بیگم، نزاکت بیگم اور صورت بیگم کی طرح ہوتے ہیں، اور آغاخانی مردوں کے نام عزت بیگ، خاکی، یعقوب علی، صفر علی، دوشنبہ، آدینہ، یکشنبہ، چہار شنبہ وغیرہ ہوتے ہیں، اور آغاخانی عورتوں کے نام شکریا، عزت، شیریں، ما، کلما، خزا، قمر، وغیرہ ہوتے ہیں۔ اور قزغز کے علاقہ کے مردوں کے نام جبار قل، تختہ سم، توختہ سول، احمد قل، خدائے بردی وغیرہ ہوتے ہیں، اور عورتوں کے نام کلثوم، عائشہ، فاطمہ، خدیجہ وغیرہ ہوتے ہیں۔

رائع یقل۔ درواز اور شہر بزرگ میں زیرہ بہت ہے اور دوسرے مقامات پر کم ملتا ہے۔

رستاق اور دروازیں پتہ بے حساب ہے اور دوسرے مقامات پر اس کثرت سے نہیں ملتا۔

بدخشاں کے تمام علاقوں میں بھیڑیا، لوٹری، سیاہ خرگوش اور دیگر بال دار جانور پائے جاتے ہیں لیکن دروازیں اس قسم کے جانور بہت ہی زیادہ ہیں۔ اس لئے یہاں ان کی کھالیں اور پوستیں بھی سستے اور بکثرت ملتے ہیں۔

بنفشہ، شقائق اور ساق بدخشاں کے تمام ضلع میں پایا جاتا ہے۔

اصلی اور خالص میرہ جو کہ امراض چشم کے لئے اکیس رہے پامیرات، برغلی، زردیو، شنگان، اور شیوہ میں بہت ملتا ہے اور درمئے ترکی میں بھی تھوڑا موجود ہے۔

کوز (ایک خاص قسم کا پھل) بھی بدخشاں کے علاقہ میں کثرت سے ملتا ہے جس کو کابل اور ہمت مشرقی افغانستان کے باشندے شوق سے کھاتے ہیں اور اس کا سالن پکاتے ہیں لیکن بدخشاں کے لوگ اس کو پسند نہیں کرتے۔

شکار | جاڑوں کے موسم میں بدخشاں کے پہاڑوں اور تمام مقامات پر ہرن اور دوسرے جنگلی جانوروں کا شکار کیا جاتا ہے کبھی شکار بندوق سے کرتے ہیں اور کبھی اس طرح کہ آدمیوں کا ایک غول جنگ میں پہنچا اور اس نے ہرن اور دوسرے جنگلی جانوروں کو مہکانا شروع کیا اور جو جانور نکلا اس کو چاروں طرف سے لوگوں نے گھیر لیا اور اس کے پیچھے دوڑے اور اس کو پکڑ لیا۔ اور کبھی بال لگا کر جانوروں کا شکار کیا جاتا ہے بدخشاں کے لوگ شکار کے بہت شوقین ہیں اور وہ آسانی

سے شکار کرنے کی سینکڑوں ترکیبیں جانتے ہیں۔ دریائے کوکچہ اور دریائے مزبور اور دریائے زیباک اور دریائے وردوج میں مچھلی کا شکار بھی کیا جاتا ہے۔ بدخشاں کے دریاؤں میں ایک خاص قسم کی مچھلی بھی پائی جاتی ہے جو کسی دوسری جگہ نہیں ہوتی اور جس کو بدخشاں "ہتھ" کہتے ہیں۔ اس مچھلی میں کانٹے کم ہوتے ہیں اور جلد پر سرخ سرخ داغ ہوتے ہیں اور اس کا گوشت میٹھا اور لذیذ ہوتا ہے۔

کران اور بجان کے لوگ جاڑوں میں مرغابیوں کا شکار کرتے ہیں اور یہ عجیب طریقہ سے شکار کھیلتے ہیں تین چار آدمی جمع ہو کر کسی دریا یا حوض پر چلے جاتے ہیں اور وہاں خس کا ایک پیخڑہ بناتے ہیں جو عام طور سے۔ اگر لانا اور سگڑا ہوتا ہے اور پھر وہاں دانہ ڈال دیتے ہیں اور وہاں سے ہتھک دور آڑ میں چلے جاتے ہیں اور جب بہت سی مرغابیاں حوض کے کنارے آتی ہیں تو وہ دانہ کے لالچ میں اس پیخڑہ میں آ جاتی ہیں۔ ایک آتی ہے پھر دوسری آتی ہے۔ پھر چارپانچ آتی ہیں یہاں تک کہ جھنڈ کا جھنڈ پیخڑہ میں آ جاتا ہے۔ تو شکاری نہایت خاموشی سے آتے ہیں اور پیخڑہ کو قابو میں کر لیتے ہیں اور اس صفائی کے ساتھ کہ ایک بھی مرغابی بھاگنے نہیں پاتی۔ اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ مرغابیاں پیخڑہ میں نہیں جاتیں تو اُس وقت شکاریوں میں سے ایک مرغابیاں ہکا تا ہے اور دو تین خس کے پیخڑہ کو بڑی پھرتی اور جالاکی سے مرغابیوں

پر ہنگ دیتے ہیں اور فوراً ہی پانی میں کود کر سب کو کچل دیتے ہیں۔ اس شکار میں دو تین نکل بھی جاتی ہیں لیکن ایسا نہیں ہوتا کہ ان کا وار خالی جائے۔ بدخشاں لوگ اس ترکیب سے ۵۰، ۶۰، مرغابیاں روز مار لیتے ہیں ان ترکیبوں کے علاوہ اور بھی بہت سی ترکیبیں مرغابیوں کو شکار کرنے کی جانتے ہیں۔

تجارت | بدخشاںی تجارت کپڑے کی تجارت زیادہ کرتے ہیں بعض ایسے تاجر ہیں جو قطن و بدخشاں کے علاقوں ہی میں جکر کاٹتے رہتے ہیں۔ لیکن بدخشاں کے بنے ہوئے کپڑوں کی تجارت کرتے ہیں انہیں اونی کپڑے خریدتے اور فروخت کرتے ہیں اور بعض ایسے تاجر ہیں پشاور اور انگریزی حصوں میں بدخشاںی مصنوعات کو فروخت کرتے ہیں۔ یہ لوگ پشاور وغیرہ سے چار، شکر اور دوسری ضرورت کی چیزیں بدخشاں لے جاتے ہیں۔ اور بدخشاں سے کپڑے اور میوے وغیرہ پشاور لاتے ہیں۔ لومڑی، شیر اور چیتے کی کھالوں کی پوتین اور سادی کھالوں کی بھی تجارت کرتے ہیں جو پشاور کے لوگ شوق سے خریدتے ہیں۔

زار روس کے زمانے میں بدخشاںی لوگ روس میں بھی تجارت کی غرض سے جاتے تھے لیکن بالشویک حکومت کے بعد ہر قسم کی آمد و رفت ممنوع ہو گئی ہے۔

آبادی کے قابل زمینیں | (۱) موضع بہارک میں شہر

فراخ نامی ایک قطعہ زمین خالی پڑا ہے جو ۳ کروہ لانا اور ۲ کروہ چوڑا ہے۔ جنرل تاج محمد خاں نے جاہا تھا کہ یہ حصہ آباد ہو جائے اور اس مقصد کیلئے انہوں نے دریائے وردوج سے ایک نہ

بھی نکالی تھی جو بعد میں بے توجہی کے سبب خراب ہو گئی۔ (۲) مقام جرم میں شاہ ناصر کے قریب ایک میدان ہے جو نیو سچ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ میدان بالکل ہموار ہے اور یہاں کی مٹی بہت عمدہ ہے۔ یہاں نہایت آسانی سے پانی لایا جاسکتا ہے اور ایک بڑی آبادی کی آبائی جگہ نکل سکتی ہے۔ (۳) اشکاتم زیباک میں ایک میدان ہے جہاں پانی بھی کافی موجود ہے، اور ذرا سی کوشش سے پانی کو جگہ جگہ پھیلایا جاسکتا ہے۔ یہاں بھی آبادی کے لئے بہت گنجائش ہے۔ (۴) مشہد کشم میں کئی بڑے بڑے میدان خالی پڑے ہیں جس میں بہت کافی پانی بھی ہے۔ اور اس میں آبادی کیلئے بہت زیادہ گنجائش ہے۔ ان مقامات پر اگر آبادیاں ہو جائیں تو اچھے خاصے شہر آباد ہو سکتے ہیں۔ بدخشاں کے پل بدخشاں کے دریاؤں پر حسب ذیل پل ہیں:-	پل کے نام پل تنگی کران اسکا زرگران یردار سرشہر گاؤ خانہ زیباک اسکول دریائے دراہم تنگان مشہد ظفر بیگم شیمہ پال خر	تفصیل کان لاجورد کے قریب ہے۔ منجان اور آکار کے درمیان دریائے دروچ پر ہے۔ دریائے زردیو پر ہے۔ چترار اور سینکچ کے درمیان ہے۔ " " " " ان پلوں پر خان آباد فیض آباد اور کشم سے خان آباد آتے جاتے ہیں۔ دریائے کوکچہ پر ہے۔ کشم کے راستے میں پڑتا ہے۔
پل خشتی رباطک تنگ علی مغل سوچ	تفصیل فیض آباد کے علاقہ میں بہارک کے راستے میں پایان شہر میں جرم اور بہارک کی آمد و رفت کیلئے ہے جرم اور چین کی آمد و رفت کیلئے ہے	مزارات بدخشاں فیض آباد شہر میں خرقہ شریف کی ایک زیارت گاہ ہے۔ کہتے ہیں احمد شاہ غازی اس کو قدحدار سے لایا تھا اور یہاں اس نے ایک زیارت گاہ بنوائی ہے۔ یہ فیض آباد کا متبرک مقام ہے۔ یہاں لوگ آتے ہیں اور خرقہ نہایت کی زیارت کرتے اور اس کو چومتے اور آنکھوں سے لگاتے ہیں۔ اور جو درجہ آکر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں۔

(۲) زیارت میرغیاث الدین ولیؒ۔

(۳) حضرت خواجہ کی ایک درگاہ ہے جو بیرونِ شہر واقع ہے اور وہاں ایک چٹمہ اور چنار کے درخت بھی ہیں۔

(۴) درہ زردیو میں حضرت شیخ حمید الدین کا مزار ہے جو بہت بڑے عالم اور مجتہد اور تبع تابعین میں سے ہو گئے ہیں اور جو سنہ ۱۱۵۵ھ میں بدخشاں تشریف لائے تھے اور جہاں مزار واقع ہے وہیں سکونت رکھتے تھے۔

(۵) زیباگ میں حضرت دیوانہ شاہ کا مزار ہے جو سادات میں سے تھے اور بڑے بزرگ گزرے ہیں۔

(۶) آجرم میں حضرت شاہ ناصر کا مزار ہے جن کے نام پر اس موضع کا نام ہی شاہ ناصر پڑ گیا ہے۔

(۷) رستاق کے علاقہ میں ایک زیارت ”سرفراز شہر“ ہے جو بہت ہی پُر پیچ اور خطرناک غاروں اور پہاڑوں کے درمیان واقع ہے اور آثار قدیمہ میں سے ہے۔ اس زیارت تک پہنچنا بہت ہی دشوار معلوم ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ پہلے لوگوں نے کیلیں اور تختے لگا کر راستہ بنایا تھا۔ مگر اب وہ راستہ قائم نہیں رہا۔

(۸) تورغندیہ میں حضرت بہاء الدین ولیؒ کی زیارت گاہ

تاریخ بدخشاں

بدخشاں زمانہ قدیم میں بخارا کی سلطنت میں شامل تھا۔ اور یہاں کا حاکم ”میر بدخشاں“ کہلاتا تھا۔ لیکن

کچھ مدت گزرنے کے بعد اُن کے آپس کے اختلافات نے بدخشاں کی سیاست کو تاریک کر دیا تھا اور وہ خانہ جنگیوں کا مرکز بن گیا تھا۔

۱۶۸۵ء میں قلعن کے اوزبک لوگوں نے بدخشاں کو پریشان کر دیا تھا اور وہ انتہائی ظلم و ستم کے ساتھ پیش آتے تھے اور بدخشاں کی حکومت کا یہ حال تھا کہ کوئی حاکم نہ تھا اور شاہی خاندان میں بادشاہی کر نیوالا کوئی نہ تھا اور ملک میں ہر طرف فساد اور طوائف الملوکی کا دور تھا۔ ان حالات کو دیکھ کر بدخشاں کے سرداروں نے بالاتفاق یار بیگ کو جو ہم قند کے سادات اور خاندانی لوگوں میں تھا میر اور حاکم بدخشاں بنالیا۔ اور سب لوگوں نے اس کی سیادت منظور کر لی۔ میر یار بیگ خاں نے اطمینان سے ابھی دو سال ہی حکمرانی کی تھی کہ نقیل کے باشندوں نے شاہ عماد نامی ایک شخص کو اس کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا اور اس کے لئے نقیل میں ایک جنگی قلعہ بھی تیار کر دیا گیا۔ میر یار بیگ چونکہ بہت امن پسند آدمی تھا اس لئے وہ اس فتنہ انگیزی سے بہت آزرده خاطر ہوا اور حکمرانی چھوڑ کر ہندوستان چلا آیا۔

میر یار بیگ ہندوستان میں آیا ہی تھا کہ محمودیہ نے قلعن سے آکر بدخشاں پر قبضہ کر لیا۔ بدخشاں کے لوگ میر یار بیگ کے ہندوستان چلے جانے سے بہت پریشان ہوئے اور انہوں نے دس سجدہ آرمی ہندوستان میں میر یار بیگ کو واپس لانے کے لئے بھیجے۔ ان لوگوں نے بڑی منت سماجت کے بعد

میر یار بیگ کو بدخشان آنے پر راضی کیا جب میر یار بیگ بدخشان آیا تو محمود بے اور شاہ عماد بدخشان کی حکومت چھوڑ کر چلے گئے اور از سہر نو میر یار بیگ بدخشان کا میر اور حاکم ہو گیا اس نے فیض آباد کے قریب اپنا قلعہ بنوایا۔ اور اطمینان سے حکومت کرنے لگا۔ اسی اثناء میں سمرقند کے چند اشخاص حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خرقہ مبارک لئے ہوئے ہندوستان جا رہے تھے اور وہ ابھی حیدر آباد تک ہی پہنچے تھے کہ میر یار بیگ خان کو اس کی خبر ہوئی۔ اس نے ان سب کو اپنے پاس بلوایا اور ان کو بہت سی زمین اور روپیہ دیکر راضی کر لیا کہ وہ باہر نہ جائیں اسی ملک میں رہیں، اور اس خرقہ شریف کے لئے اس نے ایک زیارت گاہ تعمیر کرائی جو ایک مضبوط قلعہ کی طرح تھی اور اس زیارت گاہ کا ان لوگوں کو مجاور بنادیا اور اس کے بعد سے اس مقام کا نام فیض آباد ہو گیا۔

میر یار بیگ خان نے پچاس سال حکومت کی اس کے بعد اس کا انتقال ہو گیا اور اس کا بیٹا السلطان سلیمان شاہ اسکی جگہ بیٹھا، اور اس کے سب بھائی اس کے ساتھ تھے۔

محمود بے جو اب تک میر یار بیگ کی طاقت کی وجہ سے خاموش بیٹھا ہوا تھا فوراً بدخشان پر حملہ آور ہوا لیکن شکست کھا کر بھاگ گیا سلیمان شاہ نے سات سال حکومت کی اور بابا فقیر الدین نامی ایک شخص کے ہاتھوں جو قبیلہ قوم کا تھا مارا گیا۔ اس کے بعد یوسف علی اس کے چھوٹے بھائی نے حکومت کی باگ نبھالی اور

پانچ سال تک حکومت کی لیکن اس کی حکومت میں خلفشار رہا اور وہ چین سے حکومت نہ کر سکا۔ سن ۱۳۱۵ھ میں فوت ہو گیا۔ اس کے بعد سب سے چھوٹا بھائی ضیاء الدین تخت حکومت پر بیٹھا لیکن اسکو بھی سن ۱۳۱۹ھ میں قاضی اللہ خان نامی ایک شخص نے قتل کر دیا۔

اس کے قتل کے بعد ملک میں بہت خلفشار رہا اور ہر طرف لوٹ مار کا بازار گرم ہو گیا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر سلیمان بیگ نے بدخشان پر قبضہ کر لیا۔ اور کچھ عرصہ تک اس کی اولاد بدخشان کی میری کا سلسلہ چلتا رہا۔ یہاں تک کہ میر یار بیگ خان کی اولاد نے پھر بدخشان پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد میر سلطان شاہ نے، اس کے بعد میر سربان الدین خان نے بدخشان کی میری کی ان کے بعد میرزا کلان نے، پھر احمد شاہ خان، پھر میرزاے کلان ثالث نے، پھر شاہ زمان الدین خان نے بدخشان کی میری کی۔ شاہ زمان الدین خان کے تین لڑکے تھے۔ میر شاہ۔ میر یوسف علی خان اور میر نصر اللہ خان لیکن ان میں سے کوئی بھی باپ کی گدی پر نہ بیٹھ سکا کیونکہ قلعن کے میر مراد بیگ نے جس کو امیر بنانا نے اتالیق کا لقب دیا تھا بدخشان پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا تھا۔ اتالیق نے میر بدخشان ہوتے ہی ان تینوں شاہزادوں کو قید کر دیا جو مدت تک قید میں پڑے رہے۔ لیکن جو شخص قید میں ان کی نگرانی پر مقرر تھا وہ چرس پیئے کا عادی تھا اور میر نصر اللہ خان بھی چرس پیئے تھے۔ اس لئے میر نصر اللہ چرس بازی کی دوستی سے فائدہ اٹھا کر اپنے بھائیوں سمیت قید سے فرار ہو گئے۔ میر مراد بیگ کو

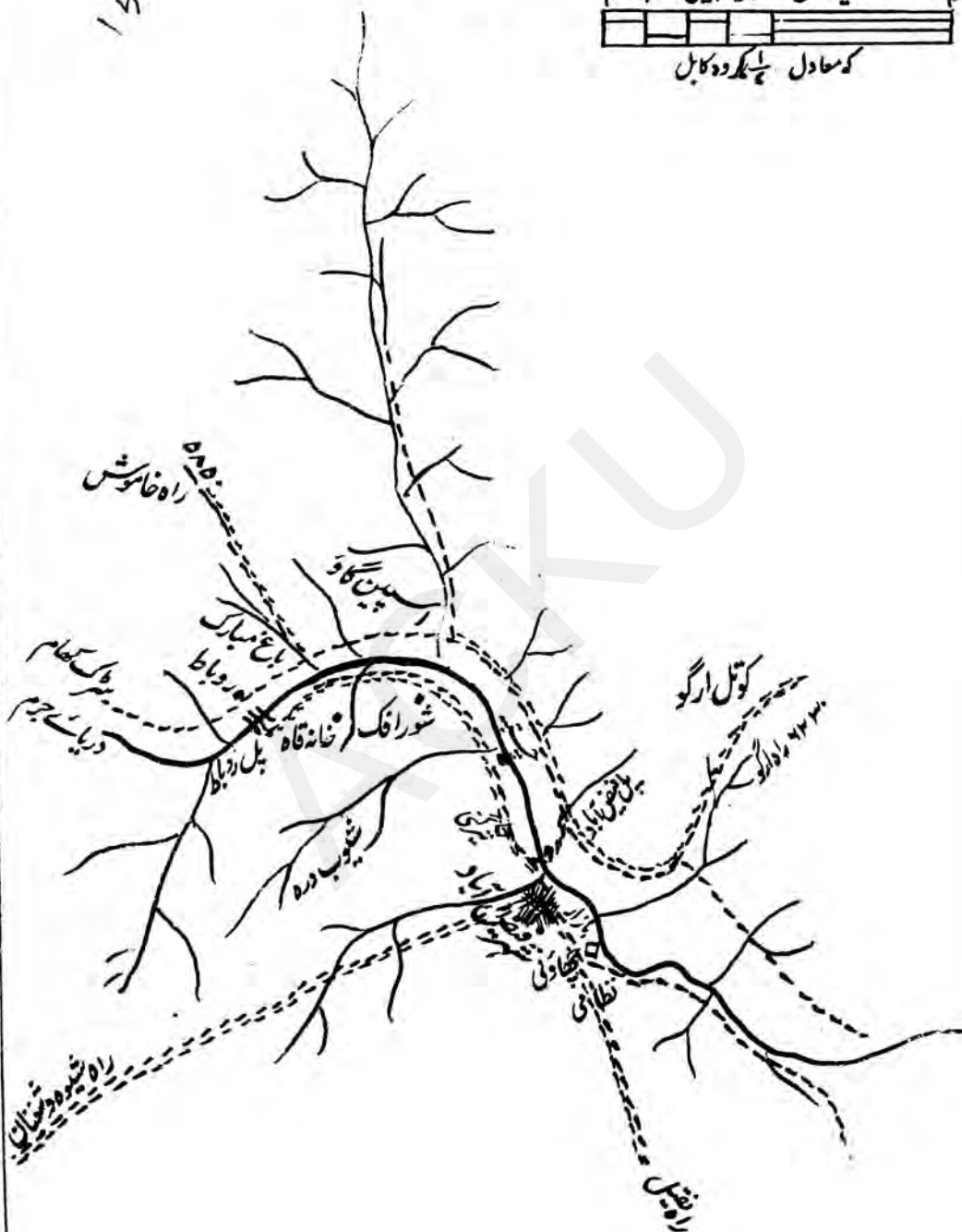
جب ان شاہزادوں کی فراری کی خبر ملی تو وہ بہت گھبرایا اور اس نے فوراً ان کی گرفتاری کے لئے فوج روانہ کی جو تالقان تک آئی لیکن مفرورین تالقان سے رستاق پہنچ چکے تھے۔ اور رستاق کے باشندوں کی پناہ میں آگئے تھے۔ شاہی سوار رستاق پہنچے لیکن وہاں کے باشندوں نے میرزادوں کو حوالہ کرنے سے انکار کر دیا۔ میرزا دیگ نے اپنے لڑکے کی ماتحتی میں ایک زبردست فوج رستاق بھیجی لیکن اس پر بھی اہل رستاق نے میرزادوں کو حوالہ نہ کیا۔ نتیجہ ایک جنگ کی صورت میں نکلا جس میں مرزا دیگ کے لڑکے کو صلح کا دامن پھیلا کر جان بچانی پڑی۔ اس کے بعد میر شاہ نے یوسف علی خان کو رستاق کا اور نصرت اللہ خان کو کشم کا حاکم مقرر کیا اور خود بدخشان چلا آیا اور اپنے باپ کی کھوئی ہوئی گدی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے فیض آباد میں اقامت کی اور اسی کو اپنی حکومت کا صدر مقام بنایا۔

اس کے تین بیٹے تھے۔ میر جاندار شاہ۔ میر شجاع علی اور میر شاہزادہ جن۔ یہ تینوں جوان ہو گئے تھے اور چاروں طرف لشکر کشی اور ملک گیری میں مصروف تھے۔ کہتے ہیں کہ بدخشان کی حکومت میر شاہ کے عہد میں خان آباد۔ ورج۔ کلفگان۔ تالقان اور دوسری جانب شنگان، واخان، چترال، سرقول اور پامیر تک پہنچ گئی تھی۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی علاقے بدخشان کے ماتحت اور باج گزار ہو گئے تھے۔ میر شاہ کے

انتقال کے بعد اس کا بیٹا جاندار شاہ بدخشان کا میر ہوا۔ میر شاہ نے اپنی زندگی میں ہی جاندار شاہ کو شنگان کا حاکم بنا دیا تھا۔ اگرچہ یہ بہادر تھا لیکن اس کے دماغ میں کچھ جنون بھی تھا۔ اس لئے کہ اس نے اپنے چچا میر یوسف علی کو معمولی شہر پر قتل کر ڈالا تھا۔ یہ ابھی دو سال بھی حکومت نہ کرنے پایا تھا کہ امیر شیر علی خان والی افغانستان نے محمد علم خان کو بدخشان کی تختیر کیلئے روانہ فرمایا۔ میر جاندار شاہ محمد علم خان کی طاقت سے واقف تھا اس لئے وہ مقابلہ پر نہ آیا اور ملک محمد علم خان کے سپرد کر کے سمرقند چلا گیا۔ اور اعلیٰ حضرت ضیاء الملتہ والدین کی خدمت میں رہنے لگا اور اپنی لڑکی بھی ضیاء الملتہ کی خدمت میں پیش کی اور نکاح کر دیا لیکن اسی دوران میں وہ اپنے لڑکے شیردول خان کے ہاتھوں مارا گیا محمد علم خان نے بدخشان کی تختیر کے بعد تمام شاہزادوں اور معزول شدہ میرزادوں کو نظر کر کے مزار شریف بھیج دیا۔ اور شاہزادہ حسن کو بدخشان کا میر بنا دیا۔ شاہزادہ جن۔ امیر شیر علی خان کے عہد سلطنت میں بدخشان پر حکومت کرتا رہا۔ لیکن جب انگریزوں نے کابل پر قبضہ کر لیا تو بدخشان میں بھی شورش مچ گئی اور وہاں ایک انقلاب کے بعد میر سلطان شاہ برسرِ اقتدار آیا لیکن امیر محمد یعقوب خان نے قلعن اور بدخشان میں امن قائم کرنے کے لئے جرنیل گل احمد خان کو بھیجا جن کو بالاتفاق بدخشان کے لوگوں نے تسلیم کر لیا اور کوئی جنگ وغیرہ نہیں ہوئی۔ مگر جب انگریزوں نے دوبارہ

نقشه فیض آباد

۱۳۲۹



کابل پر قبضہ کیا اور امیر محمد یعقوب خان کو ہندوستان لے گئے تو اس علاقہ میں پھر گڑ بڑ پیدا ہوئی اور بدخشان کی امیری کے بہت سے دعویدار بن گئے۔ لیکن سب سے زیادہ طاقت میر محمد عمر خان نے حاصل کی۔

اس نے سب حریفوں کو بادیا اور اتنی قوت پکڑ لی کہ لوگ اس کو میر بدخشان تسلیم کرنے لگے۔ یہاں تک کہ میر سلطان مراد خان اس کے سب سے بڑے حریف نے بھی اس کی اطاعت قبول کر لی اور جب یہ بدخشان پہنچا تو شہزادہ حسن ڈر کر چتر بھاگ گیا۔ حاکم کشمیر بابا خان محض اس کی سلامی اور انظار اطاعت کے لئے بدخشان آیا۔ میر محمد عمر خان میر بابا خان سے بہت خوش ہوا اور اس نے بدخشان کی امیری اس کے سپرد کر دی لیکن حضرت ضیاء الملت نے اس کو گرفتار کر لیا اور میر محمد عمر خان کو بدخشان کی امیری سپرد فرمائی، اور جہاندار کے بیٹے جہانگیر کو کشمیر کا حاکم مقرر کیا۔

آخر حضرت ضیاء الملت والدین (امیر علی الرحمن خان) کی حکومت کے زمانے میں بدخشان کا صوبہ باضابطہ سلطنت کابل کا ایک حصہ ہو گیا اور امیروں کی حکومت ختم ہو گئی۔

حضرت ضیاء الملت والدین کے زمانے سے قطعاً بدخشان میں ایک حاکم کلاں (گورنر) ہوتا ہے جس کے ماتحت یہ پورا صوبہ ہے۔ اور رعایا کے آرام و آسائش کا بندوبست کرتا ہے حاکم کلاں اور تمام حاکموں کو کابل کے مرکزی خزانہ سے تنخواہ ملتی ہے۔ جب سے بدخشان سلطنت افغانستان کا ایک صوبہ ہوا ہے

ہر طرف اطمینان اور آسائش اور خوشحالی اور بے فکری کا منظر نظر آتا ہے۔ لوگ روز روز کے جھگڑوں سے نجات پانے کے لئے ایک اسلامی مرکز کے سایہ میں ہنسی خوشی سے دن گزار رہے ہیں

فیض آباد بدخشان کے علاقہ کا مرکزی مقام ہے اس کے ماتحت (۱) جرم (۲) رستاق (۳) زیباک (۴) شندمان (۵) واکان (۶) رانغ (۷) شہر نزرگ (۸) نیل (۹) کشم (۱۰) اور درہیم واقع ہیں۔

سطح سمندر سے ۵۰۰۰ فٹ بلند ہے۔ موسم گرم و بارش کا حرارت ۱۰۰ ہوتا ہے۔ یہ شہر بدخشان کا سب سے بڑا شہر ہے یہاں حاکم کلاں رہتا ہے۔

شہر اور قرب و جوار میں مختلف اقوام کے لوگ رہتے ہیں خاص بدخشانی لوگوں کے مکانات فیض آباد میں ۲۰۰ ہیں اور دوسری قوموں کے مکانات ۶۰۰ کے قریب ہیں۔

بدخشانی لوگ فارسی زبان میں گفتگو کرتے ہیں لیکن ترک اور افغان لوگ ترکی اور پشتو بولتے ہیں۔

فیض آباد کی وجہ تسمیہ بتلائی جا چکی ہے کہ خرقہ شریف کے فیض کی وجہ سے فیض آباد نام ہے ورنہ اس کا قدیمی نام جو زون تھا فیض آباد آگوست ۶ کروہ کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اوزبک نشیب میں ہے۔ چاروں طرف اونچے اونچے پہاڑوں نے گھیر رکھا ہے۔ زمین کاشت کے قابل ہے لیکن نمی سے بیوسے کے رخت بھی ہیں۔ گرمیوں میں بہت گرم ہوتا ہے لیکن چونکہ

دریائے کوکچہ لبِ شہر ہے اس لئے گرمی میں ایک بہار رہتی ہے جس سے طبیعت میں ایک سرور پیدا ہوتا ہے۔

راستے تجارت، خوراک، پوشاک | مغربی اور جنوبی طرف ایک سڑک اڑگوئی ہے۔ اور مشرقی جانب کئی سڑکیں ہیں جو چوہہ، بہارک، خاشاک اور شور آہک وغیرہ جاتی ہیں اور شمالی جانب ایک سڑک ہے جو رانج ٹنگ گئی ہے۔

فیض آباد میں اہل حرفہ بھی ہیں اور تجارت پیشہ بھی ہیں فیض آباد کے لوگ پشاور، چترال، یاقند اور کاشغر کے درمیان تجارت کرتے ہیں فیض آباد بہت بڑا تجارتی شہر ہے۔ یہاں تقریباً ۳۰۰ دکانیں ہیں۔ خوبصورت بازار ہیں۔ جامع مسجد یہاں ہیں۔ ۳ سرائیں ہیں۔ ایک رابطہ سرکاری ہے اور پانچ دیگر ہیں۔ اور ایک بہت پر فضا سرکاری بارغ ہے۔

گزشتہ دنوں میں روس سے تجارتی مال بہت آتا تھا۔ اور بدخشان کے لوگ بھی روس میں تجارت کرنے جاتے تھے۔ اور اس تجارت کا مرکز فیض آباد تھا لیکن دس سال سے یہ تجارتی مہلہ بند ہو گیا ہے۔

فیض آباد شہر میں کوئی حصہ زمین زراعت کے قابل نہیں ہے اور نہ شہری لوگ زراعت کرتے ہیں جو کچھ زمین شہر میں ہے اس پر بارغیں اور بیویوں کے درخت ہیں اور اس پر بڑے کاپڑوں کی کاشت بھی کی جاتی ہے مگر غلہ اور غور و نوش کا سامان سب مستحکات اور اطراف سے آتا ہے۔

خوراک اور پوشاک کے معاملہ میں بھی فیض آبادی تمام بخشا میں مشہور ہیں۔ باشندے بہت خوش لباس اور خوش غذا ہیں۔ فیض آباد کے اصل باشندے اہل کھن کے شوقین نہیں ہیں لیکن باجوری اور افغانی قبائل جو فیض آباد میں مقیم ہو گئے ہیں وہ مختلف قسم کی انگریزی روپی اور افغانی بندو قیں رکھتے ہیں اور انگریزوں کے اہل بھی رکھتے ہیں جو بھارت کے نام سے مشہور ہیں۔

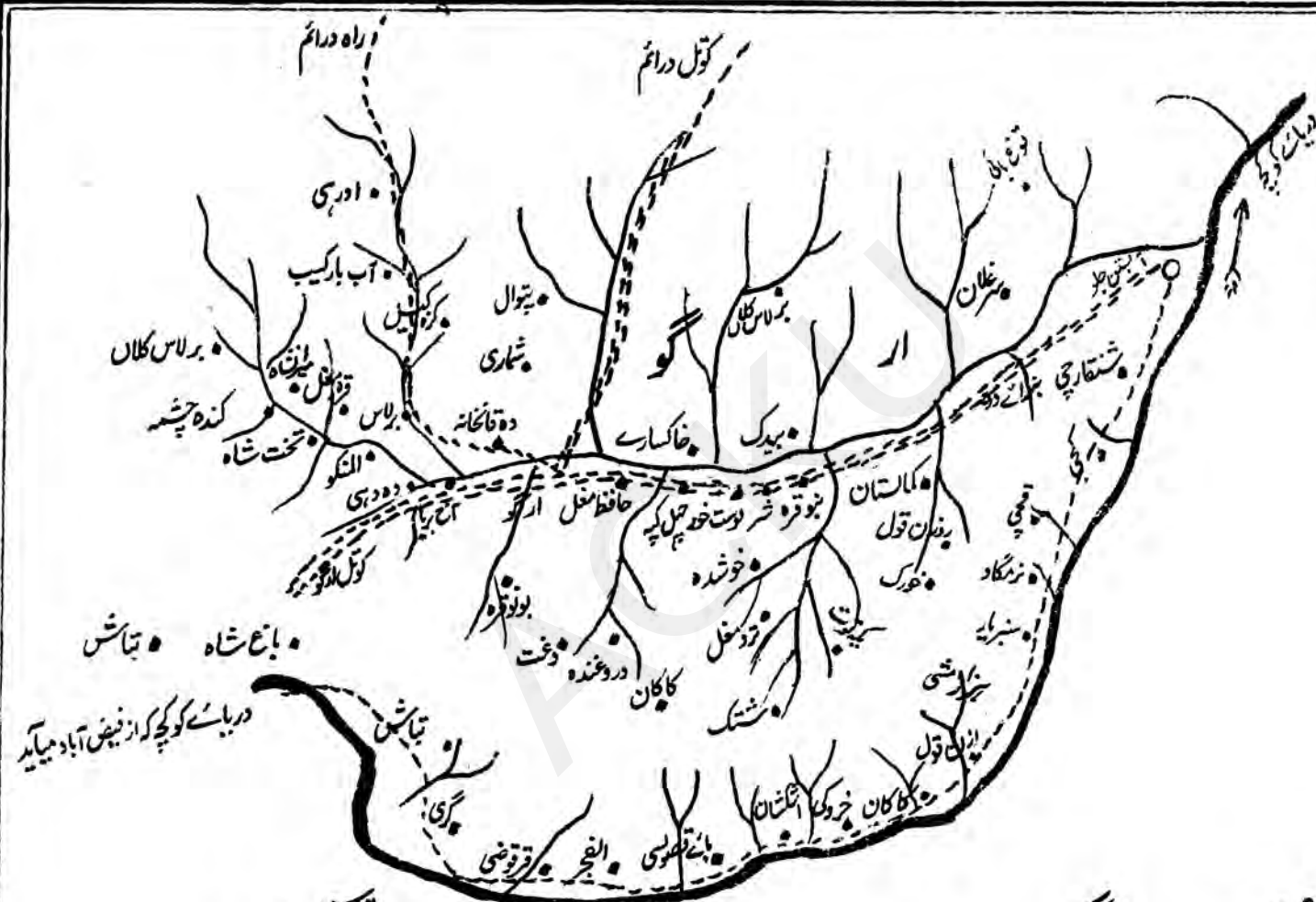
ارگو | ۹۳۰ فیٹ اونچا ہے۔ درآئیم سے ۷ کوس دور ہے۔ فیض آباد کی نسبت بہت بلند ہے۔ آب و ہوا بہت اچھی ہے۔ سرد مقام ہے اور بہت زرخیز خطہ ہے۔

ترک، مغل، تاجک اور اطروچی قبائل کے لوگ آباد ہیں دریائے کوکچہ کے کنارے اس کے کئی دیہات ہیں جو ۳ کوس کے اندر آباد ہیں۔ ارگو میں ایک بڑا درہ بھی ہے جہاں سرکاری عمارتیں ہیں۔ درہ فیض آباد سے ۷ کوس دور ہے اور خود ارگو فیض آباد سے ۱۰ کوس دور ہے۔

زمین میں غلہ خوب پیدا ہوتا ہے لیکن زمین سب لٹی ہے بیویوں کے باغات کثرت سے ہیں۔

زبان ترکی ہے۔ لوگ خوبصورت اور گندمی رنگ کے ہوتے ہیں بھٹیر، بکریاں، گائے، پالتے ہیں اور آوٹ بھی پالتے ہیں لیکن کم۔ موسم خریف میں ان جانوروں کو تجارت کی غرض سے کابل لاتے ہیں اور یہاں سے گرم کپڑے، چاء، پیسنی کے برتن خرید کر فیض آباد میں فروخت کے لئے لیجاتے ہیں۔

1599



یک انج مساوی ۳ میل مقاس

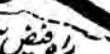
که معادل $2\frac{1}{2}$ کرده کامل

نقشہ ارگو

نقشہ نقل

15492

مقیاس
 یک اینچ مساوی ۴ میل
 کہ معادل ۲ ۱/۲ کر وہ کابل



زراعت | گیہوں جو تر بوڑ، خر بوڑ، چنے وغیرہ کی کاشت کی جاتی ہے۔ اور قابل کاشت زمین عام طور پر پہاڑوں کے دامن میں واقع ہے۔ جو اس درجہ اور اکثر برف پڑتی رہتی ہے جو زراعت کے لئے مفید ثابت ہوتی ہے۔

صنعت | عورتیں کپڑا بناتی ہیں اور نوآڑ بھی بناتی ہیں اور مرد معماری اور برہمنی کا کام کرتے ہیں کھیتوں میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی شریک رہتی ہیں۔ اور پردہ نہیں کرتیں۔

اسلحہ، خوراک، پوشاک | خوش حال لوگ اپنی حفاظت کے لئے معمولی قسم کی بندوقیں رکھتے ہیں لیکن غریب لوگوں کو اس کا زیادہ شوق نہیں ہے۔

پیشہ والے لوگ کھانے پینے میں تکلف برتتے ہیں بکری کا گوشت، گیہوں کی روٹی اور دودھ وغیرہ کھاتے ہیں لیکن غریب لوگ جو گیہوں کی روٹی دودھ کے ساتھ کھاتے ہیں یا سادی اور نمکین چاء کے ساتھ کھاتے ہیں۔

فیض آباد کی قربت کی وجہ سے یہاں کے مردوں اور یہاں کی عورتوں کو اچھا اور قیمتی لباس پسند ہے۔

سٹرکیں | یہاں سے درانیم فیض آباد، شرتی کوتل اور رشتاق کو کئی سٹرکیں گئی ہیں۔

یققل | درہ ققل فیض آباد سے تین یا چار کوس کی مسافت پر واقع ہے۔ تین سو مکانات ہیں جس میں اندازاً دو ہزار آدمی رہتے ہیں۔ تاجک قوم کے لوگ ہیں اور غولہ افغانی نسل سے کہتے ہیں

خوبصورت اندگورے ہوتے ہیں۔ فارسی زبان میں گفتگو کرتے ہیں اور بدبختی قوم میں سب سے زیادہ بہادر ہیں یققل کے دیہاتوں میں ترک بھی آباد ہیں جو زمیندار پیشہ ہیں۔

زراعت | یققل میں آبی زمین بہت کم ہے اور ساری زمین لٹی ہے یققل میں ضروریات سے بہت زیادہ کاشت کی جاتی ہے اور زراعت کے قابل زمین بھی بہت کافی ہے۔ یہاں مال فیض آباد کی منڈیوں میں فروخت ہونے کے لئے جاتا ہے یہاں کم ہوتے ہیں۔ اور درخت بھی کم ہیں۔

صنعت، خوراک، پوشاک، اسلحہ | یہاں کے باشندے بھیڑیں بہت زیادہ پالتے ہیں اور ان کی اون سے نمڑے بناتے ہیں اور پلاس کپڑا تیار کرتے ہیں۔ مین اکثر لوگ کاشتکاری ہی کرتے ہیں۔ یققل شہر کے لوگ تجارت سے کچھ کچھ بچسپ رکھتے ہیں اور وہ مروجہ تجارتوں کو اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ باجوری لوگ پشاور اور یارتند سے مختلف قسم کے کپڑے، قالین، اور چینی کے برتن لاتے ہیں اور ان کی تجارت کرتے ہیں۔

گیہوں اور جو کی روٹی اور اس کا دلیہ کھاتے ہیں اور چاء لازمی طور سے پیتے ہیں گوشت کم کھاتے ہیں لیکن مہمان کے لئے مرغ یا بکرا ذبح کرتے ہیں۔ یہ لوگ بھی چونکہ فیض آباد سے قریب ہیں اس لئے لباس فخرانہ پہنتے ہیں اور فیض آباد کے فیشن کی پیروی کرتے ہیں۔

یققل میں علمائے کرام موجود ہیں اور یہ لوگ مذہبی معاملات

میں بہت حصہ لیتے ہیں۔

یقتل کے لوگ اسلحہ سے کوئی کچپی نہیں رکھتے ہاں جو لوگ شکار کے شوقین ہیں ان کے پاس ”شکاری بندو میں“ ہیں اور وہ بھی زیادہ نہیں ہیں یقتل کی فوجداری اور دیوانی عدالتیں فضل آباد میں ہیں اور ان کو اپنے مقدمات کی پیروی کے لئے فیض آباد جانا پڑتا ہے۔

کشم درائیم اور تشکان یہ مقامات درجہ دوم کے حاکم کی نگرانی میں ہیں کشم کشکان سے مشرقی جانب اکوٹ دور ہے اور اس کی بلندی ۲۸۰۰ فٹ ہے۔ ہوا بہت اچھی ہے اور میوے بھی کثرت سے ہوتے ہیں۔ اور بہت لذیذ ہوتے ہیں۔ یہاں کاوت اور زرد آلو افغانستان میں سب سے بہتر مانا گیا ہے۔ کشم میں تاجک قبائل کی آبادی ہے۔ جو گھوڑی وغیرہ عام پیداوار ہے۔ یہاں سے چارکوس کے فاصلہ پر ایک مقام مشہد ہے جس کی زمین زراعت کے لئے بہترین ہے۔ اور جہاں سابقہ زمانے میں کاشت کا اعلیٰ انتظام تھا لیکن اب یہ مقام لوگوں کی بے توجہی کی وجہ سے ویران ہو گیا ہے۔ اور جہاں کل باغات اور عمدہ عمدہ کھیت تھے آج وہاں لٹ و دق جنگل کھڑے ہیں۔ حالانکہ وہاں اب تک ایک سرکاری سرائے موجود ہے، اور ٹھوڑی سی آبادی بھی ہے۔

تشکان ایک پہاڑی وادی پر واقع ہے جس کے درمیان ہوکرو یا بہتا ہے۔ اور دریا کے دونوں جانب آبادی ہے اور

خوبصورت میووں سے لدے ہوئے درختوں کی قطاریں ہیں ہوا بہت اچھی ہے لیکن کھیتی باڑی نہیں ہوتی۔ تشکان کی چوٹی میں درائیم واقع ہے جس کے تحت بہت سے گاؤں ہیں۔ ان میں چند یہ ہیں۔ وہ ملایان چشمہ قلندر۔ وہ بازار۔ کولابی اور خاک پہلوان۔ خاک پہلوان پرانی بستی ہے۔ یہاں علاقہ کلہا کم رہا کرتا تھا اور اس کے لئے سابقہ حکومتوں نے ایک قلعہ بھی بنوا دیا تھا جواب اُجاڑ پڑا ہوا ہے اور جس میں اب درائیم کے گھوڑوں کا اصطبل ہے۔ یہاں کی آب و ہوا کچھ زیادہ اچھی نہیں ہے لیکن کھیتی باڑی کے لئے زمین بہت مناسب ہے۔

تاجک، بلوچ، ہزارہ، ترک لوگ آباد ہیں، اور فارسی اور ترکی زبان بولی جاتی ہے۔ رنگ سب کا گندمی ہے۔ مذہب اہل سنت والجماعت ہے۔ ان کے مکانات دور دور فاصلہ پر ہیں۔ تشکان اور درائیم کی مشترکہ آبادی ۱۵۰۰۰ ہزار ہے۔

زراعت، صنعت، میوے اعلیٰ زمینوں پر جو اور گہوں کی خوراک، پوشاک، وغیرہ اور آبی زمینوں پر جو اور گہوں کی

چنا، آتش شلغم اور دوسری ترکاریوں کی کاشت کی جاتی ہے اور درائیم کے پہاڑوں میں پیاز وغیرہ بھی پیدا ہوتی ہے۔ تشکان میں زراعت کے قابل زمین کم ہے کیونکہ یہ بالکل پہاڑی علاقہ ہے۔ البتہ درائیم میں زراعت بہت ہوتی ہے اور وہاں سے فیض آباد کی منڈی میں بھی نکل جاتا ہے۔

تشکان اور درائیم کے لوگ لوہاری کا کام بہت اچھا جانتے

ہیں۔ چاقو، قہچنی، تلوار، خنجر اور جنگی آلات بہت مضبوط و خوبصورت
اور تیز بناتے ہیں۔ ازبک اور ہزارہ قبائل کے لوگ کرباس،
پلاس، چکن وغیرہ کے کپڑے بنتے ہیں۔
توت، زر آو، آلوچ، آلو بخارا، آلو بالو، سیب، ناگ
بھی انا، انگور، گیلان، خربوزہ اور توت درائیم میں بکثرت پیدا
ہوتے ہیں جو فیض آباد کی منڈی میں فروخت ہوتے ہیں۔
اور ہندوستان بھی جاتے ہیں۔

گیوں کی روٹی، جو کی روٹی، دودھ، مکھن عام خوراک
ہے لیکن مالدار لوگ کبھی کبھی گوشت اور ترکاری بھی کھاتے ہیں اور
غریب لوگ مکھن چائے کے ساتھ سوکھی روٹی خوراک کھاتے ہیں۔
تاجک قبیلہ کے مرد و عورت سب کرباس اور صحن کے
کپڑوں کا لباس پسند کرتے ہیں لیکن ہزارہ اور ازبک لوگ
سادہ چکن کا لباس بناتے ہیں اور ان کی عورتیں سادہ کپڑے
بھی پہنتی ہیں اور طرح طرح کے رنگین اور بوٹے دار اور چمک دار
کپڑے بھی استعمال کرتی ہیں۔

درائیم کے بڑے لوگوں اور مالداروں کی عورتوں میں ملکا
پردہ ہے لیکن عام طبقہ میں پردہ بالکل نہیں ہے۔ اور وہ سب
اپنے مردوں کے کاموں میں مدد دیتی ہیں اور کھیتوں میں ساتھ
ساتھ کام کرتی ہیں۔ ہزارہ اور ازبک قبیلہ کے بعض لوگ
زمیندار بھی ہیں۔

اس علاقہ میں مختلف اقسام کی ۲۰۰ بندوقیں لوگوں

کے پاس ہیں حفاظت اور شکار کے لئے عام طور سے بندوقیں رکھتے
ہیں ہتھیاروں کے کچھ زیادہ شوقین نہیں ہیں۔ اور یہاں کے لوگ
جو چاقو، تلوار اور خنجر وغیرہ بناتے ہیں وہ فیض آباد میں جا کر
بیچ ڈالتے ہیں یا اپنے عزیزوں اور دوستوں کو بطور تحفہ دیتے
ہیں اور خود بھی عام ضرورتوں میں اسی کو استعمال کرتے ہیں۔
سٹرکیں | درائیم میں تالقان اور خان آباد سے ایک سٹرک
آتی ہے جو بدخشان اور فیض آباد جاتی ہے۔ اور ایک سٹرک ہے
جو رستاق کی طرف گئی ہے۔ اور درائیم کے قریب ایک درجہ
ہے جہاں سے ایک راستہ فرخار اور ورکچ کو گیا ہے لیکن جاڑوں
کے موسم میں کثرت برف باری سے یہ راستہ آمد و رفت کے قابل
نہیں رہتا۔ اور یہاں سے کئی راستے جرم اور مختلف دروں کی
طرف گئے ہیں۔ ان میں اکثر راستے محفوظ اور آرام دہ ہیں سوائے
دو تہند لوگ ہمیشہ افغانی راستوں سے سفر کرتے ہیں۔

راغ | یہ درجہ دوم کی علاقہ داری ہے۔ تاجک لوگ آباد ہیں۔
عام مذہب اہل سنت ہے۔ لوگ خوبصورت اور گورے ہیں
زبان فارسی ہے۔ علماء کرام بھی یہاں ہیں جو زمیندار اور خوشحال ہیں
راغ بہت زرخیز ہے۔ یہاں غلہ بہت پیدا ہوتا ہے۔ زمین
لہمی ہے۔ آبادی بے ڈھنگی ہے۔ محلے اور مکانات منتشر ہیں اور
پوری بستی من یا بارہ کوس میں پھیلی ہوئی ہے۔

راغ کے ماتحت ۵۰ کے قریب چھوٹے چھوٹے گاؤں ہیں
جن کی مجموعی آبادی بشمول راغ ۱۵۰۰۰ ہے۔

زراعت، صنعت، میوے جو گیہوں، گنجد، ارزن
خوراک، پوشاک، اسلحہ وغیرہ عام پیداوار ہے۔ یہاں

کی زمین میں بہت بڑے بڑے شلغم پیدا ہوتے ہیں۔

یہاں کے مالدار لوگ پارچہ بانی کی صنعت سے دلچسپی رکھتے ہیں بعض لوگ ساہوکاری بھی کرتے ہیں۔ اور بعض لوگ دلائی بھی۔ اور یہاں کے لوگ گھی اور مختلف قسم کے تیلوں کو بھی فیض آباد میں فروخت کرتے ہیں۔ اور سوداگر لوگ فیض آباد سے تیل و غلہ وغیرہ خرید کر دوسری جگہ لجاتے ہیں اور خوب نفع کماتے ہیں۔ یہاں کے لوگ کہماری بھی کرتے ہیں اور غریب لوگوں کے گھروں میں عورتیں اور بچے مٹی کے برتن بناتے ہیں اور اس کے عوض اخروٹ وغیرہ میوؤں کا تبادلہ کر لیتے ہیں کیونکہ راغ میں میوے بہت کم ہوتے ہیں لیکن راغ کے ماتحت کے تین چار دیہاتوں میں توت، زرد آلو، شفا لو، خربوزہ اور تربوز بہت پیدا ہوتا ہے۔ ان دو چار دیہاتوں کے علاوہ جہاں جہاں للی زمین ہے میوے بہت ہی کم ہیں۔ البتہ جید اور عرعے درختوں کی قطاریں ہری ہری سامنے نظر آتی ہیں۔

چونکہ یہاں غلہ بہت پیدا ہوتا ہے اور لوگ بھی خوشحال ہیں اس لئے امیر و غریب سب اچھا کھانا کھاتے ہیں گیہوں اور جو کی روٹی۔ دودھ اور کھن اور کبھی کبھی گوشت اور گھی عام خوراک ہے۔ مالدار لوگ غریبوں سے زیادہ گوشت کھاتے ہیں۔ باغ کے لوگ اپنے نہانوں کی عزت اور خاطر و تواضع اپنی

جان سے زیادہ کرتے ہیں۔

مرد و کرباس اور چکن کے کپڑے کا لباس پہنتے ہیں۔ بلن کے صافے اور پٹاوری لنگیاں باندھتے ہیں۔ اور عورتیں چیت اور کرباس کے کپڑوں کا لباس بنواتی ہیں اور نہایت احتیاط اور ضابطہ کے ساتھ پورا پردہ کرتی ہیں۔

چونکہ یہاں کے لوگ شکار کے شوقین ہیں اس لئے ان کے پاس فلیٹہ قسم کی انداز آتین سو بندوقیں موجود ہیں۔

حجرم درجہ دوم کی حکومت ہے اور فیض آباد سے جنوب

کی طرف ۵۵ کوس کے فاصلہ پر واقع ہے۔ ۵۶۵ فیٹ بلندی کشادہ زمین ہے۔ ہوانہایت خوشگوار اور تھنڈی ہے۔ پانی بہت اچھا ہے معمولی بیماریاں اور موسمی امراض بھی ہیں۔

اور کبھی کبھی موسمی تبدیلیوں کا اثر باشندوں پر خراب بھی پڑتا ہے لیکن مجموعی حیثیت سے آب و ہوا بہت اچھی ہے۔ اور بدخشان کے دوسرے حصوں کی بہ نسبت یہاں کے لوگ زیادہ تندرست ہیں۔ یہاں پر عام آبادی بدخانیوں اور تاجک لوگوں کی ہے۔ زراعت اچھی ہے۔ اور دریائے کوکچ کے کنارے کامیاب

سرسبز اور شاداب ہے لیکن تعجب کی بات ہے کہ دریائے کوکچ سے زراعت کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ یہاں تک کہ اس کے کنارے کناے جو سرسبز کھیت ہیں وہ بھی کوکچ سے سیراب نہیں ہوتے بلکہ چونکہ وہ شیب میں واقع ہیں اس لئے انکو پہاڑی درے سے آنے والا پانی سیراب کرتا ہے۔ وہ پانی

پھاڑی دروں سے بہتا ہوا دریا میں جاتا ہے۔ اور چونکہ یہ جگہ
میں یہ کھیت واقع ہیں اس لئے ان کو بھی سیراب کرتا جاتا ہے۔
پھر دریائے کوکچہ سے پانی حاصل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں پڑتی
اس زمین میں بے شمار درخت اور باغات ہیں۔ اور ہر طرف
مینوں کے خوبصورت درخت ہیں۔ اس خطہ میں توت
سیب، زرد آلو، آلو بالو، شفتالو، اخروٹ، آلوچہ، ناک
گیلاس وغیرہ کے لاتعداد باغات ہیں جن میں مذکورہ سب
بہت پیدا ہوتے ہیں اور بہت لذیذ اور خوش ذائقہ و شیریں!
لیکن انگور، خربوزہ اور تربوز اس خطہ میں کم پیدا ہوتا ہے۔ یہاں
کی زمین منتخب اور اعلیٰ ہے اور سونا اگلتی ہے۔ یہاں کا منظر
بھی بہت دل افروز ہے۔ کیونکہ ہر طرف خوبصورت آبشاریں
ہیں، اور پہاڑی چشمے ہیں۔ پڑانے بادشاہوں کے لگانے
ہوئے باغات بھی ہیں۔ اور حاکم موضع کے لئے ایک سرکاری
قلعہ بھی ہے۔ دریائے کوکچہ وسط شہر میں بہتا ہے۔

جرم کی تاریخ پڑانے زمانے میں جرم بھی بدخشان کے
امیروں کے زیر حکومت تھا۔ لیکن ان کے آپس کے اختلافات
اور اندرونی خانہ جنگیوں اور فساد کی وجہ سے جرم کی رعایا
ہر وقت تباہ حال اور پریشان رہتی تھی۔ میروں کی باہمی
جنگ میں جو غالب آتا تھا وہ جرم کے لوگوں پر بہت زیادتی
کرتا تھا اور ان سے زبردستی روپیہ پیہ اور مال و اسباب
وصول کرتا تھا۔ اس خلفشار نے جرم کے باشندوں کو بالکل

مفلس اور تنگ دست بنا دیا تھا لیکن جب علیحضرت ضیاء
الملک والدین جرم نے قلعن اور بدخشان کے صوبہ کو کابل
کی مرکزی حکومت کے ماتحت کر دیا تو جرم بھی کابل کی مرکزی
حکومت کے تحت میں آ گیا۔ اُس وقت سے اب تک ہاں
امن و امان کا دور ہے، اور رعایا آسودہ حال اور فانی حال
شہر جرم میں ایک بازار ہے جس میں ۴۰ دکانیں ہیں
اور دوسرے ہیں، اور ایک ببلک سرائے ہے۔ اور اندازاً
۳۰۰ مکانات ہیں۔ گرمیوں میں پارہ حرارت ۹۵ درجہ ہوتا ہے
لوگ خوش پوشاک اور گورے ہیں۔ زبان فارسی ہے اور علماء
و طلباء بھی کافی ہیں۔ سب کا مذہب اہل سنت و جماعت ہے
جرم شہر میں عورتیں پردہ کرتی ہیں لیکن دروں اور دیہاتوں کی
عورتیں پردہ نہیں کرتیں۔

صنعت، خوراک، پوشاک، اسلحہ وغیرہ جرم کی پیداوار
اور میوؤں کو باہر لیجا کر فروخت کرتے ہیں اور کچھ لوگ یا قند اور چمن
کے خطوں میں جا کر تجارت کرتے ہیں۔ جرم کی عورتیں ابریشم کی
اور زردوزی کی ٹوپیاں بناتی ہیں اور مرد و بچروں کی اون کے
گرم لباس بناتے ہیں اور ان کی عورتیں بھی کپڑا بننے میں مدد
دیتی ہیں۔ جرم اور گردونواح جرم کے لوگ خوش لباس اور
خوش خوراک ہیں۔ اور فیض آباد کے لوگوں سے فیشن میں مقابلہ
کرتے ہیں لیکن دیہاتوں کے رہنے والے لباس و خوراک کے
اس مقابلہ میں حصہ نہیں لیتے۔ وہ بہت معمولی قسم کا کھانا کھاتے

اور لباس پہنتے ہیں۔ یہاں کے لوگ ہتھیار جنگی اغراض کے لئے نہیں رکھتے بلکہ شکار کے شوقین ہیں اور اسی لئے ہندوق کے سوا ان کے پاس تلوار، یراق، خنجر وغیرہ حربی آلات نہیں ہیں اندازاً جرم میں ۲۰۰ ہندوقیں ہیں۔ جاڑوں میں مرغابیاں، ہرن، اور جنگلی مرغ ان اطراف میں بہت ہوتے ہیں جن کا یہ لوگ شوق سے شکار کرتے ہیں اور یہاں بلبل ہزار داستان بھی بہت ہے جو گرمیوں کے موسم میں باغات، پہاڑوں اور آبشاروں پر راگ الاپتا رہتا ہے اور جرم کے باشندے بلبل ہزار داستان سے بہت محبت کرتے ہیں۔

سٹرکیں شمال کی طرف ایک سٹرک ہے جو بہارک گئی ہے اور مغرب کی طرف ایک سٹرک ہے جو "سوج واسکان" حضرت سعید اور کان لاجورد گئی ہے اور ایک بڑی سٹرک ہے جو تکی کران گئی ہے اور ایک راستہ یہاں سے دریائے وردوج کو عبور کرتا ہوا چاکران گیا ہے۔ بہارک سے جرم ۴ کوس دور ہے۔

خاش جرم کے ماتحت ایک علاقہ ہے۔ اور اندازاً ۸ کوس کے فاصلہ پر ہے۔ پہاڑی مقام ہے۔ سطح سمندر سے ۱۱۰۰ فٹ بلند ہے۔ آب و ہوا سرد ہے۔ میوہ دار درخت بھی ہیں۔ اور بیک درخت بے شمار ہیں۔ اور زیادہ تر کلمتہ تائے قبیلہ کے لوگ آباد ہیں۔ اور بعض حصوں میں تاجک لوگ بھی رہتے ہیں جو فارسی زبان بولتے ہیں لیکن کلمتہ تائے لوگ ترکی زبان کے علاوہ کوئی دوسری زبان نہیں جانتے گیہوں اور جو کی کاشت ہوتی ہے چمن اور چھاگا ہیں اور مرغزار بہت ہیں لیکن یہ مقام فیض آباد سے دور

ہے۔ یہاں سخت سردی پڑتی ہے۔ بلا آگ سلگائے جا رہا کا موسم کا نا مشکل ہے۔ زمین لمبی ہے۔

خاش کے ماتحت اگاؤں بھی ہیں جن کی مجموعی آبادی بشمولیت خاش ۲۰۰۰ ہزار ہے اور مکانات ۵۰۰ ہیں

صنعت، خوراک لباس اور سٹرکیں یہاں کے لوگ

بھٹیر بکریاں زیادہ نہیں پالتے۔ اور چوپالتے ہیں وہ اون سے کپڑے بناتے ہیں۔ یہاں کے لوگ روٹی اور باقی کھاتے ہیں اور عورت مرد سب کرباس کے کپڑے پہنتے ہیں لیکن مال دار لوگ اعلیٰ قسم کا صحن کا کپڑا استعمال کرتے ہیں۔

عورتیں پردہ نہیں کرتیں اور مردوں کے دوش پر دوش کھیتوں میں کام کرتی ہیں۔

خاش کی شمالی جانب ایک راستہ فیض آباد کو گیا ہے اور جنوبی اور مشرقی جانب سے کئی راستے جرم گئے ہیں اور مغربی جانب ایک سٹرک ارگو اور درانچیم گئی ہے۔

تکاب یکان جرم کے ماتحت ایک علاقہ ہے جس کے

ماتحت بھی بہت سے گاؤں ہیں اور جن کی تعداد ۲۵ سے زیادہ ہے درہ یکان کے قریب ایک درہ ہے جو "تنگی" کہلاتا ہے یہاں لاجورد اور سید کی کان ہے اور یہاں دریابی ہوتا ہے۔

پہل بہارک کے راستہ میں ایک پہل ہے اور دوسرا پہل سوج براہیکہ میں ہے اور ایک پہل تنگی کران میں ہے۔ "انجن" مقام سے ایک دریا آتا ہے جو اسکا زکران میں پہنچ کر دریا مینجان

سے مل جاتا ہے۔ یہاں بھی ایک پل ہے اور یہ سب مقامات
نگاب بیکان سے قریب ہیں یہ سب پل لکڑی کے بنے ہوئے ہیں

نگاب دروچ | یہ بھی جرم کی حکومت کے ماتحت ہے۔ یہ

ایک لانا پھاڑی درہ ہے جس کی لمبائی ۲۸ کوس تک چلی گئی ہے
اور جس کی چوڑائی بعض جگہوں پر ۱۲ گز تک ہے۔ اس کا ایک
حصہ ۶۱۰۰ فیٹ بلند ہے اور دوسرا ۷۰۰۰ فیٹ ہے۔

یہاں کے لوگوں کا رنگ گورا ہے۔ اور ترک، تاجک اور
آغا خانی شیعوں کی آبادی ہے لیکن سب کی زبان فارسی ہے

نگاب دروچ کے ماتحت ۳۲ گاؤں ہیں۔ اس موضع کی حد
”چہل تن“ دیہات تک ہے اس کے بعد زیباک کا علاقہ شروع
ہو جاتا ہے۔ حد فاصل بیچ میں ایک پتھر کا برج ہے جہاں نیاک
اور نگاب دروچ کی چراگاہوں کی حد قائم ہوئی ہے۔

صنعت خوراک پوشاک اسلحہ وغیرہ | جو گیہوں

باقلی اور دوسرے اجناس یہاں کی عام پیداوار ہیں اور یہاں
کی زمین آبی بھی ہے اور لہمی بھی۔

ترک قبیلہ کے لوگ بھیڑ کی اون سے پلاس اور کپڑا
بناتے ہیں اور جڑا میں بھی تیار کرتے ہیں لیکن تاجک لوگ ہفتانی
اور کاشتکاری کے علاوہ کسی صنعت و حرفت سے آگاہ نہیں ہیں۔
عورتیں کسی کسی مقام کی پردہ کرتی ہیں لیکن اکثر حصوں میں پردہ
کا رواج نہیں ہے۔

کھانے پینے میں متوسط ہیں کبھی کبھی گیہوں کی روٹی بھی کھاتے

ہیں لیکن لباس جرم اور بہارک کے لوگوں کی طرح ہے۔

یہاں کے لوگ ہرن کے شکار کے شوقین ہیں اس لئے
بندوقیں رکھتے ہیں۔ اور بعض لوگوں کے پاس نہایت اعلیٰ قسم کی
بندوقیں ہیں۔

آبادی ۴۰۰۰ کے قریب ہے۔

یہاں سے دوسرے شہروں میں جانے کے لئے تمام راستے
خراب حالت میں ہیں۔ کیونکہ یہ مقام پہاڑ کی چوٹی پر ہے۔ واقع
ہے۔ اور اکثر راستے پانی کی وجہ سے خراب ہو گئے ہیں۔

یہ علاقہ بھی قدیم زمانہ میں بدخشان کے میروں کے
زیر حکومت تھا۔ اور بہت خراب حالت میں تھا، اور یہاں
کے لوگ انتہائی بے چینی اور بے اطمینانی میں تھے لیکن جب
حضرت ضیاء الملک والدین مرحوم نے اس کو افغانستان کی
مرکزی حکومت میں شامل فرمایا۔ اس وقت سے اب تک
یہاں امن و امان اور عام خوشحالی ہے۔ یہاں کے لوگوں پر ایک
صاحب ”شعبان صوفیان“ بہت اثر رکھتے ہیں۔

بہارک اور درہ زردیو | یہ بھی جرم کے ماتحت ایک علاقہ

ہے۔ یہ دو حصوں میں منقسم ہے ایک بہارک کہلاتا ہے اور دوسرا
زردیو شمالی اور جنوبی جانب کی آبادی زردیو میں واقع ہے
یہاں سرغلان اور غارآن کی طرف سے پانی آتا ہے جو یہاں کی
زمینوں کو سیراب کرتا ہے۔

بہارک، زردیو اور سرغلان میں تاجک قبیلہ کے لوگ آباد

ہیں۔ مذہب اہل سنت ہے اور زبان فارسی ہے۔ لوگوں کا رنگ گوراہے۔ بہارک ... ۵۵ فیٹ بلند ہے لیکن زردیو اتنا بلند نہیں ہے۔ وہ وسیع اور اونچے مقام پر ایک بہت ہی خوشنما آبادی ہے جس کی آب و ہوا بہت اچھی ہے۔ جرنیل تاج محمد خان مرحوم نے یہاں ایک کوٹھی اور ایک باغ تعمیر کرایا تھا۔ جس میں میوہ کے ہزار ہا درخت ہیں۔ زردیو کے وسط میں دریا بھی بہتا ہے جو دریائے زردیو کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے قریب ہی ایک جنگل ہے جس میں جنگلی درختوں اور جنگلی جانور بھی بہت ہیں۔ بہارک سے ۸ کوس دور درہ پل تنگ واقع ہے جہاں سے فیض آباد تک ۷ کوس تک چٹھائی چلی گئی ہے۔ بہارک، زردیو اور سرغلان سب قریب قریب ہیں اور ایک ہی شمار ہوتے ہیں۔ ان کے ماتحت ۵۴ گاؤں ہیں جن کی آبادی ... ۴۰۰ کے قریب ہے۔ یہاں کے لوگوں کے مکانات ایک بڑی سرائے کی طرح ہوتے ہیں۔ کیونکہ ایک مکان میں پورا خاندان سا بٹھرتا ہے۔ ان کی عادات جرم کے لوگوں کی طرح ہیں۔

میوے | بہارک اور زردیو میں توت، زرد آلو، شفتالو، آلو بالو، بھئی، سیب، انگور کے باغات ہیں۔ اور ناک یہاں کا بہت ہی اچھا ہوتا ہے۔ گیلاس اور اخروٹ بھی پایا جاتا ہے۔ لیکن سرغلان میں اخروٹ کے بوا کوئی میوہ نہیں ہوتا۔

راستے | موضع بہارک بخشاں میں بہترین فوجی قیام گاہ

ہے اور بہت ہی محفوظ جگہ ہے اور داخلی اور خارجی ممالک کے بالکل وسط میں واقع ہے۔ اسی لئے یہاں سے بہت سے راستے مختلف شہروں کو گئے ہیں۔ یہاں سے براہِ نمونہ کابل کو جو راستہ جاتا ہے وہ سات دن میں کابل پہنچا دیتا ہے۔ یہاں سے شغنان، واخان، منوال اور پامیر کو بھی کئی راستے گئے ہیں۔

آب و ہوا | یہاں کے تمام راستوں میں پانی کثرت سے ملتا ہے۔ اور خود بہارک وغیرہ میں پانی وافر ہے اور یہاں بڑے بڑے میدان خالی پڑے ہیں جس میں جاری پانی کی کمی نہیں ہے۔ ان میدانوں میں بڑی بڑی آبادیوں کے لئے بہت گنجائش ہے۔

یہاں کی ہوا معتدل ہے اور جرم کی طرح ہے۔
زراعت، خوراک، پوشاک، اسلحہ وغیرہ | بہارک میں جو گیہوں وغیرہ کم پیدا ہوتا ہے۔ سرغلان میں چونکہ بہت زیادہ سردی پڑتی ہے اس لئے وہاں کی آب و ہوا جو اور گیہوں کے لئے مناسب ہے۔ اسی لئے یہاں کثرت سے غلہ پیدا ہوتا ہے۔

بہارک کے لوگ گدھے پالتے ہیں اور اس کے بالوں سے بہت سی ضرورت کی چیزیں تیار کرتے ہیں اور سرغلان کے لوگ حکم کا کپڑا بہت اچھا بناتے ہیں۔ اور بکریوں کے بال سے پلاس کپڑا تیار کرتے ہیں اور جوتا بناتے ہیں۔ اور

”گڈھی بکری“ کی کھال سے پوسٹین بناتے ہیں۔ یہاں کے مالدار لوگ گیہوں کی روٹی، جو اور گیہوں کا دلیہ کھاتے ہیں۔ اور عوام کبھی کبھی گیہوں کی روٹی اور ہمیشہ باقلی کھاتے ہیں۔ لیکن امیر و غریب سب اپنے ہماؤں کو اعلیٰ سے اعلیٰ اور اچھا سے اچھا کھانا کھلاتے ہیں اور خاطر و مدارات میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے۔

مالدار لوگ شاید اور اچھے کپڑے پہنتے ہیں اور قیمتی لباس استعمال کرتے ہیں۔ لیکن عوام جو دہقان اور کم حیثیت ہیں وہ کرباس، چمکن، برزو، پوسٹین چہ، پوسٹین وطنی، اور پس کو استعمال کرتے ہیں (یہ گرم کپڑے ہیں جو افغانستان کے متوسط لوگ پہنتے ہیں ورنہ مالدار لوگ تو نہایت اعلیٰ قسم کی لومڑی اور قرہ قلی بھیڑ کی کھالیں بنوا کر ان کی پوسٹین اور ڈوپیاں پہنتے ہیں اور بہترین قسم کا ادنیٰ کپڑا استعمال کرتے ہیں۔ کرباس اور چمکن بھیڑ کے اون اور بکریوں کے بالوں سے بچاے غریب دہقانی خود ہی تیار کرتے ہیں اور خود ہی پہنتے ہیں اور اگر ضرورت سے زیادہ ہوا تو اپنے ہی جیسے کسی غریب دہقان کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں۔ یہ تمام افغانستان کے امیروں اور غریبوں کا دستور ہے) بہارک، زردیو اور سرغلیان کی عورتیں پردہ نہیں کرتیں۔ اور اپنے مردوں کے ساتھ کھیتوں میں کام کرتی ہیں۔ لیکن علما، اور زنی رنوخ حضرات کی عورتیں پردہ کرتی ہیں۔ اور علما و اعلیٰ قسم کے کپڑے پہنتے ہیں اور نفاست

و پاکیزگی سے رہتے ہیں۔

یہاں کے لوگ اسلحہ کے شوقین نہیں ہیں۔ البتہ جن کو لشکار سے دلچسپی ہے ان کے پاس بندوقیں ہیں لیکن تینوں مقامات پر ۵۰ بندوقوں سے زائد نہیں ہیں۔

صفرادی مریض کم ہیں البتہ بخاران اطاف میں کبھی کبھی پھیل جاتا ہے جس کی دوا یہاں کے لوگوں کے نزدیک خاکسیر، زرد آلو، کاسنی ہے۔ جب کسی کو بخار آتا ہے تو عزیز و اقارب گیہوں کا دلیہ کھلاتے ہیں۔ کسی حال میں کوئی بھی سہل لینے پر راضی نہیں ہوتا۔ اس علاقہ میں کوئی طبیب نہیں ہے۔ ہر شخص خود اپنا علاج کرتا ہے۔

مختصر تاریخ | قدیم زمانے میں یہ علاقے بھی میر بدخشان کی

ماتحتی میں تھے لیکن امیر شہ علی خان نے ان پر قبضہ کر کے سلطنت افغانستان کا جزو بنا دیا تھا۔ اور سات سال تک یہ مقامات کابل کی حکومت کے ماتحت رہے کہ اتنے میں انگریزوں نے کابل پر قبضہ کر لیا۔ اور بدخشان کے میروں نے پھر سر اٹھایا اور ان علاقوں کو واپس لے لیا۔ لیکن جب افغانستان میں سکون ہوا تو ضیا، الملک امیر عبدالرحمن خان مرحوم نے بدخشان کے علاقے پر تاخت کی اور میروں سے تمام علاقے واپس لے کر قطعی امن و امان قائم کر دیا اولیٰ بادشاہان افغانستان کے ظل عاظمت میں رہ کر یہ سب علاقے آہستہ آہستہ ترقی کر رہے ہیں۔

سٹرکیں | بہارک سے فیض آباد، جرم، زیباک، زردیو

اور مختلف سمتوں کو شترکس جاتی ہیں۔ اور زردیو سے شتخان اور شیوہ کو راستے گئے ہیں۔ اور سرغلیان سے غاران اور دشت شیوہ کو ایک راستہ گیا ہے۔

سرغلیان سے ایک راستہ غاران گیا ہے جس کے درمیان میں ایک مقام کو تلی پڑتا ہے جو "گلستان" کے نام سے مشہور ہے۔ کیونکہ یہاں باغات اور میوے دار درخت اور چمن بہت ہیں۔

کران انجمن | جرم سے لیکر دہان تنگی تک کی درمیانی آبادی کران کہلاتی ہے جہاں بہت تھوڑی تھوڑی آبادی ہے۔ کران سے انجمن تک بہت تھوڑا فاصلہ ہے۔ صرف ایک دریا نیچ میں حائل ہے۔ انجمن سے ایک راستہ کابل کو گیا ہے۔ جو پانچ روز میں طے ہوتا ہے۔ لیکن جاڑوں میں کثرت برف باری سے آمد و رفت کے قابل نہیں رہتا۔

کران میں بید کا ایک بہت بڑا جنگل ہے۔ جو ۳۳ کوس تک وسیع ہے۔

کران اور انجمن کے ماتحت ۶ گاؤں بھی ہیں جن کی کل آبادی بمثلویت کران و انجمن... ہے۔ یہاں تاجک قبیلہ کے لوگ رہتے ہیں۔

زبان فارسی ہے۔ لوگوں کا رنگ گورا ہے۔ مذہب اہل سنت ہے لیکن دو گاؤں کے لوگ شیعہ ہیں۔

کران اور انجمن ایک درہ پر واقع ہیں جس کی لمبائی ۶

کوس ہے۔

صنعت خوراک پوشاک | عورتیں اون کی جڑا ہیں

بناتی ہیں اور مرد تبرک اور پلاس کے کپڑے بناتے ہیں۔

یہاں کے لوگوں کی خوراک آتش باقلی، جو کی روٹی اور کھجی کھجی گیہوں کی روٹی بھی ہے۔ مرد کرباس، چکن صحن کے کپڑے پہنتے ہیں۔ اور عورتیں ریشمی اور رنگین کپڑا پہنتی ہیں۔

یہاں کے لوگ اسلحہ رکھنے کے شوقین ہیں۔ ان کے پاس کثیر تعداد میں بندوقس، یراق اور تلواریں ہیں۔

یہاں میوہ دار درخت نہیں پائے جاتے صرف چند درخت زرد آلو کے ہیں اور وہ بھی کڑوے۔

منجان | درہ منجان شمال اور جنوب کی طرف ہر کوس کے اندر

پھیلا ہوا ہے۔ لوگ مختلف زبانیں بولتے ہیں۔ آغا خان حضرت کی کثرت ہے۔ آب و ہوا سرد ہے۔ لوگ گوسے رنگ کے ہیں

ان لوگوں میں علماء بالکل نہیں ہیں۔ اور یہ بالکل جاہل ہیں۔ آغاخان کے نائب کی کسی بات سے انحراف نہیں کرتے۔ اور

تعظیم کے طور پر ان کو "شاہ" کہتے ہیں۔ اور ہر چھوٹا بڑا ان کو خدا کا نائب سمجھتا ہے جب نائب صاحب ایک دیہات سے دوسرے

دیہات تشریف لے جاتے ہیں تو دیہات کے سب عورت مرد بچے بوڑھے الوداع کہنے کے لئے جمع ہوتے ہیں اور ان کے ہاتھ پاؤں کو بوسہ دیتے ہیں اور دعاے مغفرت کی درخواست

کرتے ہیں اور دوسرے دیہات والے جہاں نائب صاحب جاتا

پر خطر راستہ ہے جس پر پیدل آدمی تو جاسکتا ہے لیکن سوار نہیں جاسکتا۔

صنعت خوراک، پوشاک | منجانب کی عورتیں مردوں

کی بنسبت زیادہ کام کرتی ہیں۔ وہی کپڑا بناتی ہیں اور وہی بکریوں کے بالوں اور بھیتروں کے اون کو دھنتی اور بٹتی ہیں۔ مرد و سرت ان کے شریک کار رہتے ہیں۔

بعض لوگ نمک کی کان سے نمک لاتے ہیں اور نورستان کے علاقہ میں لجا کر اس کے بدلے میں اون، تیل، چمڑہ وغیرہ لاتے ہیں۔ اور ان کا یہی پیشہ ہے اور وہ اپنی ساری ضرورتیں نمک کے تبادلے سے پوری کر لیتے ہیں۔ اور خوش دھرم رہتے ہیں۔

یہاں کی زمین بہت ناکارہ ہے۔ اس کو درست کرنے کے لئے اور اس میں مناسب کھاؤ ڈالنے کے لئے دہقان بہت محنت و مشقت کرتے ہیں اور بڑی بڑی دورے کھاؤ فراہم کر کے لاتے ہیں۔ تب جا کر وہاں کی زمین کچھ پیداوار کے قابل بنتی ہے۔ جو، گیہوں پیدا ہوتا ہے مگر میوہ بالکل نہیں ہوتا۔ غریب لوگ آتش شنگ، گیہوں کی روٹی اور جو کھاتے ہیں اور جو استعداد رکھتے ہیں وہ کبھی کبھی گوشت بھی کھاتے ہیں یہاں گوشت اور تیل بہت ہی کم ملتا ہے۔

مرد و سرت کے کپڑے کا لباس بناتے ہیں جو اسمار اور چترال سے آتا ہے۔ عورتیں چیت کے کپڑے کا لباس پہنتی

چاہتے ہیں نائب صاحب کا استقبال بہت شان اور اہتمام سے کرتے ہیں۔ اور نقد و جنس بطور نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ نائب صاحب کے تمام مرید اپنی آمدنی کا دسواں حصہ سال کے آخر میں نائب صاحب کی خدمت میں پیش کرنا نجات اخروی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ نائب صاحب کے ماتحت تمام دیہاتوں سے ان نذرانوں کو وصول کر کے نائب صاحب تک پہنچا دیتے ہیں لیکن نائب صاحب اس مال و اسباب کو خود خرچ نہیں کرتے بلکہ سال کی تمام آمدنی آغا خان پیشوائے عظم کی خدمت میں بھیج دیتے ہیں اور ان کا اس پر پورا اعتقاد ہے کہ مال و اسباب کا فدیہ جو نائب صاحب کی خدمت میں نذر کیا گیا ہے وہ ان کی نماز اور ان کے روزہ کو بخشنا دے گا۔ اس لئے یہ لوگ نماز و روزہ سے کوئی تعلق نہیں رکھتے اور نہ دین کے اور کسی رکن پر عامل ہیں لیکن جب کسی کے ہاں مہمان جاتے ہیں تو شرماء حضوری کے طور پر نماز پڑھ لیتے ہیں اور جب کوئی ان کے ہاں مہمان آتا ہے تو جب بھی دکھاوے کے لئے نماز چڑھ لیتے ہیں۔ ورنہ ان کے دیہاتوں میں نماز، روزہ، اور اذان کا کہیں نام و نشان بھی نہیں ملتا۔ (چونکہ یہ سفر نامہ بہت پرانا ہے اس لئے امید ہے کہ اب اصلاح ہوگئی ہوگی کیونکہ آغا خان نے حکم دیدیا ہے۔ حسن نظامی)

منجانب کے ماتحت ۱۲ اگاوٹ ہیں۔

سٹرکیں | ایک سٹرک نورستان اور آسمار کی طرف گئی ہے ایک راستہ کامیش اور برکوت گیا ہے۔ لیکن یہ ایسا تنگ اور

ہیں۔ یہاں کے لوگ عید کی نماز کا بہت اہتمام کرتے ہیں۔
حتیٰ المقدد راتچا کپڑا پہنتے ہیں اور تین چار دیہاتوں کے
لوگ کسی بڑے دیہات میں جمع ہو کر عید کی نماز ملکر پڑھتے
ہیں لیکن تعجب کی بات ہے کہ نوز کا احترام عید سے بھی
بڑھ کر کرتے ہیں۔ گھروں کو صاف اور پاک کرتے ہیں۔ انکو
رنگے ہیں اور قلعی کراتے ہیں۔ دیواروں، چھتوں، دروازوں
اور اندروں باہر سب جگہ نقش و نگار بناتے ہیں۔ اور نیا جوڑا
ضرور پہنتے ہیں حالانکہ عید میں دھلا ہوا بھی پہن لیتے ہیں۔
پھر دیہات کے سب لوگ مل جل کر خوشیاں مناتے ہیں۔
اور یار دوستوں کو اچھا اور عمدہ کھانا کھلاتے ہیں۔

اسلمہ | یہاں کے لوگ اسلمہ کے شوقین نہیں ہیں۔ ہزار دہڑھ
ہزار کی آبادی میں مشکل سے ۵۰-۶۰ بندوقین ملیں گی۔
اور وہ بھی ان لوگوں کے پاس جو شکاری ہیں اور اسی طرح
پوری آبادی میں شاید ہی ۵ یا ۶ تلواریں یا دوسرے ہتھیار لگیں۔
قدیم حکومتوں کا ایک ظلم | پُرانے زمانے میں جبکہ

منجان بدخشان کے امیروں کے قبضہ میں تھا۔ یہاں کے
لوگ بہت غریب اور فلس تھے اور ان پر جو ٹیکس لگایا گیا تھا۔
وہ اس کو ادا نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے وہ ہر سال اس سالانہ
ٹیکس کے عوض دو دو بصورت کنواری لڑکیاں بدخشان کے
میروں کی حرم میں بھیج دیتے تھے لیکن جب بدخشان محکوم
افغانستان کا ایک ماتحت صوبہ قرار پایا ہے یہ ظالمانہ ٹیکس

وصول نہیں کیا جاتا۔ اگرچہ امیر عبدالرحمن خان نے مصلحت کی
بنابر چند سال اس رسم کو باقی رکھا لیکن بعد کو دو کنیزوں کے
عوض میں تین سو روپیہ سالانہ مالیہ کا قانون بنا دیا گیا۔ اب وہ
لوگ اتنے خوش حال ہو گئے ہیں کہ تین سو سے زائد مالیہ ادا
کر سکتے ہیں۔

پُرانے زمانے میں منجان، زریابک، کے ماتحت تھا
لیکن اب منجان، کران اور انجن کی مل کر ایک مستقل علاقہ داری
ہو گئی ہے۔

زریابک | زریابک ایک دورہ ہے جو شمال اور جنوب کی طرف
پھیلا ہوا ہے۔ سطح سمندر ۹۲۵۰ فٹ بلند ہے۔ اور تیر گراں سے
اکوڑ دور ہے۔ پارہ حرارت گرمیوں میں ۹۰ درجہ ہوتا ہے۔

عام مذہب آغا خانی ہے۔ لوگوں کی ظاہری حالت بہت
خستہ اور پریشان ہے۔ زمین بہت وسیع ہے۔ سرسبز اور شاداب
جگہ ہے۔ اوچن زار کثرت سے ہیں۔ زریابک کے زیرین حصہ
میں "قتلاق گاؤ خانہ" کے قریب دو دریا آ کر ملتے ہیں۔ اور زریابک
سے ہوتے ہوئے در دو ج چلے جاتے ہیں۔ عام زبان فارسی ہے
لیکن بعض بعض دیہاتوں میں دوسری زبانیں بھی بولی جاتی ہیں۔
زریابک میں اعلیٰ قسم کے سرمہ کی ایک کان بھی ہے۔
جس کو زریابک کے لوگ آنکھوں میں لگاتے ہیں۔ اور جس کا
اصطلاحی نام انہوں نے "عجال" رکھا ہے کبھی کبھی طوفان بھی
زریابک کے اطراف میں آ جاتا ہے۔

علاقہ زیباک کے لوگ گورے رنگ کے ہوتے ہیں۔ ان کے پاس میوؤں کے باغات نہیں ہیں۔ سوغو، بید، سیاہ خار کے درختوں کے علاوہ وہ کسی درخت کے مالک نہیں ہیں۔ کیونکہ ان جنگلی درختوں کے علاوہ یہاں میوے وغیرہ کا درخت ہوتا ہی نہیں۔

زراعت، صنعت، خوراک | یہاں سردی بہت **پوشاک، اسلحہ وغیرہ** پڑتی ہے۔ اس لئے

اکثر زراعت خراب ہو جاتی ہے۔ نیز یہاں کی زمین بھی ریتیلی اور پتھریلی ہے۔ جس کی وجہ سے غلہ کم پیدا ہوتا ہے۔

”گڈی بکری“ کے بالوں کو عورتیں چرنے پر کاتتی ہیں اور مردان کو بیکر کپڑا تیار کرتے ہیں۔ اور گائے بکریوں کے چمڑے بھی بناتے ہیں اور اس کی پوتین تیار کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہاں کے لوگ اور کسی صنعت سے دلچسپی نہیں رکھتے۔ یہاں کے لوگ چونکہ غریب ہیں اس لئے آتش باقی کھاتے ہیں۔ اور ”پلخان“ مکاؤں میں رہتے ہیں جو ایک بڑی سڑک کی طرح ہوتا ہے۔ سب خاندان والے ایک ساتھ رہتے اور ایک ساتھ کھاتے ہیں۔ صبح وشام بڑی بڑی دیگوں یا کڑاھیوں میں کھانا پکھتا ہے۔ اور جب تیار ہو جاتا ہے تو یا اس دیگ کے چاروں طرف بیٹھ کر کھانا شروع کر دیتے ہیں اور یا بیٹے بڑے برتنوں میں دو تین جگہ کھانا نکال لیتے ہیں اور پھر عورتیں مرد، بوڑھے، جوان، بچے، سب ایک ساتھ کھاتے ہیں۔ اگر کسی جگہ کا کوئی آدمی ان کے ہاں نہان ہو تو اس کو بھی اسی کھانے

میں شریک کر لیتے ہیں۔ اور اگر بیرون شہر سے کوئی آیا ہو تو اس کے لئے روٹی، گوشت، دودھ اور چائے اور میوے وغیرہ کا انتظام کرتے ہیں اور اس کی حق الامکان خاطر کرتے ہیں۔

زیباک کے لوگوں کے تعلقات چترال اور فیض آباد کے لوگوں سے زیادہ ہیں اور ان کی آمد و رفت بھی ان مقامات پر بہت ہے۔ اس لئے ان کے لباس میں فیض آبادی شان پائی جاتی ہے۔ اپنی حیثیت سے زیادہ کا لباس پہنتے ہیں۔ بلبل کا صاف اور خوبصورت لنگیاں (علمے) باندھتے ہیں۔ عورتیں کاکڑ اپنہ کرتی ہیں۔ لیکن جو لوگ بہت زیادہ غریب ہیں وہ

چکن، کرباس، اور معمولی پوتین سے کام چلا لیتے ہیں۔ یہاں سردی بہت ہی سخت ہوتی ہے۔ تمام باشندوں

اور خصوصاً غریبوں کو رات گزارنی مشکل ہو جاتی ہے۔ جن لوگوں کے پاس کھان نہیں ہوتا وہ کپڑوں کے اندر دو تین آدمی ایک ساتھ سو کر رات بسر کرتے ہیں۔ اور بعض لوگوں کے ہاں یہ قاعدہ ہے کہ اگر کپڑے کم ہوئے تو سب عورت و مرد

نینگے ہو جاتے ہیں۔ اور زائد کپڑوں کو اوپر سے ڈال لیتے ہیں۔

رات کی روشنی | زیباک میں جلانے اور کھانے کا تیل نہیں ہوتا۔ رات کو روشنی کرنے کے لئے لوگ کئی ترکیبیں کرتے ہیں۔ اکثر لوگ بید کے درختوں پر خاکیر، شیشم اور کھجی چیزیں مل لیتے ہیں۔ اور پھر رات کو بید جلانے میں تھوڑی دیر کے لئے دھیمی سی روشنی ہو جاتی ہے۔

علاوت اور رسوم | زیباک کے لوگ بہت ہی نیک اور سادہ اور دنیا کے فریبوں سے نا آشنا ہیں۔ ہر حاکم کی اطاعت کرتے ہیں۔ اور کبھی آپس میں نہیں لڑتے۔ شہوت پرستی کی مذموم عادتیں ان میں مطلق نہیں ہیں۔ مکر، فریب، جھوٹ، دوسروں کے مال پر قابض ہونے کی کوشش کرنا، یہ لوگ کچھ بھی نہیں جانتے۔ نہایت معصوم اور پاک لوگ ہیں۔ اپنے مال و اسباب میں سے ”بڑے پیر“ کا حصہ سالانہ ضرورت نکالتے ہیں۔ نماز، روزہ، اذان، جماعت سے آشنا نہیں ہیں۔ کیونکہ ان کا پیر ان کو جتنے دے گا۔

لیکن جو لوگ ان میں بڑے لکھے ہیں اور مسئلہ مسائل کی کتاب دیکھ لیتے ہیں وہ نماز پڑھتے ہیں، بھجن دیہاتوں میں اہلسنت کی مسجدیں اور شیعہ حضرات کی مسجدیں الگ الگ ہیں۔ کتنے کو یہ آغا خانی اور سخت قسم کے شیعہ ہیں لیکن محرم میں کوئی بھی تم نہیں کرتا۔ البتہ نوروز کے دن مائے خوشی کے آسمان سر پر اٹھالیتے ہیں۔ اور محرم میں ماتم نہ کرنے کی یہ وجہ ہے کہ جہالت کی وجہ سے ان کو اپنے دین اور مشرب کی خبر ہی نہیں ہے۔ اور نہ ان کو اپنے مذہب کی تعلیمات معلوم ہیں۔ (ان کو دانستہ مذہب اسلام سے ناواقف رکھا جاتا تھا۔ مگر تب غلام کی اجازت ہو گئی جس نظامی) زیباک کے لوگوں کی تعداد و بشمولیت تمام متعلقہ دیہات کے ۵۰۰۰ ہے۔

جن لوگوں کو شکار سے دلچسپی ہے ان کے پاس بندو تین ہیں۔

ورنہ عام طور سے کسی قسم کے ہتھیار ان کے پاس نہیں ہیں۔

راستے | زیباک سے قطن و بدخشان کے مختلف حصوں کو راستے گئے ہیں اور برابر مسافران راستوں سے آتے جاتے رہتے ہیں۔ لیکن ان میں اکثر راستے برف باری اور سردیوں کی وجہ سے موسم سرما میں بند ہو جاتے ہیں۔ اور اکثر برف اور بچ کی وجہ سے ان پر آمد و رفت جاری رکھنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ اس لئے صرف گرمیوں اور بہار کے موسم میں ان سڑکوں پر گزرنا جائز ہے۔

زیباک کی سردی | بدخشان کی سردی افغانستان میں مشہور ہے۔ زیباک بدخشان میں سب سے سرد مقام ہے۔ یہاں ہم بہار کے علاوہ گرمیوں اور جھاڑوں میں بارہ بجے دن سے لیکر بارہ بجے رات تک سخت تند و تیز اور سرد اور برف سے نکلے ہوئے ہوائیں برا بھلا پیتی رہتی ہیں۔

بتلایا جا چکا ہے کہ یہاں کا پارہ حرارت سخت سے سخت گرمی میں بھی ۹۰ سے آگے نہیں بڑھتا۔ جاڑے کے موسم میں برف باری کی وجہ سے تمام زمین، مکانات، درخت سفید نظر آتے ہیں۔ دریاؤں، آبشاروں، اور گھروں میں رکھے ہوئے برتنوں کا پانی جم کر برف کا تختہ ہو جاتا ہے۔ پینے کے لئے بیچاری عورتوں کو بوت دور جا کر بہتے ہوئے اور اُبلتے ہوئے چشموں سے پانی لانا پڑتا ہے یہ سردی میں ایک دوسری مصیبت ہے۔

زیباک، واخان، غارن، اور پامیرات کی سردی کا ہو بونقصہ کھینچتے ہوئے جلال آباد کے باکمال شاعر علامہ آقا

میرزا شیر احمد خان سی خلی نے چند اشارے کیے ہیں جو قارئین کی گنجی
 کے لئے نقل کئے جاتے ہیں۔ اشعار
 در زمستان کان برف و باد چوں زیباک نیست
 اینچنین سرا و درگرجا در تہ اسلاک نیست
 خرمن پنبہ، ہمہ روئے زمیں را کردہ فرش
 کوہ و صحرا خالی از بچ قدر برگ تاک نیست
 بہر استغیا میسر کے شود کس را کلوخ
 از دوبر برف و بچ ہرگز نشان خاک نیست
 شدت سرما نگذہ، لرزہ در اندامہا،
 نیست شخصے کہ غم سرا دل او چاک نیست
 از ہوائے زمہری بہرہ دار دای وطن
 فکر در برف و بادش راہ استہراک نیست
 در درگرا و طال زمستان است، سہ ماہ یا چہار
 ہشت مہ طول زمستان غیر ایں ملاک نیست
 باوجود اینچنین، سرا و برف و باد و بچ
 بہر آتش کردن اینچا ہمیزم و خاشاک نیست
 خار تر یا بیدار در دگداں سوزند و بس
 کوکے کہ در دوشمش کوریا مناک نیست
 مردم ایں ملک را، روز و شب از بیچارگی
 غیر نان خشک و آتش با قلی خوراک نیست
 از لباس گرم بہر دفع سرا عا جب سوزند

جز پلاس و چکن ایشاں را در گوشتاک نیست
 گرچہ دریا دارد و ہم جوہا، اما زنج
 قدرت کس بہر استعمال آب پاک نیست
 میرود ز نہائے شاں، یک میل اہ و مبال آب
 غم براں عورت کہ در رفتار خود چالاک نیست
 گر کے بیمار گردنے دواؤں نے طبیب
 سر اگر کس می تراشد، بہر اود لاک نیست
 یک بلائے و گجے ہم گشتہ براشاں نزول
 کان بلا شیطانی است و از خداے پاک نیست
 از نماز و روزہ ایں مردم نہ دارند آگہی،
 یکنزدیک مرد شاں بے غم نہ و تریاک نیست
 زیباک میں بخار کے امراض کم ہیں لیکن ذات الجنب کے
 مریض بہت جس کا علاج یہ لوگ با قلی سے کرتے ہیں گویا وہی
 دوا اور وہی غذا۔
 گزشتہ حکومتوں میں منجان، کران، اور انجن زیباک کے
 ماتحت تھے۔ لیکن اب الگ علاقہ داری ہے۔ اور زیباک انکاشم
 اور غارلان کو مل کر درجہ اول کی علاقہ داری ہے (ناصر خسرو
 مشہور آغا خانی داعی نے ان کو آغا خانی بنایا تھا۔ حسن نظامی)
 انکاشم | انکاشم زیباک سے، کوس دور ہے۔ ۵۰ فہٹ
 بلند ہے۔ گرمیوں میں پارہ حرارت ۹۲ درجہ تک ہوتا ہے۔
 ۵۰ غمہ اور تریاک ایک خاص مٹی چیز ہے۔ ۱۲

دریائے پنج (آمو) کے کنارے واقع ہے۔

اشکاشم کے دائیں جانب درہ واخان اور بائیں جانب درہ غاران اور شقان ہے۔ اور یہاں ایک سرکاری چھاؤنی اور کئی سرکاری عمارتیں بھی ہیں۔

یہاں کے لوگ کھانے پینے اور پہننے میں زیباک کی طرح پریشان اور ذلیل ہیں۔ مذہب بھی آغاخانی ہے۔ فارسی بولتے ہیں لیکن اپنی مخصوص زبان ترک نہیں کرتے۔ یہ لوگ اپنے عادات و اخلاق اور طرزِ رہائش اور عام حالات میں بالکل زیباک کے لوگوں کی طرح ہیں۔ اشکاشم کے نواح میں قتلاق تربت کے قریب ایک بہت بڑا میدان خالی پڑا ہے جس میں زراعت اور پیداوار بہت اچھی ہو سکتی ہے۔ ان لوگوں نے اس میدان میں کئی ہزار بیگہ زمین پر کاشت شروع کر دی ہے۔ زیباک اور اس میدان کے راستے میں حضرت بایزید بظامیؒ کی مشہور زیارت گاہ مٹی ہے جو اس علاقہ کی مشہور ترین زیارت گاہ ہے۔

یہاں سے ایک سڑک کئی مشہور شہروں سے ہوتی ہوئی مزار شریف گئی ہے۔ اور یہاں سے دریائے پنج (آمو) گزرتا ہے جو مزار شریف کے علاقہ میں پہنچ کر روسی اور افغانی سرحدوں میں حد فاصل قائم کر دیتا ہے۔ اس طرف کا دریا افغانستان کے تصرف میں ہے اور اس کے کنارے سرحد کی حفاظت کے لئے بہت سی چھاؤنیاں ہیں۔ اور دریائے اس پار

روس کا قبضہ ہے۔ چنانچہ روسی چھاؤنیاں اور روسی گورنمنٹ کی عمارتیں اس پار سے نظر آتی ہیں۔ اشکاشم کے دریا کے مقابل بھی اس پار روسی چھاؤنیاں نظر آتی ہیں۔

اشکاشم کے بائیں جانب درہ غاران ہے جہاں بخشان کے قیمتی لاجوردوں کی سب سے بڑی کان ہے۔ حکومت نے اس کان کی کھدائی کے انتظامات کئے تھے لیکن اخراجات کی زیادتی کی وجہ سے کھدائی بند کر دی پڑی۔

واخان اور پامیرات | واخان اور پامیرات کے علاقے کا درجہ دوم کی حکومت میں شامل ہیں۔

واخان ایک بہت ہی طویل درے کا نام ہے۔ اس درے میں سات منزلیں ہیں۔ اور ہر منزل آباد ہے۔ گویا واخان ایک وسیع اور پھیلے ہوئے شہر کی طرح ہے جس کے محلے دور دور واقع ہیں۔ ذیل میں ساتوں منزلوں کے حالات لکھے جاتے ہیں:-

(۱) ورک :- اشکاشم سے ورک و کوس کے فاصلہ پر ہے۔ اور ۳۰۰ فیٹ بلند ہے۔ اس جگہ دریائے آمو یہ بہتا ہے۔ جو سرحد افغانستان اور روس میں حد فاصل ہے۔

یہاں کے لوگ آغاخانی ہیں اور اپنی الگ زبان جو نہ فارسی ہے نہ ترکی ہے اور نہ پشتو ہے بولتے ہیں۔ یہاں کی زراعت، خوراک، پوشاک سب زیباک کی طرح ہے لیکن یہاں کی زمین زرخیز ہے۔ سردی کافی بڑھتی ہے۔ اور کبھی کبھی

طوفان باد بھی آجایا کرتا ہے۔

یہاں سے شتقان اور زیباک کو راستے گئے ہیں۔

(۲) اور گندہ۔ ورگ سے اور گندہ (کوہ) کے

فاصلہ پر ہے۔ اور ۹۶۸ فیت بلند ہے۔ بہت ٹھنڈی جگہ ہے۔

جو گیہوں، اور باقلہ عام پیداوار ہے۔ یہاں میوے کے درخت

اور باغات بہت ہیں لیکن شدت سرما کی وجہ سے پھل زیادہ

نہیں آتے۔ یہ مقام سراسر بالو اور سنگریزوں سے ڈھکا ہوا ہے۔

زمین بالکل پتھر ٹلی ہے۔ اور ہمیشہ صحرائی طوفان یہاں کے باشندوں

کو تنگ کرتا رہتا ہے۔

(۳) خندود۔ یہ مقام بھی ریگستانی ہے۔ ۹۰۵ فیت

بلند ہے۔ اور اور گندہ سے ۸ کوس کے فاصلہ پر ہے۔

(۴) قلعہ پنجہ۔ خندود سے ۸ کوس کے فاصلہ پر ہے

اور ۹۸۵ فیت بلند ہے۔ اکثر حصہ ریگستانی ہے۔ یہاں ایک

بڑا قدرتی حوض بھی ہے جس کے کنارے مرغایاں اور دریائی پرندے

آکر بیٹھتے ہیں۔ جو گیہوں، باقلہ، شنگ عام پیداوار ہے۔

بید اور طوس کے درخت بہت ہیں۔ یہاں سے کچھ فاصلہ پر

دریائے آمو یہ بتا ہے جس کی دوسری جانب روس کا علاقہ

ہے۔ جہاں اس کی چھاؤنی بھی ہے۔

(۵) بابا تنگی۔ قلعہ پنجہ سے ۴ کوس آگے بابا تنگی

ہے۔ جو ۱۰۶۰ فیت بلند ہے۔ یہاں کے لوگ خوشحال ہیں۔ جو

گیہوں، باقلہ وغیرہ کی اچھی زراعت ہوتی ہے۔

(۶) نرس وشلک۔ بابا تنگی سے ۴ کوس پر

نرس وشلک مقام ہے جو ۱۲۸۰ فیت بلند ہے۔ یہاں کے راستے

انتہائی خراب ہیں جن پر گزرنا بھی مشکل ہے۔ یہاں کے لوگ

سواری کے بہت شوقین ہیں۔ حالانکہ ان کی سواری بہت

تکلیف دہ ہے۔ مذہب آغا خانی ہے۔ لباس اور خوراک سے

مغلی ٹپکتی ہے۔

یہاں سے زیادہ مسافروں کے لئے ایک بہت قریب

کا راستہ چترال گیا ہے۔

(۷) سرحد۔ نرس وشلک سے چار کوس کے فاصلہ

پر ہے اور ۱۱۴۸ فیت بلند ہے۔ زمین بہت وسیع ہے اور زراعت

اچھی ہوتی ہے۔ گیہوں، جو اور باقلہ عام پیداوار ہے۔ سرحد کے

مغربی جانب دولت افغانستان کی ایک بڑی چھاؤنی ہے۔

یہاں سے کچھ فاصلہ پر مشرقی جانب ایک درہ ہے جو

بہت ہی خوبصورت مقام ہے۔ سرسبز چراگاہیں، باغات،

کثرت سے ہیں۔ دریا بھی بہتا ہے۔ اور اس دریا کے کنارے

کنائے بہت سے قبائل آباد ہیں۔

سٹرکیں | سرحد سے چترال ایک راستہ گیا ہے جو نو منزل کا

ہے۔ ایک شرک دار کوت سے ہوتی ہوئی عشقمن، یاسین،

گلگت جاتی ہے۔ اور وہاں کے کشمیر تک چلی گئی ہے۔ یہ شرک

بعض مقامات پر ہموار اور بعض مقامات پر انتہائی پر پیچ ہو گئی ہے۔

دسے غار، پہاڑ، خطرناک چڑھائیاں، دریا سب ہی اس راستہ میں

پڑتے ہیں۔

نرس و شلک سے بروغیل تک جو درہ واخان کا آخری حصہ ہے اور جو سرحد سے قریب ہے صرف دو کوس کا فاصلہ ہے بروغیل سطح سمندر سے ۳۰۴۰ فٹ بلند ہے۔

عجیب و غریب بات | واخان کے تمام حصوں میں اور درک

سے لیکر سرحد تک ہر جگہ کے لوگوں میں یہ انتہائی عجیب و غریب عادت ہے کہ یہ لوگ کسی سے قطعاً لڑتے ہی نہیں۔ جنگ، فتنہ، فساد، اور جھگڑے کے نام سے واقف ہی نہیں ہیں۔ یہاں تک پرامن اور خاموش ہیں کہ اگر ان پر کوئی ماتحت حاکم انتہائی ظلم و ستم کرے اور مسلسل کرتا ہی رہے تب بھی یہاں کے لوگ حاکم اعلیٰ کے پاس فریاد لیکر نہیں جاتے اور ظلم برداشت کرتے رہتے ہیں۔ ان لوگوں میں اکثر آغاخانی مذہب کے ہیں نماز، روزہ اور کسی قسم کی عبادت سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہے۔ درہ واخان کا جو حصہ افغانستان میں شامل ہے اس کے ماتحت ۴۶ گاؤں ہیں جن کی مجموعی آبادی چار ہزار کے قریب ہے۔ اور جو حصہ روس کے علاقہ میں شامل ہے اسکے ماتحت ۲۷ گاؤں ہیں جن کی آبادی ہزار آدمیوں سے زیادہ ہے اور سب لوگ مسلمان اور آغاخانی ہیں۔

درہ واخان افغانستان کا ایک اہم حصہ ہے کیونکہ یہ روس اور افغانستان کی سرحد ہے۔ یہاں سے کئی دریا روس کے علاقہ میں گئے ہیں۔ اور پہاڑوں کا سلسلہ بھی روس کی

سرحدوں کے پار تک چلا گیا ہے۔ دریا کے آریار اور پہاڑوں پر روسی اور افغانی چھاؤنیاں ہیں۔ اور دونوں حکومتیں اپنی اپنی سرحد کی نگرانی رکھتی ہیں۔ پہلے افغانستان کے راستے سے روس میں آمد و رفت تھی لیکن انقلاب روس کے بعد سے بند ہو گئی ہے۔

واخان پر اجمالی نظر | واخان کی وسعت اور اہمیت

کو دیکھتے ہوئے وہاں کے حالات پر ایک اجمالی نظر ڈالنی غیر مناسب نہ ہوگی۔

واخان کے لوگوں کا رنگ گندمی ہے اور بتلایا جا چکا ہے کہ سب کا مذہب آغاخانی ہے۔ ہر سال یہاں کے باشندے اپنی آمدنی اور کمائی کا دو سوواں حصہ نائب کی معرفت سرکار آغاخان کی خدمت میں ارسال کرتے ہیں۔ نہایت پرامن ہیں اور بادشاہ وقت کی اطاعت کرنا فرض سمجھتے ہیں۔ ان کی ایک مخصوص زبان ہے لیکن فارسی بھی بولتے ہیں۔ ان میں کوئی عالم ہے اور نہ کوئی طالب علم۔ اذان، نماز، روزہ اور کسی بھی اسلامی عبادت سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے۔ لیکن جوان میں خاص اور سرسبز آردو ہیں وہ شرمناک صورتوں کے طور پر کچھ کچھ نماز پڑھ لیتے ہیں۔ چوری، نفاق، فتنہ و فساد، اغلام بازی اور زنا کاری کی مذموم عادتیں ان میں قطعاً نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی عورتیں ہمیشہ بے پردہ اور آزاد رہتی ہیں۔ اور کھیتوں اور جنگلوں اور صحراؤں میں مردوں کے دوش بدوش کام کرتی

ہیں لیکن یہ لوگ پلاس (سوار) استعمال کرتے ہیں اور ظلم بھی بڑے شوق سے پیٹتے ہیں۔ اور کچھ دنوں سے تریاک اور غمسنہ (مثنیٰ چیزیں) کھانے پینے کے عادی ہو گئے ہیں۔ عورتیں اور مرد سب اس لت میں پڑتے جا رہے ہیں۔ مذہبی بے پردائی اور مذکورہ عیبوں کے علاوہ ان کے عام اخلاق بہت اچھے ہیں۔

زراعت | چونکہ یہاں کی ہوا بہت سرد ہے اور برفاری بھی بہت ہوتی ہے اس لئے یہاں کے دہقان ماہ نور اور ماہ جوزا میں گیہوں، جو، لوبیا، باقلہ، اور کھول کی کاشت شروع کرتے ہیں اور ماہ سنبلہ اور ماہ میزان میں کھیتوں کو کاٹتے ہیں یہ بیچاے اپنی فصلوں کی بہت نگرانی کرتے ہیں لیکن اکثر اوقات ان کی کھیتیاں سردی اور شدید برف باری سے تباہ ہو جاتی ہیں جب ان کے پاس غلہ نہیں ہوتا تو یہ تپک کھاتے ہیں جس کی ایک خاص قسم کی بھیجا پکلتے ہیں۔ یہ بہت ہی بدمزہ اور مضحک غذا ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ مجبور ہو کر اس کا استعمال زیادہ کرتے ہیں وہ لنگڑے ہو جاتے ہیں۔ واکان کے علاقوں میں اکثر لوگ اسی بنا پر لنگڑے ہو گئے ہیں لیکن مفلسی اور مجھوک کا کیا کیا جائے مجبوراً وہی کھانی پڑتی ہے۔

جو، گیہوں، باقلہ، اور تپک کے علاوہ کسی اور چیز کی کاشت نہیں ہوتی۔ اور نہ کوئی میوہ دار درخت اس علاقہ میں ہے۔ ہاں کہیں کہیں زرد آلو کا ایک آدھ درخت نظر آتا ہے لیکن اس کا پھل اکثر غیر مناسب آب و ہوا کی وجہ سے بیکار جاتا ہے عجز

اور بید کے درخت ان اطراف میں بہت ہیں۔

بعض لوگ گڈی بکری، اونٹ، گائے، بھیڑ، اور خچر وغیرہ بھی پالتے ہیں۔ اور ان کی گڈ بانی کرتے ہیں۔

صنعت | گڈی بکری اور دوسری بھیڑ بکریوں کے بالوں سے پلاس اور برک کپڑے تیار کرتے ہیں۔ اور جڑا میں بھی بناتے ہیں۔ مویشیوں کی کھالوں سے پوستیں اور چم بناتے ہیں اور کھالوں کو خود ہی دباغت دیتے ہیں۔ عورتیں اون اور بالوں کو کاٹی اور ان کے ڈورے بناتی ہیں اور مرد کپڑا بناتے ہیں۔

پوشاک | عورتیں اور مرد سب کرباس کا لباس تیار کرتے ہیں۔ اور مختلف قسم کی پوستیں، پوستیخچہ، چمکن جو رنگین ہوتے ہیں پہنتے ہیں۔ عورتیں چادروں کے عوض سروں پر گرم رومال باندھ لیتی ہیں۔ اور بیروں میں سب لوگ چمڑے کے گرم موزے استعمال کرتے ہیں۔ شدت سرما کی وجہ سے ان کا سارا لباس گرم ہوتا ہے۔ لیکن جاڑے کو دور کرنے کے قابل ان کے پاس زیادہ کپڑے نہیں ہوتے اس لیے گھر کے سب عورت مرد، بچے، بوڑھے، جوان بالکل ننگے ایک ساتھ سوتے ہیں۔ اور اوڑھنے کے لئے ان کے پاس پلاس کے کپڑے کی ایک چادر سے زیادہ کوئی چیز نہیں ہوتی۔ اور جن غریب لوگوں کے پاس پلاس کی ایک بھی چادر نہیں ہوتی وہ اپنی رات یا تو آگ تپ کر گزارتے ہیں۔ اور یا دن کے چمکن اور پوستیں کے لباس اوڑھ کر اور شکر کر سوجاتے ہیں۔

خوراک

یہاں کے لوگ چونکہ بہت مفلس ہیں اس لئے باقیہ
مشنگ اور پتک کی ٹھجیا عام غذا ہے۔ جو لوگ مالدار ہیں وہ
روٹی اور مکین چائے یا دودھ یا شوربا کھاتے ہیں لیکن اس غریب
پر بھی ہر شخص اپنے گھرانہ کی سید عورت کرتا ہے۔ اور اس کو اچھے
سے اچھا کھا نا کھلاتا ہے۔

رات کے وقت ان لوگوں کے پاس روشنی کرنے کے لئے
تیل نہیں ہوتا کیوں کہ واقفان میں کھانے اور بھلانے دونوں قسم
کا تیل نہیں پایا جاتا۔ اس لئے یہ لوگ عرصہ اور بید کی لکڑیوں
میں خاکسیر اور معلوم نہیں کیا کیا لگا کر اس کو پتھر پر گھستے ہیں اور
پھر اس کو جلاتے ہیں۔ اس طرح جھلکاتے ہوئے دیے کی سی
ہلکی روشنی تھوڑی دیر کے لئے ہو جاتی ہے۔

ان لوگوں کے ایک ساتھ سونے کا طریقہ یہ ہے کہ بچے
ایک ساتھ الگ کو بٹھری میں سوتے ہیں۔ میاں بیوی ایک ساتھ
سوتے ہیں جو تین الگ سوتی ہیں مرد الگ سوتے ہیں اور
سب تنگ دھڑنگ اور سب ایک ایک چادر میں لپیٹے
اور چھپے ہوئے۔

پامیر خور | یہ وادی علاقہ روس سے شروع ہوتی ہے۔ اور
افغانی حدود میں جی چلی آتی ہے۔ موجودہ حالت میں پامیر خور
کا افغانی حصہ ۴۴ کو سو لانا اور ۴۴ کو سو پوڑا ہے۔ یہ ایک
میدان ہے جو بالکل ہموار ہے۔ اس میں چراگاہیں تو بہت
ہیں لیکن میوے دار درخت اور زراعت کے قابل زمین بالکل

نہیں ہے۔ اگر زمین پر غلہ بویا جائے تو دانے پختہ نہیں ہونگے۔
اور کثرت سرما اور شدت برف باری سے کھیتی بالکل تباہ
ہو جائیگی۔ اسی لئے کوئی ان زمینوں پر کاشت کر کے اپنی محنت
بر باد نہیں کرتا۔

یہاں کی آبادی ترک اور ہزارہ قبائل پر مشتمل ہے جو قوی
ہیکل، توانا، و تندہ است اور مضبوط ہیں اور سب کے سب
خانہ بدوش ہیں کبھی یہ لوگ چینی ترکستان کے شہر کا شغریہ جاتے
ہیں اور کبھی پامیر خور میں آ جاتے ہیں۔

ان خانہ بدوش قبائل میں بعض چین اور افغانستان کے
درمیان تجارت کرتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو مختلف کپڑے تیار
کر کے ان کی تجارت کرتے ہیں۔ اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو
دو کوہان کے اونٹ، بکریاں، بھینٹ اور دنبے پالتے ہیں اور
ان کی گلہ بانی کرتے ہیں۔ ان کے پاس گھوڑے بھی ہیں جنکو سواری کے
کام میں لاتے ہیں۔ پامیر خور میں ان کے مکانات سڑک کے قریب ہیں۔

پامیر کلاں (جو کلاں کو چکا ہے) اور پامیر خور کے درمیان صرف ایک پہاڑ
حائل ہے۔ ان دونوں پامیر کے لوگ ایک ہی قاش وضع کے ہیں۔ دونوں
پامیر کی آبادی ہزار تک ہے۔ ان کا خانہ بدوش حصہ ہمیشہ خانہ بدوشی میں مصروف
رہتا ہے۔ جہاں پانی اور سرسبز زمین نظر آتی اور ان کے مویشیوں
کے لئے چراگاہیں ملیں وہیں یہ غیر معین مدت کے لئے قیام پزیر
ہو گئے۔ اور اپنے سفری مکانات کے ساتھ ایک بستی بنا ڈالی۔
جب یہ مقام سکونت کے قابل نہ رہا دوسری جگہ کی تلاش

میں نکل پڑے۔

ان کا یہ دور برابر قائم رہتا ہے۔ خانہ بدوش قبائل کبریٰ کی گلبانی اور ان کی پرورش میں بڑا کمال رکھتے ہیں۔

مذہب | خانہ بدوش قبائل اور پامیرات خوروں کے لوگوں کا مذہب اہل سنت و جماعت ہے۔ روزہ نماز کے سختی سے پابند ہیں۔ اور اپنے سفری مکاؤں اور اپنی سفری بستیوں میں اذان و جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ ان میں طالب علم بھی ہیں اور علماء بھی ہیں۔ اور یہ فقہ و حدیث شریف کی کتابیں بھی اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ اور شریعت کے قوانین کی پابندی کرتے ہیں علماء اور مشائخ اور سادات کا بہت احترام کرتے ہیں۔ اور اپنے مہمان کی عزت اپنی جان سے زیادہ کرتے ہیں۔

زراعت | زراعت کے لئے پامیرات خوروں کی زمین بالکل بخر واقع ہوئی ہے۔ اس لئے زراعت کسی قسم کی نہیں ہوتی۔

خوراک | اگر میوں میں پامیرات خوروں کے لوگ گوشت، دودھ، دہی اور قیماق کھاتے ہیں۔ اور جاتوں میں یہ لوگ گھو، جو اور دوسرے اجناس کھاتے ہیں۔ جو کھڑا اور جو سامان تیار کرتے ہیں وہ واخان، اشکاشم اور بہارک کے علاقوں میں اجناس کے عوض فروخت کرتے ہیں۔ اور گرمیوں کا سارا موسم واخان، اشکاشم اور زیباک میں ہی گزار دیتے ہیں۔ اور یہ کہا کرتے ہیں کہ ”اگر ہم لوگ پامیرات خوروں میں رہا اپنے مکاؤں میں گرمیاں گزاریں گے تو مر جائیں گے“ اور اس کا تجربہ بھی ہو چکا ہے کہ یہ لوگ

گرمیوں میں پامیرات خوروں میں رہ کر مر جاتے ہیں۔ پامیرات خوروں کا گرم مقام ہے لیکن زیادہ نہیں۔

پوشاک | چونکہ یہاں کے لوگوں کا تجارتی سلسلہ چین سے قائم ہے اس لئے یہ لوگ یارقند اور چین کے بنے ہوئے کپڑے استعمال کرتے ہیں۔ مرد پوشتین، بکین، تلیاق، موزہ، چپس وغیرہ پہنتے ہیں۔ اور عورتیں سروں پر سفید ملل کا صاف باندھتی ہیں چپس اور موزہ پیروں میں پہنتی ہیں۔ چینی ریشمی کپڑے اور کرباس کا کرتہ یا جامہ بناتی ہیں اور پوشتین اوپر سے اوڑھتی ہیں۔ یارقند سے سوداگر قالین، کرباس اور ریشمی کپڑے لاتے ہیں اور یہاں کے لوگوں کے ہاتھ بکریوں کے عوض فروخت کر دیتے ہیں۔ غیر شادی شدہ جوان اور نابالغ لڑکیاں خوبصورت ڈوڑی کا کرٹھا ہوا ریشمی بدخشانی کلاہ پہنتی ہیں۔

صنعت | مرد صرف بھیڑوں کی پوشتین بنانا جانتے ہیں۔ اور عورتیں بھیڑوں کے اون سے پلاس، جل، نواڑ، جوال، جراب وغیرہ بناتی ہیں اور اونٹوں کے بال سے قانمہ اور ریشما بناتی ہیں۔ اور خانہ بدوش قبائل کی عورتیں سفری مکانات کے لئے مختلف سامان تیار کرتی ہیں۔ اور خود ہی جنگلوں میں خیمہ لگاتی ہیں اور خود ہی اکھاڑتی ہیں۔ عورتیں پردہ نہیں کرتیں اور بالکل مردانہ وضع سے رہتی ہیں۔

اسلحہ | یہاں کے لوگ اسلحہ کے شوقین ہیں لیکن زیادہ نہیں۔ البتہ پامیر خوروں کا ایک شخص جبار قلی منگباشی جو دولت مند

کرنا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ انتہائی پرپیچ اور خطرناک پہاڑی راستوں اور خوب گھنے ہوئے بید اور طوس کے جنگلوں کو پار کر کے مسافر لنگر میں آتا ہے۔ ۱۲۹۲۰ فٹ بلند ہے۔ اور شورخورد سے ۱۱ کوس دور ہے۔

یہ بہت وسیع مقام ہے اور اس کے چاروں طرف جہن زار بہت ہیں۔ یہاں قبیلہ قرغز کے لوگوں کے چند مکانات ہیں۔ جو بکریوں، بھیٹرڈ کو پالتے ہیں۔ انہی لوگوں میں ایک شخص عبداللہ خاں بھی رہتا ہے جو چترال کے سابق میروں کی اولاد میں ہے اور جس کو چترال کی خانہ جنگیوں کے سلسلہ میں غنائوں نے یہاں کے لوگوں کے ہاتھ بیچ دیا تھا لیکن لنگر کے لوگوں نے اس کو آزاد کر دیا ہے۔ اور اس کے رہنے کے واسطے مکان بنوایا ہے۔ اور اس کی شادی بھی کر دی ہے۔ اور اسکی ہر طرح مہمانی کرتے ہیں اور کسی قسم کی اعانت سے ہاتھ نہیں روکتے۔

بزائے گنبد لنگر سے ۸ کوس کے فاصلہ پر ہے۔ ۱۲۹۳۰ فٹ بلند ہے۔ بزائے گنبد ایک شخص کا نام تھا جس کو گنجدی لوگوں نے شہید کر دیا تھا۔ اس کی قبر میں ہے۔ اور اس پر ایک گنبد بھی ہے اُسی وقت اس قریہ کا نام بزائے گنبد پڑ گیا۔

یہاں چھوٹے بڑے سات گنبد ہیں۔ اور چوکور شکل کی ایک حوٹلی ہے جس کے نیچے قبریں ہیں۔ یہ مقام وسیع ہے اور یہاں بڑے بڑے کئی باغات ہیں۔ باشندے ترکی زبان کے علاوہ کوئی دوسری زبان نہیں جانتے۔

آدمی ہے۔ اس کے پاس انگریزی، روسی اور جرمنی ساخت کی ۱۲ اور دیسی ساخت کی پانچ بندوقیں ہیں۔ باقی عام لوگوں کے پاس ۴۰ سے زائد بندوقیں نہیں ہیں۔ اور وہ بھی دیسی ساخت کی۔

سٹرکیں | پامیر خورد سے کچھ دور ایک درہ ہے جہاں سے کشمیر کو ایک سڑک لگئی ہے۔ اس سڑک سے چاردن میں شگند (کشمیر) میں مسافر پہنچ جاتے ہیں۔

بزائے گنبد مقام سے قریب ایک درہ ہے جو ۲۲ کوس طویل ہے۔ یہاں سے ایک راستہ سر قول اور تاشقرغان گیا ہے۔ اور یہی راستہ یارقند اور کاشغر اور چینی ترکستان کی انتہائی حدوں تک چلا گیا ہے۔

بزائے گنبد سے تاشقرغان چاردن میں اور تاشقرغان سے کاشغر دسویں دن مسافر پہنچ جاتا ہے۔ اسی طرح بہت سے راستے روس، چین، جینی ترکستان، کابل وغیرہ مقامات پر گئے ہیں۔

شورخورد | پامیرات کی پہلی منزل ہے۔ اور ۱۲۹۵۰ فٹ بلند ہے۔ یہاں ترک قبائل کی بہت ہی مختصر بستی ہے۔ پیچ در پیچ اور سنگلاخ پہاڑی پر واقع ہے۔ یہاں طوس اور بیکہ درختوں کا دو طرفہ سلسلہ چلا گیا ہے۔

لنگر | یہ پامیرات کی دوسری منزل ہے۔ لنگر تک پہنچنے کے لئے ردو بار دریا کے لکڑی کے جھولتے ہوئے بل کو عبور

راستہ | یہاں سے ایک منزل کے بعد ایک علاقہ
خطائی آتا ہے۔ وہاں بھی انہی قرغز لوگوں کی آبادی ہے
خطائی سے یا رقدہ منزل ہے یعنی آٹھ دن کا راستہ ہے۔
یہاں سے ایک راستہ کنجوت گیا ہے۔ جہاں کے پہاڑ
ہمیشہ اور ہر موسم میں تھخ اور برف میں چھپے رہتے ہیں۔
خطائی سے کنجوت ۲۰ کوکس ہے۔

اندین | بڑے گنبد سے ۱۱ کوکس ہے اور ۱۳۸۰
فیٹ بلند ہے۔ قرغز قبیلہ کے لوگوں کی آبادی ہے۔
بڑے گنبد اور اندین کے درمیان تمام میدان ہے اور
بہت وسیع اور ہوادار جگہ ہے۔ اوچین زار ہر طرف ہیں۔
اس حصہ میں پہاڑوں سے چشمے نکل کر آتے ہیں۔ اور ان
سب چشموں کا پانی ایک نہایت ہی گہرے حصہ میں چلا جاتا
ہے۔ جو ایک خوبصورت جھیل کی مانند ہو گیا ہے۔ جو ایک
میل لمبا اور اس سے کچھ ہی کم چوڑا ہے۔ لنگر، بڑے گنبد
و افغان وغیرہ میں بھی یہاں سے اس قسم کے چشمے گئے ہیں
جو آگے چل کر دریائے پامیر کلاں میں گرتے ہیں، اور کئی چشمے
شقان اور درہ بارتنگ ہوتے ہوئے روس چلے جاتے
ہیں جہاں دریائے آمویہ میں گرتے ہیں۔ چشموں کے تالاب
کو یہاں کے لوگ "چلاپ" کہتے ہیں۔ چلاپ کے قریب
اور اس کے ارد گرد بہت سرسبز اور خطرناک جنگل ہے۔
اس میں بہت سے موزی اور خطرناک درندے اور عظیم الجثہ

جانور ہیں۔

اور خود اندین ایک وسیع میدان ہے۔ جو سرسبز ہے اور
جس میں چمن زار بہت ہیں۔ یہاں کے قرغز لوگوں کی عورتیں
اپنے سروں پر ٹیل کا صافہ باندھتی ہیں۔ ایک تھان سے
زائد کپڑے کا صافہ ان کے سروں پر گھڑی سا نظر آتا ہے گردہ
بالکل مردوں کی طرح باندھتی ہیں اور ایک ناواقف آدمی کیلئے
عورت نہیں بلکہ مرد ہیں۔ وہ چمڑے کے موزے بھی پہنتی ہیں
اور اپنے مردوں سے زائد ہمت و جرأت کے ساتھ کام کرتی
ہیں۔ اندین میں تنفس کا عارضہ بہت ہے۔ گھوڑے اور انسان
اس مرض میں زیادہ مبتلا رہتے ہیں اور اکثر ہلاک بھی ہو جاتے
ہیں۔ اندین میں اس مرض کا نام "توتک" ہے۔

یمان، چلق، تخمیر | یمان چلق اندین سے نوکوس دور
ہے، اور ۲۰۰۰ فیٹ بلند ہے۔ راستہ میں افغانستان
اور روسیہ کے درمیان حد بندی کے طور پر مینا ہے۔ یہاں
بھی ایک بڑا تالاب ہے جس میں مرغابی اور قاز وغیرہ جانور ہمیشہ
چکر کاٹتے رہتے ہیں۔ یمان چلق کے قریب ایک درہ ہے جہاں
ایک بڑے پتھر پر حسب ذیل عبارت کندہ ہے۔

یوم سہ شنبہ ۲۴ سنبلہ ۱۳۳۷ محمد نادر خان غازی

وزیر حربیہ افغانستان

اس پتھر کے قریب ہی بہت سے میناے ہیں جس کے
بالمقابل روسی چھاؤنیاں ہیں۔ یہ موضع معمولی قسم کا سرسبز ہے

چند عجیب و غریب چشمے | ان اطراف میں عجیب و غریب نوعیت کے چشمے پائے جاتے ہیں۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) نرس و شک کے نواح میں (اس مقام کا ذکر ہو چکا ہے) ایک چشمہ ہے جس کا پانی ایک دیگ کے پانی کے مانند ہے جس کے نیچے خوب آگ بس رہی ہو اور پانی جوش کھارہو۔ اسی طرح اس چشمہ کا پانی گوکہ سرد ہے لیکن نوار ہے زیادہ زور کے ساتھ نکلتا ہے اور ہوا میں پکراتا اور جوش مارتا ہی زمین سے نکلتے وقت پانی میں بہت قوت ہوتی ہے اور وہ اپنے سامنے کی ہر چیز کو پھینک دیتا ہے۔ اس کو چھکنے سے معلوم ہوا کہ اس میں گندھک کا جزو ہے۔ اور اس کی بو سے بھی گند کا پتہ چلتا ہے۔ گلاس میں لینے کے بعد بھی پانی میں جوش آتا رہتا ہے اور چاروں طرف سُرخ سُرخ جھاگ نظر آتے ہیں۔ اس چشمہ کا پانی جہاں جہاں گیا ہے۔ زمین اور اس کے کنارے سُرخ ہو گئے ہیں۔

(۲) نرس و شک ہی میں ایک چشمہ اور بھی ہے جس کا پانی گرم ہے۔

(۳) اور گند اور گپش کے درمیان بھی ایک چشمہ ہے جو ماہ سنبہ اور ماہ میزان میں ریگ سے نکلتا ہے اور اس کا پانی اس قدر گرم ہوتا ہے کہ کوئی نہ تو پاؤں نہ منٹ تک پانی میں ہاتھ ڈال سکتا ہے اور نہ چشمہ کی مٹی یا ریگ کو ہاتھ میں

یہاں نہ چمن ہے نہ درخت۔ اس لئے اس کو یان چلق یعنی ”بے رونق جگہ“ کہتے ہیں۔ یہاں کھیتی وغیرہ کچھ نہیں ہوتی، اور نہ جانوروں کے چارہ کیلئے باقاعدہ چراگاہیں ہیں۔ اس کے قریب ہی ایک پہاڑ ہے جس کا ایک رُخ روس میں ہے، اور دوسرا افغانستان میں ہے۔ افغانی لوگ اس پہاڑ کو ”یام دُنیا“ کہتے ہیں۔ یہاں پر آہو کے درخت بہت ہیں اور بہت بڑے بڑے ہیں۔ یان چلق کے آہو کے درخت تمام بدخشان میں مشہور ہیں۔

آب و ہوا بہت مُضر صحت اور انتہائی مُربُوب ہے۔ کمزور آدمی اور گائے اور مُرخ یہاں زندہ نہیں رہتے۔ یہاں کے لوگوں کی ضروریات بھیڑوں اور گھوڑوں سے پوری ہوتی ہیں۔ مویشیوں کی غلاظت گتے بچلانے کا کام لیا جاتا ہے کیونکہ لکڑیاں اس قدر سیلی ہوتی ہیں کہ وہ چلتی ہی نہیں ہیں۔ دودھ گوشت عام خوراک ہے۔ روٹی ان اطراف میں بہت کم میسر آتی ہے۔ کیونکہ سخت سردی اور برفباری کی وجہ سے تنوریں آگ نہیں چلی اور روٹی نیم بچتہ اور خواب ہو کر رہ جاتی ہے۔ سخت سردی کی وجہ سے ہی زراعت کامیاب نہیں ہوتی۔ اس علاقہ میں بارش نہیں ہوتی۔ بلکہ مسلسل اور متواتر برفباری ہوتی رہتی ہے۔ قرغز لوگوں کی آبادی ہے جو بھیڑوں اور اونٹوں کی گلہ بانی اور ان کے تبادلہ اجناس سے زندگی بسر کرتے ہیں۔

رکھ سکتا ہے۔ لیکن ان دو مہینوں کے علاوہ نہ اس چشمہ میں پانی ہوتا ہے اور نہ ریت میں یہ گرمی ہوتی ہے۔

(۴) بابائنگی مقام میں دریا کو عبور کرنے کے بعد ایک چشمہ ہے جس کا پانی بہت ہی گرم ہے۔ انتہا سے زائد کھولتا ہوا۔ یہاں تک کہ مرغی کا نڈا تین منٹ میں اُبل جاتا ہے۔

(۵) بڑائے گنبد کے اطراف میں گرم پانی کا ایک چشمہ ہے جو ایک مکان کے اندر سے نکلتا ہے۔

(۶) میان چلی کے مینار ہائے صہبندی سے دو میں دور ایک چشمہ نکلتا ہے جس کا پانی بھیگے چوئے کی طرح جوش مارتا ہے لیکن پانی بہت ہی ٹھنڈا ہے۔ اس مقام پر شدت سرما کا یہ عالم ہے کہ چشمہ سے پانی نکلتے ہی چند قدم پر پتھر کی طرح سخت ہو جاتا ہے۔ (۷) چھٹے چشمہ کے قریب ایک سبزہ زار کو عبور کرنے کے بعد کھولتے ہوئے گرم پانی کا ایک اور چشمہ ہے۔ ان دونوں چشموں کو بخیر کہتے ہیں۔

اس کے علاوہ گرم و سرد کھولتے ہوئے پانی کے اور بھی کئی چشمے ہیں جو ان اطراف میں پائے جاتے ہیں۔ گرم پانی کے چشمے سخت سردی میں لوگوں کیلئے رحمت ہیں۔

پامیر کلاں | پامیر خور کی طرح پامیر کلاں بھی ایک وسیع دروہ ہے۔ لیکن پامیر خور سے زیادہ طویل ہے۔

کھیتوں اور درختوں کا یہاں بھی وجود نہیں ہے صرف چراگاہیں پائی جاتی ہیں۔ دونوں پامیروں کی آب و ہوا یکساں

ایک ہی قبیلہ اور خاندان کے لوگ دونوں جگہ آباد ہیں۔ باپ پامیر خور میں ہے تو بیٹا پامیر کلاں میں۔ ایک بھائی پامیر کلاں میں ہے تو دوسرا پامیر خور میں۔ دروہ پامیر کلاں میں ایک بہت بڑا تالاب ہے جس کی لمبائی دس کوس اور چوڑائی دو کوس ہے۔ اس تالاب میں مختلف پہاڑوں سے آکر پانی جمع ہوتا ہے جب تالاب میں پانی بڑھتا ہے تو یہ دونوں طرف سے بہتا ہے۔ اس تالاب کے وسط سے روس اور افغانستان کی صہبندی ہوتی ہے۔ مغربی سمت کا آدھا تالاب روس کے قبضہ میں ہے۔

روسی۔ انگریزی چینی | افغانستان کا وہ حصہ جس کو روس اور افغانی سرحدوں کا سنگم

پامیر خور اور پامیر کلاں اور اس کے اطراف کا علاقہ ہے۔ کیونکہ روس، چینی ترکستان، افغانستان اور انگریزی علاقوں میں حد فاصل انہی مقامات سے قائم ہوتی ہے خصوصیت سے روس اور افغانستان کی سرحدیں تو پامیرات ہی میں ملتی ہیں اور وہ بھی اس طرح کہ دریا کے اُس پار روس اس پار افغانستان پہاڑ کا ایک گوشہ اور ایک رُخ روس میں اور دوسرا رُخ افغانستان میں تالاب کا آدھا حصہ روس میں اور آدھا افغانستان میں۔

پامیر کلاں کے تالاب اعظم جس کو انگریز "لیک وکٹوریہ" کہتے ہیں ایک سرحدی خط کھینچا ہے جو کوتل سے برگڈ آتا ہے اور کوہ اندمین کے شمالی جانب پامیر خور تک پہنچتا ہے۔ اور قریل تک دشت قرہ میں سے گزرتا ہے جس میں جگہ جگہ پر بطور نشان مختلف

مینارے کھڑے ہوئے ہیں۔ اس میدان سے گزر قلعہ جزارہ پر ختم ہوتا ہے۔ تالاب پامیرکلاں سے قلعہ مذکورہ تک بارہ میناے سرحدی خط فاصل کے طور پر بنائے گئے تھے جو روسیہ اور افغانستان کی سرحدوں کی علامت ہیں۔ پامیرخورد کے جنوبی جانب ایک پہاڑی سلسلہ چلا گیا ہے جو افغانستان کے قبضہ میں ہے۔ لیکن وہ حصہ جو سرتوقل، تاشقرغان اور یارقند کی طرف چلا گیا ہے۔ وہ انگریزی اور افغانی سرحدوں کا نشان ہے۔ افغانیوں اور انگریزوں نے مفصل اور باقاعدہ طور پر اپنے اپنے علاقوں کی حد بندی اور سرحدی مقامات کا تعین کر لیا ہے۔ انگریزوں کے قبضہ میں ترکستان کا کوئی حصہ نہیں ہے لیکن وہ سرحدی ترکستان تک قابض ہیں۔ پامیرات کا علاقہ، افغانی ترکستان چینی ترکستان اور روسی ترکستان کے علاقوں کو ملا دیتا ہے اور سب سے قریب واقع ہے۔

ان سرحدی مقامات اور خطوں کے علاوہ کئی دریا اور نریں بھی ہیں۔ جو سرحدی صفاصل کا کام دیتی ہیں۔

پامیرات اور واخان پُرانے لوگوں کی زبانی معلوم ہوا کہ پامیرات قدیم زمانہ میں خطائی حکومت کے ماتحت سلطنت چین میں شامل تھا۔ اسی زمانہ میں فرغانہ سے ایک شخص خدایارخاں اُٹھا۔ اور پامیرات اور اس کے گرد و نواح پر قابض ہو گیا۔ اس کے علاوہ اس نے چین کے بھی مختلف حدود فتح کئے تھے۔ خطائی بادشاہ نے

خائف ہو کر پامیرات کا علاقہ اس کو دے دیا۔ خدایارخاں نے اپنی حکومت میں اپنا لقب ”قوش بیگی“ مشہور کیا تھا۔ اس نے پامیرات وغیرہ پر ۳۳ سال حکومت کی اور اپنے خسر کے ہاتھوں زہر سے ہلاک کر دیا گیا۔

قوش بیگی خدایارخاں کی وفات کے بعد پامیرات کے علاقہ پر پھر خطائی بادشاہ نے قبضہ کر لیا۔ اور استحکام حکومت کے لئے پامیرخورد کے قریب کوہ آخاش پر ایک مضبوط چھاؤنی قائم کی جس میں فوج کا ایک دستہ رہتا تھا۔ اور اس چھاؤنی کا افسر اعلیٰ یعنی باشندہ ”چنگ ونگ“ تھا۔ ایک زمانہ تک خطائی بادشاہ اطمینان سے پامیرات وغیرہ پر حکومت کرتا رہا لیکن حکومت روس نے قوت پکڑی تو پامیرات کے لئے خطائی بادشاہ چین اور روس میں جنگ ہوئی جس میں چینیوں کو شکست ہوئی اور روس فرغانہ، مرغاب اور پامیرات کے علاقوں پر قابض ہو گیا۔ روسیوں نے آخاش کی چھاؤنی پر بادکوبی اور وہاں کی تمام فوج کو مار ڈالا۔ اور خود کوہ آخاش سے کچھ فاصلہ پر موضع ”قرزل رباط“ میں ایک مستحکم چھاؤنی قائم کی چنانچہ ایک عرصہ دراز گزرا جب کہ زار بادشاہ روس کل زمانہ تھا تو افغان انگریزی اور روسی سرحدوں کے معاملات کو طے کرنے کے لئے اسی مقام پر ایک کانفرنس ہوئی تھی جس میں روسی، انگریزی، اور افغانی نمائندے شریک ہوئے تھے اور سرحدوں کی حد بندی کے معاملات کو طے کرنے کے لئے

یہاں بہت دنوں تک ٹھہرے تھے اور مختلف نقشے وغیرہ بنائے گئے تھے۔ اور پھر ہر ملک کی حد پر بطور نشان مختلف مینار تعمیر کئے گئے تھے۔

لیکن صربندی کے چند دنوں کے بعد ہی مرغاب کے لوگوں نے روس کے خلاف بغاوت کی اور "قرل رباط" چھاؤنی کو بریاد کر دیا، اور روسی لوگوں نے بھاگ کر انگریزی علاقہ میں پناہ لی۔

"منزل پنجہ میں ایک شخص محمد عمر رہتا ہے جس کی عمر کہتے ہیں ایک سو بیس سال ہے۔ وہ اب تک لاٹھی ٹیک کر چلتا ہے۔ اُس کی بیانی کم ہے اور حواس بھی مہطل ہو چکے ہیں اور کثرتِ عمر کی وجہ سے اُس کے کان سے سنائی بھی کم دیتا ہے۔ یہ شخص ان اطراف میں سب سے زیادہ معمر ہے۔

اس سے سوال کیا گیا کہ کیوں جناب! آپ کی عمر کتنی ہوگی؟ تو اس نے جواب دیا کہ میں اتنا معمر ہوں کہ حساب لگا کر بھی اپنی عمر کا تخمینہ نہیں بتا سکتا۔ ہاں اتنا مجھے یاد ہے کہ میرے کوہن بیگ قلعہ کے علاقہ سے فوج لیکر بڑھا تھا اور واخان پر قابض ہو گیا تھا۔ واخان کا بادشاہ بھاگ کر چترال چلا گیا تھا لیکن میرے کوہن بیگ نے چترال تک اُس کا پیچھا کیا تھا لیکن جب بڑے میاں سے میرے کوہن بیگ کے متعلق تفصیلات پوچھی گئیں تو بڑے میاں نے انکار کر دیا۔ لیکن ایک دوسرے شخص میرے سر بلند خان کا جس کی عمر ۶۰ سال کی ہے بیان ہے کہ میں

نے اپنے باپ سے سنا تھا کہ میرا بڑا بھائی کسر بلند خان کا چچا محمد رحیم خان واخان کا میرا درحاکم کلاں تھا۔ اور کوہن بیگ کا بھائی محمد علی بیگ قلعہ سے آکر بدخشان کے تمام علاقہ پر قابض ہو گیا۔ لیکن جب وہ واخان کی طرف بڑھا تو محمد رحیم خان نے قلعہ بند کر لیا اور اس ترکیب سے لڑا کہ محمد علی بیگ کو شکست ہوئی۔ اس کی فوج بھاگ کھڑی ہوئی اور وہ جان سے مارا گیا۔

کوہن بیگ کو جب بھائی کی موت اور شکست کی خبر ملی تو وہ انتقام لینے کے لئے بڑھا اور ایک جہاز فوج لے کر واخان پر حملہ آور ہوا۔ محمد ابراہیم خان چترال کی طرف بھاگ گیا۔ لیکن کوہن تعاقب کرتا ہوا چترال پہنچا۔ اُس زمانہ میں مہتر چترال امان الملک کے والد تھے۔ انہوں نے کوہن کی خوب خاطر دو توضع کی لیکن محمد رحیم خان کو دوسری طرف سے نکال دیا، اور کوہن بیگ سے کہا کہ وہ یہاں آیا ہی نہیں ورنہ ضرور حوالہ کر دیا جاتا۔ دوسری طرف مہتر چترال نے حکمت کی کہ کوہن بیگ کے ایک مہتمد کو روپیہ اور جواہرات کا لالچ دیکر کوہن کے قتل پر آمادہ کر لیا۔

ایک دن جب کوہن بیگ پہاڑ کی چوٹی سے دریا کا منظر دیکھ رہا تھا تو اُس مہتمد نے موقع کو غنیمت سمجھ کر زور سے دھتکارے دیا۔ نیچے دریا تھا۔ کوہن بیگ پہاڑ سے لڑھکتا ہوا دریا میں گرا اور مر گیا۔ اس کی فوج کو چترال

میں پڑی ہوئی تھی جب اس کے مرنے کی خبر پہنچی تو وہ بھاگ کھڑی ہوئی۔ میر محمد رحیم بیگ کے لئے میدان صاف تھا فوراً واخان کے میر بن گئے۔ لیکن جب کوہکن بیگ کے بھائی کو اس سازش اور بھائی کی موت کی خبر پہنچی تو وہ بہت بگڑا اور پہلے بخشان کا میر بنا اور سب حریفوں کو زیر کرنے کے بعد پھر محمد رحیم بیگ کو بھی مطیع کرنا چاہا۔ لیکن رحیم بیگ نے اس کی اطاعت قبول نہ کی۔ اسی اثنا میں کوہکن کے بیٹے نے میر محمد بیگ کو قتل کر دیا۔ رحیم بیگ کے بعد میرا (سر ملند خاں کا) والد فتح علی خان واخان کی میری کی گدی پر بیٹھا کیونکہ وہ محمد رحیم بیگ کا چھوٹا بھائی تھا۔

خلاصہ یہ کہ زمانہ سابق میں پامیرات وغیرہ کے لوگ واخان کے میروں کے ماتحت تھے۔ چنانچہ اب تک ان علاقوں میں میر جان خان اور میر فتح علی خان کی یاد تازہ ہے کیونکہ یہ لوگ ظالم نہ تھے اور بجائے نقد روپیہ وصول کرنے کے روغن، بھیڑ، بکری، گھوڑا، باز، یا بو، کنیزیں اور غلام مالیکہ کے عوض وصول کرتے تھے۔ لیکن یہ بھی بہت بُرا دور تھا بلکہ جوان اور منتخب لڑکیاں اور خوبصورت لڑکے مالیکہ میں دیے جاتے تھے اور پھر اس کے بعد ایک دور ایسا بھی آیا جبکہ چترال اور یاعغان کے لوگوں نے پامیرات اور واخان کے لوگوں کو شیخ مار مار کر پریشان کر رکھا تھا۔ اور ان کی ساری پوہنجی ان ڈاکوؤں نے لوٹ لی تھی۔ یہ ڈاکو مسلسل ایسا کرتے رہے

کہ اس علاقہ کے لوگوں کے میوٹی چڑا لے گئے۔ لڑکیاں اور بچے اور جوان جوان عورتیں جبراً چھین لیں اور لے گئے۔ ان تمام مصیبتوں اور میروں کی خانہ جنگیوں اور ڈاکوؤں کی شورشوں کی وجہ سے یہاں کے لوگ سخت پریشان تھے۔ کہ حضرت ضیاء الملت والدین امیر عبدالرحمن مرحوم نے بدخشان اور قلعن پر قبضہ کر لیا۔ اور ہر طرح کا امن ہر طرف قائم کر دیا۔ جب سے بدخشان اور قلعن کا علاقہ افغانستان کا ایک صوبہ قرار پایا ہے اُس وقت سے امن و امان اور آسودہ حالی ہر طرف نظر آتی ہے۔ اور ہر شخص چین سے زندگی بسر کرتا ہے۔

قلعہ سنگی

متصل ہی پہاڑ پر ہے۔ یہاں پتھر کا ایک بہت ہی پُرانا قلعہ ہے جس کے نام پر یہ مقام مشہور ہو گیا ہے۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ قلعہ کب تعمیر کیا گیا تھا۔

بوڑھے لوگوں سے بھی جب اس کے متعلق سوال کیا گیا تو وہ بھی کچھ نہ بتا سکے بلکہ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ ہمارے باپ کو بھی اس کے متعلق کچھ معلوم نہ تھا۔

بہر حال اتنا یہ جلتا ہے کہ یہ قلعہ بہت پُرانا ہے اور کافروں کے وقت کا ہے۔ مشہور ہے کہ اس پہاڑ کے کسی حصہ میں لعل کی کان بھی ہے۔ لیکن ابھی اس کی تحقیق نہیں ہوئی ہے۔

واخانی زبان | واخان اور پامیرات کے ان سب



علاقوں میں ایک خاص زبان بولی جاتی ہے۔ جو فارسی، ترکی وغیرہ سے مرکب معلوم ہوتی ہے۔ یہاں کے باشندے اس زبان میں شاعری بھی کرتے ہیں اور اکثر لکڑی کے ”رباب نما“ باجہ پڑا خانی اشعار اور نغمات کو چلتے پھرتے یا کسی تقریب میں جھوم جھوم کر گاتے ہیں۔

شغنان دوسرے درجہ کی علاقہ داری ہے۔ اور قافلاً و پامیرات سے ملتی ہے۔ آبادی دامن کوہ میں واقع ہے۔ شغنان کے بعض دیہات انتہائی پستی میں ہیں۔ اور بعض بلندی پر واقع ہیں۔

شغنان ایک درہ ہے جس کی لمبائی ۲۰ کوس ہے شمال و جنوب کی طرف دریائے آمو بہہ رہا ہے۔ ہوا بہت سرد ہے اور برف باری بے انتہا ہوتی ہے۔ کھیتی باڑی بھی بہت کم ہے۔ لوگوں کا رنگ گورا ہے۔ فارسی سے ملی جلی ایک خاص زبان بولتے ہیں۔ عام مذہب آغا خانی ہے۔ نماز کی پابندی مطلق نہیں ہے۔ زیباک اور واخان کے آغا خانوں کی طرح شیعہ ہیں۔ اور اپنے نائب اور اپنے رہبر اعظم آغا خان کی جان و دل سے عزت کرتے ہیں۔ اور اپنی آمدنی کا دسواں حصہ ہر سال آغا خان کو بھیجتے ہیں۔

شغنان قدیم زمانہ میں بہت وسیع مقام تھا، اور آبادی بھی بہت زیادہ تھی، اور دریائے آمو یہ شغنان کے تمام حصوں میں بہتا تھا۔ شاخ درہ، درہ غند، اور یارتنگ

مقامات سب شغنان میں شامل تھے، اور حکومت افغانستان کے قبضہ میں تھے لیکن جب افغانستان اور روس کی سرحدوں کی حد بندی ہوئی تو تصفیہ میں وہ تینوں درے جو دریائے آمو یہ کے اُس پار میں روس کے حصہ میں چلے گئے۔ گویا شغنان افغانی اور روسی حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ چنانچہ اب افغانی شغنان کی آبادی ۶۰۰۰۰ ہے، اور اس سے زیادہ آبادی روسی شغنان کی ہے۔

زراعت اگیہوں، جو، باقلا، مشنگ، اور کلوں عام پیداوار ہے۔ زمین سے بہت کم غلہ پیدا ہوتا ہے، اور یہ پورے سال کی خوراک کے لئے کافی نہیں ہوتا۔

میوے میوے البتہ کافی پائے جاتے ہیں۔ توت، زردلو سیب، ناک، شفاکو، چار مغز وغیرہ بہت ہیں۔

صنعت جڑاب، دستانے، اور برک گڈی بکری کے بالوں سے بنائے جاتے ہیں۔ اور پلاس و حکین وغیرہ بھیڑ کے اُون اور کبھی بکریوں کے بال سے بناتے ہیں۔ یہ سامان خود استعمال کرنے کے لئے تیار کرتے ہیں لیکن جب ضرورت سے زیادہ ہوتا ہے تو فروخت کر دیتے ہیں۔

خوراک یہاں کے لوگوں کی خوراک انتہائی خراب ہے۔ عام طور پر لوبیہ کے دانے پکا کر کھاتے ہیں۔ لوبیہ کی ٹھیکیا بے نمک ذیل و مرچ کے محض پانی میں اُلی ہوئی اور یا نمک ڈال کر یہاں کی عام خوراک ہے۔ جو، جوار یا گیہوں کی دٹی

کبھی کبھی انتہائی لذیذ اور قیمتی کھانے کی طرح مل جاتی ہے۔ سال کا زیادہ حصہ تو یہیہ کے دانوں، (باقلمہ) کو کھاتے ہوئے بسر کرتے ہیں۔

ابتداءً موسم بہار میں جبکہ غلہ بالکل نہیں رہتا تو ان لوگوں کی خوراک اور بھی قابلِ رحم ہو جاتی ہے۔ بہار کے دنوں میں جنگلی پتوں اور میوؤں پر ہی یہاں کے لوگ گزارہ کرتے ہیں۔

پوشاک | مالدار لوگ ململ کے صاف اور لٹگیاں سروں پر باندھتے ہیں اور موزہ پہنتے ہیں۔ اور غریب لوگ لکڑی کی کھڑاؤں پہنتے ہیں۔ اور کھڑاؤں پہنے پہنے ہی بڑی لمبی لمبی مسافیتیں طے کرتے ہیں۔ اور جو کپڑا بنے ہیں وہی پہنتے ہیں۔

رسوم و عادات | شغنان کے لوگوں میں ایک خاص رسم پائی جاتی ہے جو افغانستان کے کسی حصہ میں نہیں ہے اور وہ یہ کہ جب ان کے دیہات یا ان کے موضع میں کوئی پیر خلیفہ، حاکم آتا ہے تو یہ لوگ اُس کا استقبال بہت شان سے کرتے ہیں۔ اور اس دیہات کی حسین اور خوبصورت عورتیں اور لڑکیاں خوب آراستہ پیراستہ ہو کر جوق درجوق گلیوں میں اور اپنے مکانوں میں اور مکانوں کی چھتوں پر دن بجاتی ہیں۔ ناچی کودتی ہیں۔ اور آنے والے مہمان کی خدمت میں اپنی خوشی کا نذرانہ پیش کرتی ہیں۔

یہاں کے لوگ غزنیس گانے اور اشعار پڑھتے، محفلیں رچانے اور رباب و چنگ اور طنبورہ و دف بجانے کے

بمجد شوقین ہیں۔ یہاں کے لوگوں کو غمزہ پینے اور تریاک کھانے (منشی چیزیں ہیں) کی لت ہے۔ تیس فی صدی عورت و مرد اس میں مبتلا ہیں۔ اسی وجہ سے ان لوگوں میں بہت سی بد اخلاقیات ہو گئی ہیں جب عورتوں کے پاس غمزہ یا تریاک نہیں ہوتا تو وہ عصمت فروشی تک پر آمادہ ہو جاتی ہیں اور مرد اپنی لڑکیوں اور بہنوں کو تریاک اور غمزہ کے عوض میں فروخت کر دیتے ہیں۔ یہاں اگر کوئی بیمار پڑے تو طبیب ملنا مشکل ہے۔ بڑھیا عورتیں ہی جو کچھ کہیں وہی علاج ہے۔

اسلمہ | شغنان کے لوگوں کے پاس سیروں کے زمانے میں کثرت سے بندوقیں تھیں۔ لیکن حکومت افغانستان کے ابتدائی دور میں یہاں کے باشندوں نے بغاوت کی تھی جس کی تعزیر کے طور پر ان لوگوں سے ساری بندوقیں تلواریں، اور براق ضبط کر لی گئی تھیں چنانچہ اب تک ان لوگوں کے پاس ۳۰ - ۴۰ شکاری بندوقوں کے سوا کوئی ہتھیار نہیں ہے۔

نہر اور آبادی کے نشات | شغنان کے قریب بہت اُوپر میں آبادی اور نہر اور نہر کے نشان ملتے ہیں۔ یہ نہر شغنان کے دریا سے نکالی گئی تھی جو کہ تھوڑے فاصلہ پر بہتا ہے۔ نہر کے کنارے ایک بڑے پتھر پر اس آبادی اور اس نہر کی تاریخ لکھی ہوئی ہے۔ یہ نہر ۱۳۰۰ھ میں میر محمود شاہ نے بنوائی تھی لیکن اب اس مقام پر کوئی آبادی نہیں ہے اور نہر بھی دیر

ہوئی ہے۔

مولیشی شغنان کے لوگ مولیشی بہت پالتے ہیں۔ کیونکہ یہی ان کی سب سے بڑی زمینداری ہے۔ مولیشیوں کے لئے چارہ فراہم کرنے اور اس کو محفوظ رکھنے میں بڑی تکلیفیں برداشت کرتے ہیں۔ کیونکہ سردی اور بر فباری بہت ہوتی ہے، اور اگر چارہ ختم یا خراب ہو جائے تو مولیشیوں کی زندگی کی صورت کوئی نہ رہے۔ اس لئے یہ لوگ گرمیوں میں جانوروں کے لئے زیادہ سے زیادہ چارہ فراہم کرتے ہیں اور پھر اس کو انتہائی احتیاط سے محفوظ رکھتے ہیں۔ میدانوں میں کھلیان کی قسم کے مکانات بناتے ہیں۔ وہ اتنے مضبوط اور مستحکم ہوتے ہیں کہ ان کو بر فباری اور شدید سردی سے نقصان نہیں پہنچتا۔

شغنان کی منزلیں شغنان سے او بر تک ۳

کوس کی مسافت ہے اور شغنان ۸۰۰ فیٹ بلند ہے اور او بر سے رباط تک دو منزلیں ہیں، اور رباط تک سے تاتاج تک ۳ منزلیں ہیں۔ اور تاتاج سے مرود علاقہ درواز تک ۵ منزلیں ہیں۔ رو شغنان میں ۱۴ دیہات ہیں اور افغانی شغنان میں اکیس دیہات ہیں۔

غند، شاخدرہ، یارتنگ یہ مقامات درے ہیں اور قریب قریب واقع ہیں۔ شاخدرہ اور غند سے

پامیر خورد کا راستہ منزلوں کا ہے۔ درہ شاخ کے راستے میں موسم سرما میں برف کم پڑتی ہے اور غند کا راستہ گرمیوں کے سفر کے لئے مناسب ہے۔ ان دونوں مقامات پر پہاڑوں سے جو پانی بہتا ہوا آتا ہے وہ آگے جا کر موضع خارق میں (روسی جھاؤنی کا مقام ہے اور روسی حد میں ہے) دریائے آمویہ سے ملتا ہے۔ درہ یارتنگ کے مقام پر حوض اعظم کا پانی بہتا ہوا آتا ہے اور دریائے آمویہ میں ملتا ہے۔

”حوض اعظم“ کے متعلق اس طرف یہ روایت مشہور ہے کہ آج سے چھ سال پہلے اس حصہ میں ایک مہلک زلزلہ آیا تھا اور اس سبب کے کنا سے پہاڑ کے دامن میں دریا بہتا تھا۔ زلزلہ سے پہاڑ کا ایک حصہ دریا میں گر گیا۔

اور اس کی شکل ایک عظیم انسان حوض کی ہو گئی

یہاں کے لوگ زلزلہ کے بعد بھاگ گئے کیونکہ ان کے مکانات تہہ آہ ہو گئے تھے اور ان کے مولیشی ڈوب گئے تھے۔ یہ حوض عظیم جگہ جھیل کہنا بیجانہ ہو گا۔ ۳۰۔۴۰ کوس کے حلقہ میں اقصیٰ ہے۔ ایک جگہ پر پانی نہ جمع رہتے رہتے کسی حصہ میں سوراخ کر لیا ہے جہاں پانی بہہ بہہ کر دریا آمویہ میں گرتا ہے اور اس تالاب میں بڑا جوشیل کا پانی اکٹھا ہوتا ہے۔ شاخ درہ کے ماتحت ۲۰ گاؤں ہیں اور در غند کے ماتحت ۴ گاؤں ہیں اور درہ یارتنگ کے ماتحت ۱۹ گاؤں ہیں۔

سر شخ ۸۸۵۰ فیٹ بلند ہے۔ بہت وسیع

نرغیز اور زرت کی پیداوار کے لئے مشہور مقام ہے۔
سرخ کے اطراف میں دو عجیب و غریب چشمے
ہیں۔ ایک کا پانی گرم ہے اور چشمے نکلنے کے چند قدم
بعد زرد و سفید پتھر کی طرح سخت ہو جاتا ہے۔ کچھ حصہ زرد
پتھر بن جاتا ہے اور کچھ سفید پتھر۔ دوسرے چشمے کا پانی
بھی گرم ہے۔ یہ بھی ٹھوڑی دور بنے کے بعد فیروزہ کی
طرح جم جاتا ہے۔

مزے میں دونوں چشموں کا پانی سوڈے کی طرح
ہے۔ ان چشموں کے ارد گرد سبز گھاس اُگی ہوتی ہے۔
اور ان چشموں کے قریب پہاڑ کی بلندی سے نہایت
صاف و شفاف پانی کی ایک بہت ہی خوبصورت
اور دل آویز آبشار گرتی ہے جس کا منظر بہت خوشنما
ہے اور ہر دیکھنے والے کے دل کو لہجھا لیتا ہے۔ اشکاشم
سے شغنان آنے کے لئے پہلی منزل یہی سرخ ہے۔

انداج | ۸۶۵۰ فیٹ بلز ہے اور سرخ سے ۹ کوس
کے فاصلہ پر ہے۔ زمین کاشت کے قابل ہے۔ سیاہ خا
زرشک، یخن اور بید کے بے شمار درخت ہیں اور یہ مقام
اشکاشم و شغنان کی دوسری منزل ہے۔

بدار | انداج سے دس کوس پر ہے اور ۸۰۲۰ فیٹ
بلند ہے۔ راستہ دشوار گزار اور بچھریا ہے۔ راستہ میں
چراگا ہیں بہت ہیں اور بید، سیاہ خا، زرشک، یخن اور

جنگلی گلاب کے بے شمار درخت بھی ہیں۔ یہاں آبادی
تاجک قبائل کی ہے۔ شگ اور باقلہ نام پیداوار ہے۔
حضرت شیخ بید کا مزار بدار کے ایک قریب میں ہے
جو بہت ہی خوبصورت جگہ ہے اور جہاں ہر قسم کے میوے
کی افزائش ہے۔ تاک، سیب، اور غرغر کے درخت خصوصیت
سے بہت ہیں۔ حضرت بید کی زیارت پر ایک عظیم الشان
بید کا بہت ہی پرانا درخت لگا ہوا ہے جس کی بڑی بڑی
اور گھن دار شاخیں ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں۔ گاؤں والوں
نے بزرگ کا نام ہی بید رکھ دیا ہے اور اس گاؤں کو بید
اور بید سے شہرت دیدی ہے۔

مزار بید گاؤں کے سامنے ایک اور گاؤں ہے
جس کا نام کوہ لعل ہے۔ کہتے ہیں کہ اس پہاڑی میں
قیمتی لعلوں کی ایک کان ہے۔ بدار کے قریب دریا کے
پار کا حصہ روسی علاقہ میں شمار کیا جاتا ہے۔

بدار اشکاشم و شغنان کی تیسری منزل ہے۔
درماخت | اس کا دوسرا نام درمارغ بھی ہے۔ بدار

سے چار کوس پر واقع ہے اور ۷۲۰۰ فیٹ بلند ہے۔ یہاں
کے لوگ بہت خراب اور گندے کپڑے پہنتے ہیں اور بہت خراب
کھانا کھاتے ہیں، یہ اشکاشم و شغنان کے راستہ کی چوتھی منزل ہے۔

اوریشغنان | درماخت سے ۱۱ کوس پر واقع ہے۔
اور ۱۰۰۰ فیٹ بلند ہے۔ راستہ بے حد بچھریا ہے۔

اور مارا سب کا مقام جو راستہ میں پڑتا ہے جس کی بلندی ۱۷۸۰ ہے اور بھی دشوار گزار ہے۔ اس موضع کی دھڑکی

جانب روسی علاقہ ہے۔ جہاں ان کی چھاؤنی بھی ہے۔

یہ مقام شغنان تک پہنچنے کے لئے پانچویں اور آخری منزل ہے کیونکہ یہاں سے تین کوس پر شغنان کی حکومت کا مرکزی مقام یارہ درہ ہے اور یارہ درہ سے تین کوس کے فاصلہ پر پسہ مقام ہے جو ۸۸۰ فیت بلند ہے اور جس کے راستہ میں نشیب و فراز بہت ہے۔

حد آبکدرہ یہ مقام ۱۰۵۰ فیت بلند ہے اور پسہ سے چھ کوس پر واقع ہے۔ حد آبکدرہ کے راستہ میں ایک گاؤں غارچین نام کا آتا ہے جو بہت بلند مقام ہے اس کو طے کرنے کے بعد ایک نہایت ہی وسیع و عریض اور گہرا حوض ملتا ہے جس میں پانی بے انتہا ہے، اور بہت صاف ہے، اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس میں پانی کہاں سے آتا ہے۔ یہ مقام بہت ہی سرد ہے۔ اور اکثر بیاں طوفان بادرتا ہے۔

نخچیر پور اور دو آب شیوہ نخچیر آبکدرہ سے چھ کوس پر واقع ہے اور ۱۲۰۰ فیت بلند ہے۔ اس کا راستہ صاف اور اچھا ہے۔

یہاں سے آٹھ کوس کے فاصلہ پر دو آب شیوہ مقام ہے جو ۲۵۰ فیت بلند ہے۔ یہاں شغنان کے لوگوں کی

آبادی ہے۔ زمین وسیع ہے اور غلہ خیز ہے۔

تاریخ شغنان شغنان کی پرانی تاریخ کے متعلق کچھ صحیح

حالات معلوم نہیں ہو سکے پورے دو کوس سے دریافت کرنے

سے معلوم ہوا ہے کہ قدیم زمانہ میں میر شاہ دُبُحی شغنان کا

بادشاہ تھا جس کی حکومت کی وسعت بدخشان اور چترال

تک تھی۔ جب یہ مر گیا تو اس کا بیٹا قباد خان اس کی جگہ بیٹھا

جب یہ بھی مر گیا تو اس کے بعد اس کا بیٹا تخت حکومت

پر بیٹھا، اور اسی طرح کئی نسلوں کے بعد شیر محمد خان شغنان

کا امیر اور حاکم کلاں ہوا۔ اس کی وفات کے بعد اس کے

چھوٹے بھائی یوسف علی شاہ نے زمام حکومت اپنے ہاتھ

میں لی۔ اُس زمانہ میں حضرت میر شیر علی خان تاجدار

افغانستان نے بدخشان کی فتح کے لئے محمد عالم خان کو قمر

فرمایا جس نے بدخشان کو فتح کر کے یوسف علی شاہ کے

باس ایک خط لکھا کہ تم فوراً بادشاہ اسلام کی اطاعت

کرو۔ یوسف علی شاہ بہت ہوشیار آدمی تھا وہ محمد عالم

خان کی طاقت سے واقف تھا۔ اس لئے وہ محمد عالم خان

سے ہمانہ کر کے خود تو ملنے نہ گیا لیکن اپنے لڑکے میر محمد قباد

کو چند آدمیوں کے ہمراہ بھیجا اور ساتھ میں بہت سے تحفے

گھوڑے، اونٹ، باز، اجناس، غلام اور کینز بھی

ردانہ کیں۔ محمد عالم خان میر قباد کے ساتھ بہت مہربانی

سے پیش آیا اور اُس نے سب تحفے قبول کر لئے۔ لیکن

غلاموں اور کنیزوں کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ کہا کہ اسلام میں ہر شخص جو مومن اور مسلم ہو بالکل برابر ہے نہ کوئی غلام یا اونہ کوئی کنیز ہے۔ اور نہ کسی کو حق حاصل ہے کہ مسلمانوں کو غلام بنائے۔

محمد عالم خان نے میر قباد اور اُس کے ساتھیوں کو خلعت بھی دیے۔ اور یوسف علی شاہ کے پاس بھی خلعت بھیجا اور شغنان کا علاقہ اُنہی کے سپرد کر دیا۔ اس طریقے سے امیر شیر علی خان کے عہد میں یوسف علی نے سات سال حکومت کی لیکن یوسف علی اپنی حرکتوں سے باز نہیں آیا وہ بہت ظالم اور عیاش تھا۔ لوگوں کو خواہ مخواہ قتل کرتا تھا اور زبردستی مکانوں سے خوبصورت عورتوں اور جوان لڑکیوں اور حسین لڑکوں کو اٹھالیتا تھا۔ لوگ اُس کے ظلم سے بہت تنگ آ گئے تھے اور اُس کے تشدد کا یہ حال تھا کہ کسی میں یہ کہنے کی جرأت نہ تھی کہ کیوں عسیت کا مال لوٹتے ہو۔ اور کیوں رعایا کی لڑکیوں اور عورتوں کی عصمت یزئی کرتے ہو۔

لیکن جب امیر کبیر عبدالرحمن خان ضیاء الممالک والدین کا عہد حکومت آیا تو انہوں نے عبداللہ خان کو بدخشان کی تنظیم و اصلاح کے لئے روانہ کیا اور یوسف علی عبداللہ خان کے آنے کی خبر ہوئی تو اُس نے وہی چال چلی یعنی یہ کہ اپنے بیٹے قباد خان کو عبداللہ خان کی خدمت

میں بھیجا اور ساتھ میں غلام اور لونڈیاں اور اجناس اور دیگر تحائف بھی روانہ کئے اور اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔ سر اُ عبداللہ اس فریب میں آ گیا اور تحفے قبول کر لئے۔ اور شغنان کا علاقہ اس کو واپس کر دیا۔ اس طریقے سے یوسف علی نے پھر تین سال تک ضیاء الممالک کے دور میں حکومت کی لیکن جب شغنان کے باشندے یوسف علی کے انتہائی ظلم سے تنگ آ گئے تو انہوں نے فریاد بلند کیا۔ دارالشاہ میر خیل جو ایک بہادر آدمی تھا وہ بھی یوسف علی کا مخالف ہو گیا۔ اس اثنا میں عبداللہ خان نے کرنل پیر دل خان کو شغنان روانہ کیا اور اُس کو منظر دیا کہ یوسف علی کو دیکھو۔ خطیں یوسف علی کو عبداللہ خان نے فیض آباد میں بلایا تھا۔ جب کرنل یہاں آیا تو یوسف علی مجبور ہو کر فیض آباد چلنے پر راضی ہو گیا کیونکہ اُسے خوف تھا کہ دارالشاہ رعایا کی طرف سے کرنل کی خدمت میں فریاد کرے گا۔ اور کرنل اس کو گرفتار کر لے گا۔

یوسف علی اپنے جرائم کی وجہ سے خوفزدہ تھا۔ اس لئے اُس نے اپنے اہل و عیال کسی بہانہ سے بارتنگ بھیج دیے جب یوسف علی فیض آباد پہنچا تو دارالشاہ مع تین چار سو فریادیوں کے عبداللہ خان کی خدمت میں حاضر ہوا، اور یوسف علی کے ظلم کی فہرست سنائی اور وہ خفیہ خط بھیجے جو یوسف علی نے بطور سازش روسیوں کو بھیجے تھے عبداللہ

نے اس کی تحقیقات کی اور شغنان کی میری سے علیحدہ کر دیا اور یوسف علی کو اس کے اہل و عیال سمیت کابل روانہ کر دیا۔ یوسف علی کو معزول کر دینے اور جلاوطن کر دینے کے بعد کرنل عبداللہ خان نے گلزار خان کو شغنان کا حاکم بنایا اس نے ہر دلعزیزی کے ساتھ دو سال تک حکومت کی۔ لیکن آخر میں ارکان حکومت نے گلزار خان کے خلاف ایک سازش کی اور اس کی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ سردیوں کا زمانہ تھا۔ برف باری کی وجہ سے ہر طرف راستہ بند تھا۔ اس لئے عبداللہ خان کو جلدی اس بغاوت کی خبر نہیں ملی لیکن جب ملی تو اس نے تین ماہرین جنگ کو زیباک اور غارآن کے راستہ سے شغنان روانہ کیا۔ فرخ شاہ جو باغیوں کا سردار تھا اور حکومت پر قبضہ کئے بیٹھا تھا۔ بہت گھبرایا اور فوراً ایک قاصد روانہ کیا جس میں عبداللہ خان سے معافی کی درخواست تھی۔ اس نے اپنی لڑکی بھی بطور ہدیہ روانہ کی۔ منظر شاہ باغیوں کا دوسرا سرغنہ تھا جو متوجہ پاتے ہی دروازہ کی طرف چلا گیا۔ اور وہاں کے لوگوں کو اپنا مطیع بنالیا۔ بادشاہی فوج کی آمد سے شغنان کے لوگ دروں میں چھپ گئے۔ گلزار خان جو ابھی تک باغیوں کے قبضہ میں مجبوس تھا رہا ہو گیا۔ شاہی فوج کے سرداروں سید صادق شاہ، جنرل سید آل خان، اور سید عبدالرحیم خان

تھے۔ انہوں نے لوگوں کو امان دی اور کسی کو نقصان نہ پہنچایا ان لوگوں نے فرخ شاہ کی لڑکی بھی عبداللہ خان کے حوالہ کر دی جس نے اس لڑکی سے عقد کر لیا۔

اسی اثناء میں ایک شخص عیسے خان نے طاقت پکڑی اور شغنان پر قبضہ کر لیا۔ لیکن وہ بھی اطمینان سے نہیں بیٹھا تھا کہ شغنان کے لوگوں نے سید اکبر کو جو یوسف علی کا بھائی تھا پھر سخت پرہنچا دیا۔ سید اکبر جو بخارا میں تھا جب بادشاہ بنا تو اس نے شاہی خزانہ کو برباد کر دیا۔ اور غلہ کے سرکاری گودام کو جس میں کئی سو من غلہ تھا لوٹ لیا۔ اور ان لوگوں کو سخت تکلیفیں دیں جو اس کے بھائی کے زمانے میں ناخوش تھے۔ ان کی لڑکیوں، بہنوں اور عورتوں کو غائب کر دیا۔ اور بہت سے لوگوں کو قتل بھی کر دیا۔

ان حالات کو دیکھ کر شاہ افغانستان نے جنرل شاہ خان کو بدخشاں روانہ کیا۔ اکبر شاہ کو جب جنرل اور شاہی افواج کے آنے کا علم ہوا تو بہت گھبرایا۔ کیونکہ اس نے بدخشاں کے لوگوں پر بہت ظلم کیا تھا۔

اکبر شاہ نے جنرل کی خدمت میں اطاعت کا اظہار کیا لیکن جنرل نے ایک مجلس میں بدخشاں و شغنان کے سرداروں کو جمع ہونے کا اعلان کیا۔ لیکن کوئی بھی اس ڈر سے نہ آیا کہ سب نے فتح محمد خان کی گرفتاری میں امداد دی تھی۔

مجبور ہو کر جنیل شخان آیا تو شخان کے لوگوں نے
بارتنگ مقام پر حرنیں سے جنگ کی اور شکست کھا کر
بھاگے۔ اور مقتول ہوئے۔ آخر جنیل شخان آیا اور لوگوں
کے ساتھ نرمی سے پیش آیا اور وہاں کے انتظامات
درست کر کے بدخشان چلا آیا۔ عبداللہ خان کو شخان کا
حاکم مقرر کیا جس نے چار سال تک انتظام کے ساتھ
حکومت کی۔ اس کے بعد داراب شاہ شخان کا حاکم
مقرر ہوا جس نے بعد کو بحیثیت نائندہ افغانستان
روسی افغانی سرحد کی کمیٹی میں شرکت کی اور معاملات
سرحد پر افغانستان کی طرف سے دیکھے گئے۔ انصافیہ
میں شخان، روشان وغیرہ کا کچھ حصہ روس کے قبضہ
میں چلا گیا۔

غرض یہ کہ اس انتظام کے بعد سے اب تک
شخان وغیرہ تمام علاقوں میں امن و امان ہے اور لوگ
ادشاہ کابل کی ماتحتی میں رہنے سے خوش ہیں۔

حکومت کابل کی طرف سے شخان کا حاکم مقرر
ہوتا ہے جو رعایا کی بیہودی کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتا ہے
شخان کے حاکم چند سال کے بعد بدل جاتے ہیں۔

دروازہ درجہ دوم کی حکومت ہے۔ اور قدیم زمانہ میں
بنجارا سے تعلق تھا لیکن جب افغانی، روسی اور انگریزی
سرحدوں کے معاملات طے ہوئے اور سرحدوں کی بندی

ہوئی تو دریا کے اس پار کا سب حصہ افغانستان میں شامل
ہو گیا۔ اور دریا کے اُس پار کا سب حصہ روس میں شامل
کر دیا گیا۔ دروازہ کے بعض دیہات لب دریا واقع ہیں
اور بعض پہاڑوں کے دروں پر ہیں۔ اور بعض پہاڑوں
کے دامن میں ہیں۔

عام زبان فارسی ہے۔ تاجک قبیلہ کے لوگ
آباد ہیں۔ اور بعض دیہاتوں میں آغا خانی جماعت کے
لوگ بھی ہیں۔ لوگوں کا رنگ گورا ہے۔ دروازہ کے کئی
دیہات سائیں ہیں جن میں سے ۷ دیہات شیخہ
سے آباد ہیں۔ اور ۵ دیہات ایسے ہیں جس میں شیعہ
سنی حضرات کی ملی جلی آبادی ہے۔ کل آبادی ۲۰ ہزار
ہے۔ مکانات ایک سرائے کی طرح معلوم ہوتے ہیں۔
کیونکہ ایک مکان پورے خاندان کی رہتی ہوتا ہے اور سب
اہل خاندان نہایت یکجہنگت اور محبت سے ایک ساتھ
رہتے ہیں۔

زراعت عام پیداوار گیہوں، جو، ارزن، باقلا
اور شنگ ہے۔ اور بعض دیہاتوں میں روئی کی کاشت
بھی کی جاتی ہے۔ دروازہ کے علاقہ میں لمبی زمین زیادہ ہے
اور آبی زمین کم ہے۔ اس طرف کی لمبی زمینوں میں بجز
جو اور گیہوں کے کوئی دوسری جنس پیدا نہیں ہوتی۔
پہاڑوں کے دامن کی زمینیں بھی اکثر لمبی ہیں۔

میوے | توت، گیلان، شاہ قوت، زرد آلو، آلو بیا
سیب، ناک، شفتالو، انگور، خربوزہ، تربوز، انجیر
انار، اور بھی دروازے کے سب حصوں میں بکثرت پیدا
ہوتے ہیں۔

صنعت | پلاس اور کرباس۔ کپڑے بنائے جاتے
ہیں۔ برک بانی۔ اور الچہ بانی بھی یہاں کے لوگوں میں
راج ہے۔ کرباس اور الچہ عورتیں بناتی ہیں اور مرد
برک بناتے ہیں۔ عورتیں کپڑے۔ کے لئے ریشم اولوں
اور سوت خود ہی کاٹی ہیں۔ عام عورتیں پردہ نہیں
کرتیں لیکن سرداروں اور علماء اور سادات کے
گھرانوں میں عورتوں کے پردہ کی نگہداشت کیجاتی ہے۔
خوراک | عام لوگ باقلہ اور شنگ کی ترکاری کھاتے
ہیں لیکن جمعہ کی رات کو جیاگیوں کی روٹی ضرور کھاتے
ہیں۔ اور خواص لوگ شائستہ کھانا کھاتے ہیں۔

زمین اگرچہ لٹی ہے لیکن زراعت کے لئے بہت
اچھی ہے۔ مگر یہاں کے لوگ کابل واقع ہوئے ہیں۔
محنت نہیں کرتے اور اپنی پڑی ہوئی زمینوں کی کاشت
نہیں کرتے۔ دوسرے مقامات سے غلہ خریدتے ہیں،
اور اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ اور انشراقتہ کی ترکاری کھا کر
ہی زندگی بسر کر لیتے ہیں۔

جب کوئی مہمان آتا ہے تو امیر و غریب سب اپنی

ہمت سے زیادہ اس کی خاطر و مدارات پر صرف کرتے ہیں۔
پوشاک | اشخان کے باشندوں کے مقابلہ میں یہاں کے

لوگوں کا لباس اچھا ہے۔ عورت و مرد سب اچھا اور خوبصورت
لباس پہنتے ہیں۔ کرباس سفید، چکن، ململ کا عافہ اور
لنگیاں، موزے اور لکڑی کی کھڑاؤں عام لباس ہے۔
اسلحہ | بغاوت کی وجہ سے ان۔ ہتھیار ضبط کر لئے گئے
تھے۔ لیکن اب ان کے پاس فتنہ شمشیر کی ۳۔ ۴ سونڈیں
ہیں۔ یہ لوگ بندوقیں رکھنے کے شوقین ہیں۔

عادات | تریاک کھانے کی عادت دروازہ والوں میں
بھی پڑ گئی ہے لیکن ابھی شکرہ کشی اور تریاک خوری اشخان
دالوں کی حد تک نہیں پہنچی ہے۔

پیداوار | دروازے کے تمام حصوں میں پستہ اور بنہ خنج
کثرت سے پایا جاتا ہے۔ اور جنگلات میں ہرن سیاہ گوش
لومڑی، بھیڑیا، چیتا اور دوسرے جنگلی جانور کثرت سے
پائے جاتے ہیں۔

دریائے پنج کی ریگ بہت زردار ہے تحقیق سے
پتہ چلتا ہے کہ اس میں سونے کے ذرات بہت ہیں۔
لیکن باشندے ریگ سے سونا نکالنے کی کوشش نہیں
کرتے درنہ یقیناً وہ سونے کی ایک خاصی مقدار ریگ سے
حاصل کر سکتے ہیں۔ چنانچہ جو آدمی دریا سوکھ جانے کے بعد
سونا نکالنے کا کام کرتے ہیں وہ ہمیشہ چنے کے برابر ہوتے

کے دانے ریگ کھودنے اور تلاش کرنے سے حاصل کر لیتے ہیں۔ اور بعض لوگ اس کوشش میں مر بھی جاتے ہیں، کیونکہ ریگ کا گڑھا اول اول تری کی وجہ سے تو کھد جاتا ہے لیکن جب اس میں اتر کر سونا تلاش کیا جاتا ہے تو گڑھے کا ریت گر پڑتا ہے اور گڑھے کے اندر لوگ دب کر مر جاتے ہیں۔

کہتے ہیں دروازے پہاڑ میں سونے کی کان بھی ہے۔ اور اسی پہاڑ کے ایک حصہ میں ایک نہایت تنگ غار ہے جو ”کان فقرہ“ مشہور ہے۔ کہتے ہیں کہ قدیم زمانے میں یہ چاندی کی بہت بڑی کان تھی مگر سب چاندی نکال لی گئی اور اب اس میں سے نوشادر وغیرہ نکلتا ہے۔ اس کان کے پتھر اور اس کی مٹی بالکل سُرخ ہے۔ یا بالکل سفید۔ دروازے کے دوسرے علاقوں میں بھی مختلف رنگوں کی مٹی اور پتھر پائے جاتے ہیں۔ جن سے مکانات بنائے جاتے ہیں اور سبز، سیاہ، بھوری، سفید ٹیل سے دروازے کا بندے خوبصورت برتن بناتے ہیں۔ ایک عجیب و غریب چراغ | لیکن اس علاقہ میں

جو سب سے زیادہ عجیب و غریب چیز ہے وہ ”سنگ چراغ“ ہے۔ یہ پتھر بہت لمبا ہوتا ہے اور ان اطراف میں کثرت سے ہے۔ کوہ غمی میں تو اس کو حاصل کرنے میں کوئی دقت ہی نہیں ہوتی۔ معمولی تلاش سے مل جاتا ہے۔ اس پتھر کو تیل میں ڈبو

لیتے ہیں اور جب تیل اچھی طرح جذب ہو جاتا ہے تو اس کو روشن کر دیتے ہیں۔ اس میں چراغ کی روشنی ہوتی ہے اور کمال یہ ہے کہ ایک پتھر کا ٹکڑا سال بھر تک کام دیتا ہے۔ اسی لئے اس پتھر کا نام ”سنگ چراغ“ ہے۔

روشان سے دروازہ کا راستہ | اگر کوئی شخص روستان سے دروازہ آنا چاہے تو پہلے وہ ”خضاب“ میں پہنچے گا پھر وہاں سے قشلاق دروازہ کو ۶ کوس ہے وہاں سے غمی بھی ۶ کوس ہے۔ غمی سے جامرس تک ۶ کوس ہے۔ آگے بڑھ کر زینف دو کوس پر ملتا ہے۔ اور پھر چاشت تک او مانی ۶ کوس پر ہیں۔ پھر آگے اوغبن ۵ کوس ہے۔ اور اسی طرح دروازہ تک تمام منزلیں ۶۔ ۶ کوس پر ملتی ہیں دروازہ تک کل مسافت ۸۰ کوس ہے۔ یہ راستہ دروازہ جانے والوں کے لئے آسان ہے۔ ایک راستہ شتخان سے بھی دروازہ گیا ہے جس کی مسافت بھی اتنی ہی ہے۔ لیکن بہت دشوار گزار ہے۔ ایک راستہ فیض آباد سے بھی گیا ہے لیکن بعض بعض مقامات پر وہ بھی بہت مشکل ہو گیا ہے۔

دروازے فیض آباد کا راستہ | دروازے ایک راستہ بدخشان کے مرکزی مقام فیض آباد کو بھی گیا ہے۔ دروازے پہلی منزل ۴ کوس کے فاصلہ پر عاجوین ہے جس کی بلندی ۸۰۰۰ فٹ ہے۔ آگے بڑھ کر ”کول شتخان“

مقام ہے جس کی بلندی ۱۲۹۶۰ فٹ ہے۔ کوئل شخان سے ۶ کوس فاصلہ پر "کوئل" مقام آتا ہے۔ ۱۰۰۵۰ فٹ ہے کوئل سے ۶ کوس پر پنجیر پر مقام ہے جو ۱۳۰۰ فٹ بلند ہے اور یہاں سے آٹھ کوس پر آب شیوہ ہے جو ۱۲۰۰ فٹ بلند ہے۔ آگے جا کر ۱۲ کوس پر "چوچ" ہے جو ۵۲۵ فٹ بلند ہے۔ یہاں سے بہارک ۴۵۵۰ فٹ بلند ہے اور بہارک سے رباطک ۸ کوس فاصلہ پر ہے۔ اور رباطک سے فیض آباد ۷ کوس ہے۔ یہ تمام مقامات درواز اور فیض آباد کے راستہ کے لئے منزلیں ہیں۔

تایخ درواز | قدیم زمانے میں درواز کا حکمران شاہ محمود خان تھا جو کہ سکندر کی اولاد میں مشہور ہے جب امیر عبدالرحمن خان ضیاء الملکت والدین سمرقند تشریف لگئے تو آپ کے ساتھ جو ملازمین تھے۔ شاہ محمود نے ان کی بہت عزت کی اور امیر صاحب کو تحائف بھی دیے۔ کچھ دنوں کے بعد شاہ مظفر امیر بخارا نے درواز پر حملہ کیا اور شاہ محمود کو سخت شکست دی اور درواز پر قابض ہو گیا۔ شاہ محمود نے اپنے بھائی شاہ افضل کے سرخیلان بھاگ آیا اور یہاں سے امیر صاحب سے ملنے کے لئے سمرقند چلا گیا۔ اور امیر صاحب سے اپنے تعلقات مستحکم کر لئے جب امیر عبدالرحمن خان بارہ تخت کابل پر متمکن ہوئے تو شاہ محمود کو سرخیلان سے بلا بھیجا اور مصارف کے لئے ایک ہزار روپے بھی بھیج دیے جب

شاہ محمود کابل پہنچا تو حضرت ضیاء الملکت نے اس کی بہت خاطر مدارات کی اور کہا کہ اپنے اہل و عیال کو کچی کابل میں بلاؤ۔ چنانچہ حضرت ضیاء الملکت نے بارہ ہزار روپے براہ مزار شریف ایک آدمی کی معرفت روانہ کئے تاکہ شاہ محمود کے اہل و عیال واپس آسکیں مگر مزار شریف میں سردار محمد علی خان نے اس رقم کو ضبط کر لیا اور حضرت ضیاء الملکت کی حکومت سے بناوٹ کرنے کا اعلان کر دیا اور ترکستان کی افواج کو ساتھ لاکر کابل پر حملہ کرنے لگا لیکن اسکو بری شکست ہوئی اور بھاگ گیا حضرت ضیاء الملکت نے جب ترکستان کو لوٹ کر حالانے تو آپ نظام دست کیلئے ترکستان تشریف لائے اور جب آپ کو پتہ چلا کہ سردار محمد علی خان نے روپے ضبط کر لیا ہے تو آپ نے پھر بارہ ہزار روپے روانہ کئے۔ اس طرح شاہ محمود کے اہل و عیال اور بھائی وغیرہ کابل پہنچے جن کا وظیفہ حضرت ضیاء الملکت نے مقرر کر دیا تھا لیکن چند ہی سال کے بعد شاہ محمود اور اس کے بھائی کا انتقال ہو گیا اور شاہی وظیفہ عبداللہ خان سپر شاہ محمود کے نام جلدی کر دیا جب ضیاء الملکت درواز و ترکستان کے انتظامات سے فارغ ہوئے تو سردار محمد علی صاحبیوں کا مسئلہ سامنے آیا، انگریزی۔ روسی اور افغانی سرداروں کی حد بندیوں ہوئیں اور تصفیہ میں درواز کے دریا کے اس طرف کا تمام علاقہ حکومت افغانستان کو ملا۔ یہ وقت تھا جبکہ امیر بخارا درواز پر قبضہ جمانے ہوئے تھا جب اس نے سردار محمد علی

تصفیہ کا حال سنا تو اس نے دروازے کے حاکم میر صفیر علی کو معطل کر دیا۔ دوسری طرف جرنیل تاج محمد خاں کو حضرت ضیاء الملکت کی طرف سے یہ حکم ملا کہ تمام بدخشان پر قبضہ کر لیں۔ حکومت افغانستان کا علم لہرا دو اور دروازے پر قبضہ کر لو۔ جرنیل تاج محمد خاں نے اول اول دروازے کو گولوں کو ٹھنکھلا دیا اور اچھ خروانہ اور انعام و اکرام سے قابو میں کرنا چاہا۔ لیکن آخر میں اس نے بزورِ شمشیر دروازے پر قبضہ کر لیا۔ اور اپنی طرف سے دروازے میں حاکم مقرر کر دئے۔ اور ایک تھانہ بھی دروازے میں تعمیر کرایا تاکہ بخارا اور روس کے لوگوں کی پیش قدمی کو روکا جاسکے۔

شاہ بخارا کی حکومت سے قبل دروازے کی حکومت میر نصرت اللہ بیگ کے قبضہ میں تھی۔ اور امیر بخارا نے میر نصرت اللہ کے لئے نہایت کڑی نگرانی کر رکھی تھی میر صفیر علی حاکم دروازے ہمیشہ میر نصرت اللہ بیگ کی تاک میں رہتا تھا تاکہ موقع پا کر اس کو قتل کر دے اور میر نصرت اللہ بھی صفیر علی کے خوف کی وجہ سے دروازے سے باہر ہی باہر رہتا تھا لیکن اب جب اس نے دروازے پر امیر افغانستان کا قبضہ دیکھا تو وہ دروازے چلا آیا۔ لوگوں میں اس کا پہلے ہی سے بہت اثر تھا اور اس نے خفیہ خفیہ لوگوں میں بغاوت کا جذبہ پیدا کیا اور اپنی حکومت کی سازش شروع کر دی۔ ظاہر میں وہ باغی نہیں معلوم ہوتا تھا اور وہ ہر ایک سے امیر افغانستان

کی اطاعت کے لئے لڑتا تھا۔ اور دروازے کے حاکموں سے بھی تعلقات اچھے رکھتا تھا۔ لیکن درپردہ وہ اپنی حکومت کے جال بچھا رہا تھا۔ اس کی ان باغیانہ سرگرمیوں کی اطلاع جب جرنیل تاج محمد خاں کو پہنچی تو انہوں نے خفیہ طریقہ سے اس کی تصدیق کرائی۔ اور چند معزز لوگوں اور حکامان دروازے کے ذریعہ اس کو اطلاع دی کہ جرنیل صاحب تم سے فیض آباد میں ملنا چاہتے ہیں۔ لیکن نصرت اللہ کسی بھی حکمتِ علی سے قابو میں نہ آیا۔ اور علامہ بغاوت شروع کر دی اور فیض آباد کے راستے میں چار پانچ سو آدمیوں کو کھڑا کر دیا تاکہ وہاں تک خبر نہ جاسکے لیکن کسی طریقہ سے اس کی لوٹ مار اور بغاوت کی خبر جرنیل صاحب کو مل گئی۔ جرنیل صاحب دو توپوں اور رسالہ اور بہت سی مسلح فوج کے ساتھ دروازے کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب جرنیل صاحب "کون" پہنچے تو نصرت اللہ بیگ بھی ۴۰۰۰ فوج لیکر مقابلہ کے لئے آگے آیا۔ اس نے نہایت ترکیب اور چالاکی سے اپنی فوج کو مختلف حصوں میں منقسم کر دیا تھا۔ چنانچہ نصرت اللہ بیگ کی فوج نے ایک جانب سے شیخون مارا اور پھر چاروں طرف سے شاہی فوج پر ٹوٹ پڑی لیکن بادشاہی فوج نے بہت اطمینان اور دلیری سے مقابلہ کیا اور ایک خونریز مقابلہ کے بعد جس میں ایک آدمی شاہی فوج کا اور بے شمار آدمی باغیوں کے کام آئے۔ نصرت اللہ کو شکست ہوئی اور اس کی ساری فوج بھاگ گئی۔ خود

نصرت اللہ بیگ بھی بخارا کی جانب بھاگ گیا۔

جرنیل تاج محمد خان جب دروازہ میں تشریف لائے تو دروازہ کے لوگ ڈرتے ہوئے دربار میں حاضر ہوئے اور امن و امان کے طالب ہوئے اور اپنے قصور کی معافی مانگنے لگے۔ جرنیل صاحب نے بغاوت کی سرغٹوں کو اور نصرت اللہ بیگ کے مستمدوں کو گرفتار کر کے دارالسلطنت روانہ کر دیا۔ اور ان کی ساری بندوبستیں، تلواریں، اور سیراق چھین کر سرکاری میگزین میں رکھوا دیں۔ اور از سر نو دروازہ کا انتظام کیا اور متعدد مقامات پر بڑی بڑی چھاؤنیاں اور تھانہ قائم کئے۔ اور متعدد لوگوں کو مختلف حدود میں سرور مقرر کیا جن کے ماتحت ایک بڑی فوج رکھی گئی۔ اور علاقہ دروازہ کے کئی حصے کئے گئے۔ جہاں کی حکومت و انتظام کی ذمہ داری چند لوگوں کے سپرد کی گئی۔ حضرت امیر شہید نے علیہ اللہ خان سپہ شاہ محمود خان کو دروازہ کا حاکم اعلیٰ مقرر فرمایا۔ اس کے علاوہ شاہ محمود خان کے تمام خاندان والوں کو اعلیٰ اعلیٰ عہدوں پر جگہ دی قطغن و بدخشان کے علاوہ کابل کی مرکزی حکومت میں بھی یہ لوگ مختلف عہدوں پر مامور ہوئے۔ کپتانی و وزارت خارجہ۔ شاہی خاندان کی نگرانی اور پیغامات شاہی کے ارسال کے متعلق اعلیٰ عہدے شاہ محمود خان سابق امیر دروازہ کے خاندان میں رہے۔

عبداللہ خان سات سال تک دروازہ کا حاکم رہا لیکن

آخری وقتوں میں وہ کچھ ظالم ہو گیا تھا اس لئے دروازہ کے باشندوں نے مرکزی حکومت میں اپنی فریاد بھیجی، اور عبداللہ خان کو دروازہ کی حاکمی سے ہٹا دیا گیا۔ اس کے بجائے عزیز اللہ خان محمد زئی دلدسروا حبیب اللہ خان قندھاری دروازہ کے حاکم مقرر ہوئے۔

قاضی عبداللطیف خان دروازی جنہوں نے نصرت اللہ بیگ کی بغاوت کی خبریں جرنیل تاج محمد خان کو پہنچائی تھیں۔ ان کو امیر عبدالرحمن خان ضیاء الملک الدین نے اپنے پاس بلایا اور خلعت شاہی عطا فرمایا اور مستقل سمجھاہ مقرر کر دی۔

اس مختصر تاریخ کے بیان سے مقصد یہ تھا کہ ناظرین دروازہ کی بے اطمینانی کے حالات کا اندازہ کر سکیں۔ مگر جب سے حکومت افغانستان کا قبضہ دروازہ پر ہوا ہے۔ سوائے ابتدائی چند بغاوتوں کے اب تک بالکل امن و امان ہے۔ اور لوگ آسودہ حالی اور اطمینان سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور خوش و خرم ہیں۔

دشت شیوہ | یہ موضع پہاڑی ہے۔ یہاں کے دروں میں چراگاہیں بہت ہیں۔ قدیم زمانے میں اس موضع میں ارگو وغیرہ کے لوگ بھی رہتے تھے جن کو "شیوہ جی" کہتے تھے لیکن اس موضع کے دوسرے قبائل ان کے مال و اسباب کو لوٹ لیا کرتے تھے اس لئے وہ لوگ یہاں سے بھاگ کر اپنے

قدیم وطن ارگو چلے گئے۔ اب یہاں صرف بخشانی لوگ رہتے ہیں۔ اور شتخانی لوگ قرب وجوار میں رہتے ہیں۔ اور سب لوگ کھیتی باڑی کرتے ہیں۔

دشت شیوہ کے ماتحت، انگاؤں ہیں۔ اور اسی طرح بارہ گاؤں وہ ہیں جو درہ جات شیوہ پر آباد ہیں اس موضع میں چراگا ہیں بہت ہیں۔ کوسوں تک سرسبز گھاس کے میدان چلے گئے ہیں۔ چنانچہ گرمیوں کے موسم میں قندھاری، کابل، غوری لوگ اور خان آباد بنگلان کے لوگ اور گادی، افغانی، اطرنجی اور ترک قبائل کے لوگ اپنے اپنے مویشیوں کے گلوں کو بخشان وغیرہ مقامات سے لاتے ہیں اور یہاں کی چراگاہوں میں پڑے رہتے ہیں۔ چنانچہ ان تمام قبائل کے گھوڑوں، بکریوں، اونٹوں، بھیڑوں کی تقریباً ۱۲ لاکھ تعداد ہر سال شیوہ میں چرنے آتی ہے۔

چراگاہوں کے میدان میں کچھ لوگ زراعت بھی کرتے ہیں لیکن بے شمار زمین ایسی ہے جہاں گھاس کے علاوہ نہ کھیتی ہو سکتی ہے اور نہ درخت ہیں۔

دریائے شیوہ "شیوہ" کے ایک جانب تمام پہاڑوں اور دروں سے آکر پانی جمع ہوتا ہے۔ اور پھر وہاں سے بہکر درواز اور روشان جاتا ہے۔ جہاں دریائے آمویں مل جاتا ہے۔ چنانچہ جو پانی ایک بڑی نہریا ایک چھوٹے دریا کی شکل

میں ہو کر بہتا ہے وہ دریائے شیوہ کہلاتا ہے۔ یہی دریائے شیوہ درواز اور روشان کی حدوں میں فاصلہ ہے۔ دریائے سندھ میں درہ کلاں کی طرف سے جو پانی آتا ہے اس میں سونا کثیر مقدار میں ہوتا ہے۔ چنانچہ بہت سے ایسے لوگ ہیں جو شیوہ کے دریا میں سونا تلاش کرتے رہتے ہیں اور یہی ان کا پیشہ ہو گیا۔ جاڑے کے موسم میں شیوہ کے آس پاس کے میدانوں میں ہرن کا شکار کثرت سے کیا جاتا ہے۔ اور گرمیوں کے موسم میں مچھلی اور مرغ کا شکار افراط سے ہوتا ہے۔

شہر بزرگ یہ درجہ دوم کی علاقہ داری ہے۔ اور فیصل آباد سے شمالی جانب بیس کوس کے فاصلہ پر ہے۔ شہر میں پولیس کے لئے رہنے کے مکانات بنے ہوئے ہیں۔

زبان فارسی ہے۔ تاجک قبیلہ کے لوگ آباد ہیں۔ اور سفید رنگ ہیں۔ دیہات میں ازبک، قزاق اور ہزارہ قبیلہ کے لوگ ہیں۔ ہزارہ لوگ فارسی زبان میں ازبک ازبکی زبان میں اور قزاق ترک زبان میں بات چیت کرتے ہیں۔ اور ایک ساتھ رہنے کی وجہ سے ایک دوسرے کی زبانیں بھی سمجھ اور بول سکتے ہیں۔ شہر بزرگ کے ماتحت ۵۶ گاؤں ہیں۔ کل آبادی دس ہزار سے زائد ہے۔

زراعت اگھوں، جو، چنا، روئی، کنجد، زعفران پیداوار ہے۔ زمین لمبی ہے۔ البتہ کہیں کہیں آبی زمین بھی پائی جاتی ہے۔ آبی زمین پھولوں کے باغات، میوؤں کے

درخت اور نازک تر کاریوں کے لئے وقف ہے جس سال
لمبی زمین پر بارش ہو جاتی ہے خوب غلہ پیدا ہوتا ہے۔
شہر بزرگ کے دیہات بہت دور دور واقع ہیں۔ اور
بعض دیہاتوں میں پینے کا پانی موجود نہیں ہے۔ اس لئے
گھوڑوں پر دوسرے دیہاتوں سے پانی لاتے ہیں۔
صنعت | کر باس کا کپڑا تقریباً ہر گھر میں بنایا جاتا ہے
جو لوگ گلہ بانی کرتے ہیں۔ وہ بھیڑوں کی اون سے منڈے
بل، جوال، نوار، رتی اور پلاس تیار کرتے ہیں اور بعض
دیہاتوں کے لوگ دریاؤں کے کنارے اور ریگ سے
سونا تلاش کرتے ہیں۔ ان کا مستقل کام یہی ہے۔

خوراک | جو ذی استعداد اور خوشحال لوگ ہیں وہ گھو
کی روٹی کھاتے ہیں۔ اور عام لوگ کچی گھو اور کچی جو کی
روٹی کھاتے ہیں، اور وہی بھی پیتے ہیں۔ روٹی اور دودھ
اکثر کھاتے ہیں۔ اور بہت سے غریب لوگ نمکین اور ادھی
چائے اور روٹی کھاتے ہیں۔ اس طرف گھی کم استعمال
کرتے ہیں بلکہ زغریل کھاتے ہیں۔

پوشاک | چونکہ یہاں کے لوگ بکری بھیڑ کی تجارت
میں مشہور ہیں۔ اور کابل وغیرہ میں اس کی تجارت کے لئے
آتے جاتے رہتے ہیں اس لئے ان میں اچھے کپڑے پہنے کا
جذبہ پایا جاتا ہے۔ عورتیں اور مرد اچھے کپڑے پہنتے ہیں
لیکن زیادہ اچھے نہیں۔

اسلحہ | بدخشان کے دوسرے لوگوں کی طرح ان میں بھی اسلحہ
کا شوق بہت کم ہے۔ بندوق یہاں کسی کے بھی پاس نہیں ہے
اللہ فلیتہ قسم کی بندوقیں ۵۰ تک ہیں۔

عادات و اخلاق | عام طور سے نیک اور سادے

لوگ ہیں۔ یہاں کے سفید ریش لوگوں کا بیان ہے کہ ہم
شہر بزرگ کے بسنے والوں نے کبھی کسی کی اطاعت سے انکار
نہیں کیا ہے۔ جو بدخشان کا میر ہوا ہم لوگ اس کے ماتحت
ہو گئے اور اس کو مالیہ اور رقیں دینے لگے بدخشان کے
میروں کی داہمی جنگ میں شہر بزرگ کے لوگوں کا نقصان
ہوتا تھا۔ کیونکہ جو بھی کامیاب ہوا اس نے لوٹ مار میں کوئی
کسر نہیں چھوڑی۔ اس طرح یہ لوگ بہت مضطرب اور
بے حال تھے کہ امیر شیر علی خان نے اس پر قبضہ کر لیا اور حضرت
امیر ضیاء الملک والدین نے باقاعدہ طور سے اس کو حکومت
افغانستان میں شریک کر لیا۔ جب سے اب تک یہاں امن
وامان ہے اور خوشحالی بڑھ رہی ہے۔

راستے | شہر بزرگ سے کئی مقامات کو راستے گئے ہیں
جنوب کی طرف ۲۰ کوس کا ایک راستہ رستاق گیا ہے مغربی
جانب چایاب گیا ہے مشرقی جانب سے قہل گیا ہے اور شمال
کی طرف سے راغ گیا ہے۔ ان سب راستوں پر پیدل
اور سوار دونوں جا سکتے ہیں۔

رستاق | درجہ اول کی حکومت ہے۔ اور یہاں محکمہ

دارالقضاۃ بھی ہے۔ ۴۷۰ فیٹ بلند ہے۔ پارہ حرارت ۹۵ ہوتا ہے۔ لوگ سفید رنگ ہیں۔ تاجک، ازبک، ہزارہ اور قرق قبائل کے لوگ آباد ہیں۔ تاجک اور ہزارہ فارسی بولتے ہیں اور قرق اور ازبک ترکی بولتے ہیں۔ یہ تجارتی منڈی ہے۔ ۳۰۰ دکانیں ہیں۔ اور بازار بڑا ہے ضرورت کا تمام سامان ملتا ہے۔ کچھ دن پہلے یہاں کے لوگ تجارت کے لئے بخارا جاتے تھے۔ اور ابریشم و پوشین کی تجارت کرتے تھے لیکن اب بخارا سے تجارتی تعلقات مسدود ہو گئے ہیں اور اب پشاور سے براہ چترال تجارت ہوتی ہے۔ یہاں کے تاجر پشاور میں لومڑی کی کھالیں لے جاتے ہیں۔ اور پشاور سے ابریشم لاتے ہیں۔

رستاق میں ۳ کاروان سرائیں۔ ۳ جامع مسجدیں اور ۳ مدرسے ہیں۔ اور ۸۳ گاؤں رستاق کے ماتحت ہیں۔ کل مکانات کی تعداد ۳۹۲۳ ہے اور کل آبادی دیہات اور رستاق شہر کو ملا کر ۲۰۰۰۰ ہے۔

وریا نہیں ہے۔ البتہ چند چٹے ہیں جن کا پانی بہتا ہوا شہر میں آتا ہے اور شہر کی ضرورتوں کو پورا کرتا اور باغات اور ترکاریوں کی کھدائیوں کو سیراب کرتا ہے۔ رستاق کی اونچائی اگرچہ کابل سے کم ہے لیکن ہوا بہت زیادہ سرد ہے **زراعت** | یہاں کی اکثر زمین لٹی ہے جس میں گہوؤں، جو، روئی، زغر، خربوزے اور تربوز کی کاشت کرتے ہیں۔

جس سال برف باری زیادہ ہوتی ہے اُس سال کھیتی کو فائدہ رہتا ہے۔ کیونکہ کھیتوں کو پانی زیادہ ملنے کی امید ہو جاتی ہے۔

میسورے | ٹوٹ۔ زرد آلو۔ آلو بالو۔ آلوچہ۔ انگور گیلیا سیب۔ تاک۔ جہی۔ خربوزے اور تربوز افراط سے ہوتے ہیں۔

صنعت | رستاق شہر کے لوگ عام طور سے پیشہ و تاجر اور دکاندار ہیں۔ چرم سازی، صابون سازی، کفش دوزی یہاں عام ہے اور کپڑے بھی کثرت سے تیار ہوتے ہیں۔ اور کمہاری کا کام بھی لوگ جانتے ہیں۔ اور ضرورت کے تمام پیشے لوگوں میں کوئی نہ کوئی ضرور جانتا ہے۔ لیکن دیہات کے لوگ بجز ہتھانی کے کوئی دوسرا کام نہیں جانتے یا زیادہ سے زیادہ بورے بنا لیتے ہیں۔ رستاق کا اچھ بہت مشہور ہے۔

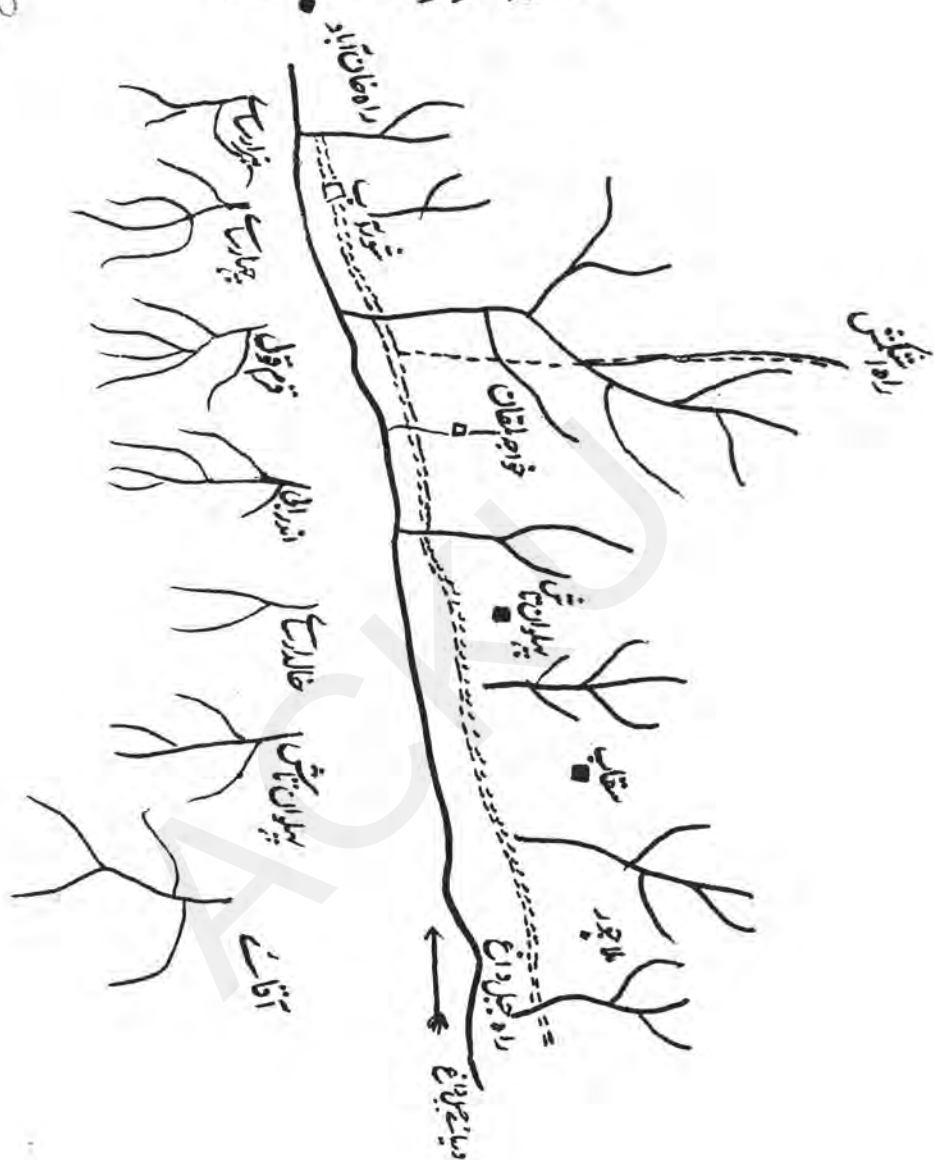
خوراک | رستاق شہر کے لوگ اچھا کھانا کھاتے ہیں۔ نہ چائے پیتے ہیں اور نہ بھجیا کھاتے ہیں۔ تندور کے نان کے ساتھ شوربا اور دہی لازمی طور سے کھاتے ہیں۔

پوشاک | کپڑا اچھا پہنتے ہیں، خوش لباس اور خوش خوراک ہیں۔ مرد صاف کپڑے پہنتے ہیں۔ اور عورتیں چیت کے رنگین کپڑے پہنتی ہیں اور پردہ کرتی ہیں۔

اسلحہ | شہر کے لوگوں کے پاس بندوقیں ہیں۔ اور وہ علی

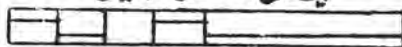
نقشہ شور آب

19 Jan



مقیاس

یک اینج مساوی ۴ میل



معادل ۲۱ کروہ کابل

قسم کی انگریزی اور روسی بندوقیں استعمال کرتے ہیں۔ اور دیہات کے لوگ فلیٹہ بندوق اپنے پاس رکھتے ہیں۔ بندوق کا شوق لوگوں کو زائد نہیں ہے۔ کیونکہ بیس ہزار کی آبادی میں تین چار سو بھی بندوقیں نہیں ہیں۔

راستے | رستاق چونکہ ہموار اور تجارتی مقام ہے اس لئے یہاں سے بے شمار جگہوں کو راستے گئے ہیں اور آئے ہیں۔ چنانچہ خان آباد، کشم، کلفگان، فیض آباد، شہر نرگ چاہ آب اور دریا کے پنج اور دریائے امویہ کی طرف بہتے راستے گئے ہیں، اور یہاں سے بہت سے راستے سرحدی مقامات کو بھی گئے ہیں۔

آب آسیا | یہ مقام رستاق سے قریب ہی واقع ہے اور وہ کوس کے فاصلہ پر ہے۔ اور ... ۴۴ فیٹ بلند ہے۔ راستہ ہموار ہے۔ البتہ بعض مقامات پر پتھر ملا ہو گیا ہے۔ یہاں غوزہ کی زراعت کی جاتی ہے۔ ترک اور تاجک قبیلہ کی آبادی ہے۔

آب آسیا سے پہلے سیکیم اور کشم اور رستاق کو کئی راستے گئے ہیں اور یگی قلعہ اور درہ خیلان کو بھی راستے گئے ہیں۔

چشمہ جرجا | رستاق اور آب آسیا کے بیچ میں ایک چشمہ ہے جس کا نام چشمہ خواجہ جرجا ہے۔ چشمہ فوارے کی طرح۔ یہ حد تیزی اور جوش سے نکلتا ہے۔ اور پانی کی آواز

بھی بہت زیادہ ہوتی ہے۔

چاہ آب | تمام زمین لمبی ہے۔ آبی زمین کا کبھی پتہ نہیں کیونکہ جاری پانی اس علاقہ میں نایاب ہے۔ گہوؤں، جو چٹا روٹی، زعفران پیداوار ہے۔ اور کبھی کبھی روٹی کے کھیت میں باجرہ، کنبہ اور خربوزہ اور تربوز کی بھی کاشت کر لیتے ہیں۔ بعض مقامات پر بہار کی چوٹیوں پر بھی گیہوں، جو وغیرہ کی کاشت کی جاتی ہے۔

چاہ آب کے ماتحت ۳۱ گاؤں ہیں۔ ان دیہاتوں میں زیادہ آبادی تاجک قبائل کی ہے۔ جو فارسی بولتے ہیں مگر چار گاؤں اور ایک لوگوں کے ہیں جو ترکی بولتے ہیں۔

یہاں کی زراعت کے لئے پانی بہت قیمتی چیز ہے۔ یہاں تک کہ جب گائیں پیاسی ہوتی ہیں تو ان کو پانی نہیں دیتے بلکہ پیاس بجھانے کے لئے تربوز کھلاتے ہیں۔

یہاں کے لوگوں میں ایک پڑانی روایت مشہور ہے کہ آج سے پچاس سال قبل جبکہ برن و باد کا کوئی سلسلہ نہ تھا اور سورج کمال آب و تاب سے نکلا ہوا تھا۔ ایک بہت بڑا پہاڑی ٹکڑا اپنی جگہ سے ہلا اور پھر الگ ہو کر نصف کوں تک پہاڑ سے لڑھکتا چلا آیا۔ اور ارنہ کے دیہات کے اوپر گر پڑا جس کی وجہ سے ۹ مکانات اور ۲۲ عورت و مرد بالکل تباہ ہو گئے اور اس بڑی طوفان کچلے گئے کہ زمین کی بڑبڑ ہو گئے۔ باقی لوگ دیہات خالی کر کے فوراً ہی دوسرے

دیہاتوں میں بھاگ گئے۔ معلوم نہیں اس قصہ میں کہاں تک اصلیت ہے۔

صنعت | شہر چاہ آب میں ایک بڑا بازار ہے جس میں خجّار، لوہار، رنگریز، درزی سب ہیں اور تاجر لوگ بھی ہیں اور یہاں کے لوگ کر باس اور اسلحہ بھی بناتے ہیں۔
اسلحہ | بندوقین زیادہ نہیں ہیں۔ سو کے قریب فلیتہ قسم کی بندوقین ہوں گی۔

کل مکانات ۱۹۰۰، میں جن میں آبادی ۷ ہزار تک ہے۔

ینگئی قلعہ | چاہ آب سے ۶ اکوس کے فاصلہ پر ہے اور ۲۱۷۰ فٹ بلند ہے۔ راستہ میں ایک مقام کوتل نوریہ پڑتا ہے جس کی بلندی ۲۷۳۰ فٹ ہے۔ یہاں بھی پانی کم ہے۔ زمین ساری کی ساری لٹی ہے۔ جب کھیتوں میں پانی دینے کا زمانہ آتا ہے تو لوگ اپنی ضروریات کے لئے پانی کی جگہ تڑبوز استعمال کرتے ہیں اور اسی سے اپنی اور اپنے مویشیوں کی پیاس بجھاتے ہیں۔

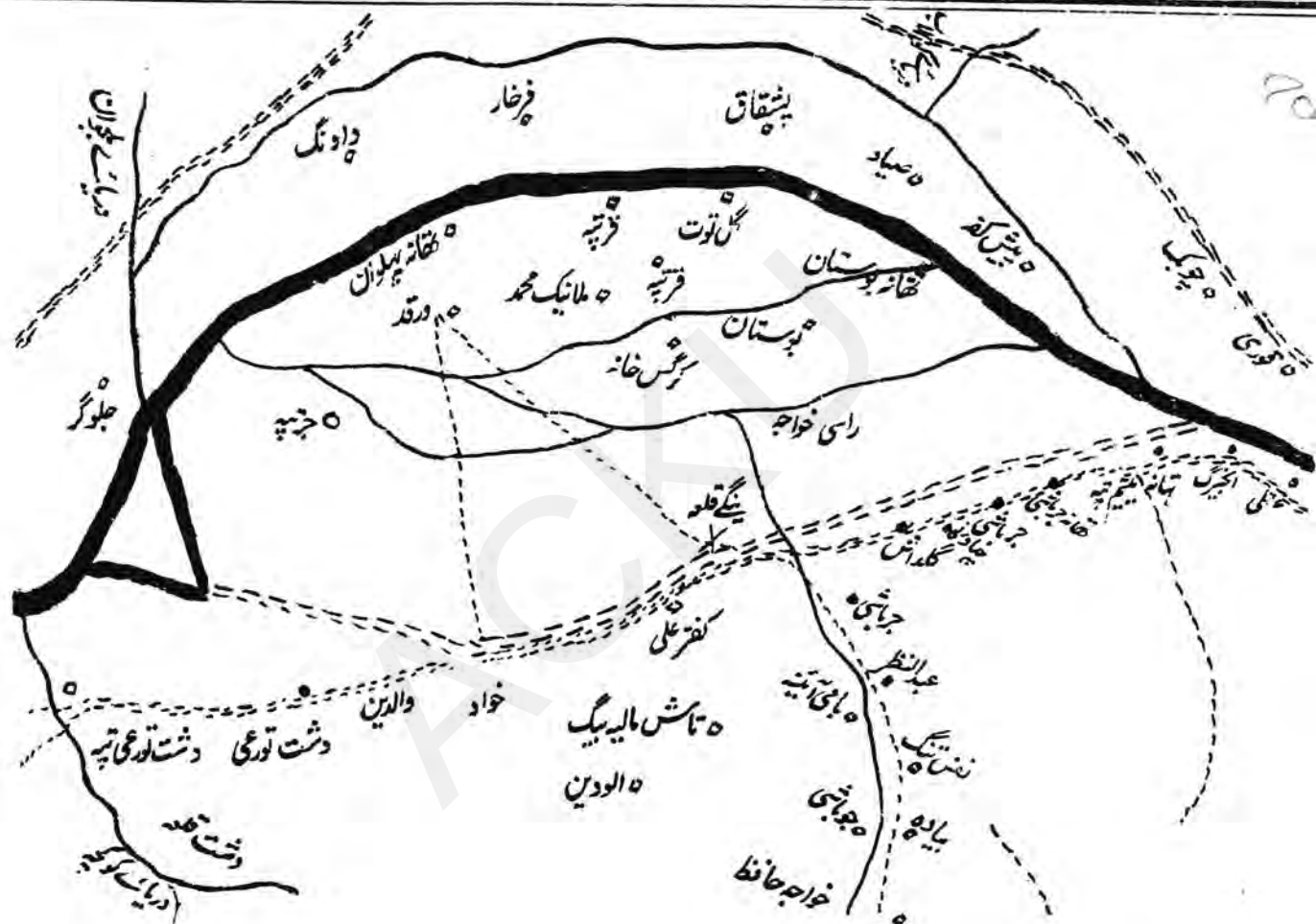
افغان، تاجک، ازبک اور مختلف دیگر قبائل کی آبادی ہے۔ وسیع مقام ہے اور جنگل بہت ہیں۔ گیہوں، چو، چوار، زرخ اور غوزہ کی کاشت کی جاتی ہے۔ چشمہ کے پانی سے کھیت سیراب کئے جاتے ہیں، اور چھوٹی سی نہری دریائے آمویہ سے نکال کر لائے ہیں جو

مشکل سے اُن کے کھیتوں کی ضروریات کو پورا کرتی ہے یہاں پر نظم و نسق اور قبائل کی نگرانی کے لئے ایک چھوٹی بھی ہے۔ ینگئی قلعہ کے ماتحت ۹ گاؤں ہیں۔ گاؤں کی آبادی تمام تڑبوز یک لوگوں پر مشتمل ہے۔ کل مکانات دو ہزار چار سو ہیں۔ دیہاتوں کے لوگ گلہ بانی، زراعت اور تلاش زر کے پیشے کرتے ہیں۔ اور بعض لوگ بوریہ بھی بناتے ہیں۔

کل آبادی آٹھ یا نو ہزار تک ہے۔ لوگوں کے عادات و اخلاق اور رسم و رواج سب رستاق کے لوگوں کی طرح ہیں۔ لیکن رستاق کے لوگوں کا رنگ سفید ہے۔ اور یہاں کے گندمی رنگ کے ہوتے ہیں۔ یہاں کے لوگوں میں سادات اور علما کی تعداد بھی بہت کم ہے۔

ینگئی قلعہ کے باشندے اسلحہ رکھنے کے بہت شوقین ہیں۔ روسی اور فلیتہ قسم کی دوسو سے زائد بندوقین ان لوگوں کے پاس موجود ہیں۔

ورقت | یہ بھی رستاق کے نواح میں ایک موضع ہے جو پہلے حکومت روس کے قبضہ میں تھا۔ لیکن اب حکومت اسلامیہ افغانستان میں شامل ہے۔ ینگئی قلعہ سے ۹ کوس کے فاصلہ پر ہے۔ اور ۱۹۲۰ فٹ بلند ہے۔ اس کے اطراف میں ۳۰ کوس نہایت گھنا جنگل ہے جس میں بچہ نما



درخت ہیں۔ اور جس میں ہر قسم کے جانور، شیر، چیتے، لوٹری وغیرہ اور چرند و پرند ہر طرح کے پائے جاتے ہیں۔ یہاں ایک تھانہ بھی ہے۔

ورقت کے اطراف میں حضرت خواجہ بہاء الدین شافعیؒ رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹھنے کا بھی ایک مقام ہے جہاں حضرت جلوس فرماتے تھے۔ اب یہ جگہ زیارت گاہ ہو گئی ہے جہاں لوگ زیارت کرنے آتے ہیں۔ اُزبک اور افغان لوگوں نے اس زیارت کے ارد گرد مکانات بنوا لئے ہیں اور رہتے ہیں۔ انتظامات کے لئے پولیس کا ایک عملہ بھی ہر وقت تعینات رہتا ہے۔

زیارت گاہ کے قریب ۱۲ کوس کے حلقہ میں ترغی تپہ کے نام سے ایک میدان بھی ہے۔ جہاں قدیم آبادیوں کے نشانات پائے جاتے ہیں۔ اور ان قدیم آبادیوں کے نام بھی اب تک باقی ہیں مثلاً بعض مقامات قلعہ نیگی، کفر علی خواجہ بہاء الدین، جرتپہ، کاگل، قلعہ رائیل خانم، ویل شیمہ وغیرہ یہ سب مقامات انتہائی بربادی کی حالت میں ہیں آبادی بعض بعض مقاموں پر ہے۔ لیکن وہ بھی برائے نام ان مقامات کے متعلق مشہور ہے کہ چنگیز خانی دور میں برباد کئے گئے ہیں۔ یہ پہلے کوئی بڑا شہر ہوگا۔ یہ مقامات سب لب دریا واقع ہیں ان کی آبادی کے لئے۔ از سر نو کوش کی جارہی ہے۔ اور یہ مقامات آبادی کے لئے مناسب

اور موزوں ہیں لیکن کثیر مصارف کے بعد کہیں آبادی کا تخیل آسکتا ہے۔

کاگل | یہ موضع بھی رتاق کے ماتحت ہے۔ ورقت سے ۹ کوس کے فاصلہ پر ۹۰۰ فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ بہت خوشنما اور خوبصورت مقام ہے۔ کاگل سے دریائے کوکچہ ۹ کوس کے فاصلہ پر ۳۴۰ فٹ بلندی پر بہتا ہے۔

کاگل۔ قدیم آبادی کی ایک مٹی ہوئی تصویر ہے۔ جگہ جگہ پُرانی آبادی کے نشان ملتے ہیں۔ بعض جگہ پُرانی محلات بھی نظر آتے ہیں۔ خوبصورت مقام ہے۔ دریائے کوئی زیادہ دور نہیں۔ قدیم نہروں کے نشانات بھی پائے جاتے ہیں۔ ہر چار جانب کو راستے بھی گئے ہیں۔

چراگاہیں بھی ہیں پانی بھی ہے۔ جگہ ہموار اور کشادہ ہے اور ٹٹی اور خاک بہت اچھی ہے۔ اس بنا پر یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ یہاں قدیم زمانے میں ضرور کوئی بہت ہی بڑا شہر آباد ہوگا۔ مسلمانوں نے اس شہر کو ترقی دی ہوگی اور یہ اسلامی تہذیب کا اچھا مظاہرہ پیش کرتا ہوگا۔ تا آنکہ فتنہ چنگیزی اُٹھا اور اس نے اسلامی شہروں کی طرح اسکو بھی برباد کر دیا۔ جیسا کہ یہاں کے باشندوں کا بیان ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ بعد کے واقعات ہوں اور یہ شہر حکمرانی اور شاہی کی ترکہ رازیوں کا شکار ہو گیا ہو۔ بہر حال یہ کوئی بڑا

شہر تھاجو برباد ہوا لیکن کوئی تاریخی فیصلہ اس کے متعلق نہیں ہے۔

تایخ رستاق | کہتے ہیں کہ نائب محمد علم خان جو بدخشان

کی فتح کے لئے حکومت افغانستان کی طرف سے مامور کئے گئے تھے ان کے قبل رستاق پر بدخشان کے میروں کی حکومت تھی چنانچہ رستاق کے باشندے میر شاہ کی حکومت کے واقعات یاد رکھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میر شاہ کا بھائی یوسف علی خان ایک مدت تک رستاق کا میر رہا لیکن اُس کو اُس کے بھتیجے میر شجاعت نے قتل کر دیا اور خود رستاق کا میر بن چاہا لیکن میر شاہ نے اُس کو کامیاب نہ ہونے دیا اور بدخشان سے آکر یوسف علی مقتول کے

لٹکے کو رستاق کا میر بنا گیا۔ اور اپنے لڑکے کو جو چچا یوسف علی کا قاتل تھا اپنے بھتیجے کے سپرد کر گیا تاکہ وہ باپ کا بدلہ لے۔

یوسف علی کے لڑکے کا نام میر محمد عمر تھا جس نے نائب محمد علم خان کے آنے تک رستاق میں میری کی لیکن جب امیر شیر علی خان مرحوم نے بدخشان کی فتح کیلئے

نائب محمد علم خان کو ایک لشکر جبار کا سپہ سالار بنا کر روانہ کیا تو یہ بہت گھبرا یا۔ محمد علم خان نے بدخشان و قطن کو فتح کر لیا۔ اور رستاق پر بھی قابض ہو گیا۔ اور رستاق

کے میروں کے پورے خاندان کو جس میں میر عمر خان وغیرہ تھے نظر بند کر کے مزار شریف لے گیا۔ اور حکومت

کابل کی طرف سے سید احمد خان کو بدخشان کا حاکم کلاں مقرر کیا اور رستاق کو بھی اس کی ماتحتی میں دیدیا۔

لیکن جب انگریزوں نے کابل پر قبضہ کر لیا تو میر سلطان شاہ اور میر بابا خان جو میر عمر خان کے بھائی اور مزار شریف میں نظر بند تھے رستاق بھاگ آئے اور لوگوں کو اپنا مہنوا بنا کر میر سلطان شاہ میر بن بیٹھا۔ اور میر بابا خان بدخشان چلا گیا۔ اور وہاں لوگوں میں اپنی حکمرانی کے چرچے شروع کر دیے اور بغاوت کی آگ بھڑکائی۔ یہاں تک کہ کامیاب ہو کر خود بھی بدخشان کا میر بن بیٹھا۔ گویا ایک چالاک سے رستاق کا میر بنا اور دوسرا عیاری سے بدخشان کا میر بن گیا۔

میر بابا خان نے میری کا دعویٰ کرنے کے بعد سید احمد خان حاکم کلاں پر فوج کشی کر دی اور باضابطہ طور سے اپنی حکومت قائم کر لی۔

میر محمد عمر خان ایک سال کے بعد حضرت ضیاء الملک سے ملاقات کرنے تاشقند گیا۔ اور میر سلطان شاہ میر بابا خان

سے ملنے بدخشان آیا لیکن میر بابا خان اور سلطان شاہ کو میر عمر خان کے متعلق کوئی علم نہ تھا۔ عمر خان نے جب یہ حالات دیکھے تو فہر زبیرگ آیا اور سلطان شاہ کی غیر موجودگی

میں رستاق پر حملہ کر کے قابض ہو گیا۔ جب ان دونوں نے اس قبضہ کھال سنا تو بہت گھبرائے اور زبردست

فوج لیکر عمر خان پر حملہ آور ہوئے۔ لیکن ابھی یہ دونوں چاہ آب کے مقام پر ہی پہنچے تھے کہ ادھر سے شاہزادہ حسن نے جو بدخشان کے سابق میر میر شاہ کا لڑکا تھا موقع پا کر بدخشان پر حملہ کر دیا اور قبضہ کر لیا۔ اب میر بابا خان بدخشان سے محروم ہو گیا۔ اور سلطان شاہ تورستاق سے محروم ہو ہی چکا تھا لہذا ان دونوں نے مجبور ہو کر ہر دو وطن صلح کا ہاتھ بڑھایا۔ اور اس بات پر صلح ہوئی کہ رستاق کا علاقہ عمر خان کے لئے اور چاہ آب سلطان شاہ کے لئے اور بدخشان شاہزادہ حسن کے لئے اور کشم میر بابا خان کے لئے ہیں۔ یہ چاروں اشخاص کچھ دنوں تک اپنے اپنے علاقہ میں میری کرتے رہے یہاں تک کہ حضرت ضیاء الملکت نے پھر سے بدخشان و قلعہ کی تنظیم کا خیال کیا۔ اور بذاتہ تشریف لائے۔ آپ نے عمر خان کو پیغام بھیجا تو وہ استقبال کے لئے نیکی قلعہ تک آیا اور ضیاء الملکت کی بیعت کی اور چالیس دن تک رستاق میں ضیاء الملکت کو مہمان رکھا۔

ضیاء الملکت نے اس کی اطاعت کے صلہ میں رستاق کا علاقہ اس کو واپس کر دیا۔ اسی طرح آپ نے میر بابا خان کو کشم میں پیغام بھیجا۔ وہ استقبال کے لئے آیا اور اطاعت کی لیکن شاہزادہ حسن نے اطاعت نہیں کی اور چترال بھاگ گیا۔ ضیاء الملکت نے بدخشان کا علاقہ بھی میر بابا خان کو دے دیا۔ اور اُسی کو وہاں کا حاکم مقرر فرمایا میر سلطان شاہ

نے بھی بیعت کر لی قلعہ و بدخشان کے ان انتظامات سے فایز ہو کر حضرت ضیاء الملکت امیر عبدالرحمن خان واپس کابل تشریف لے گئے۔ اور میر بابا خان اور عمر خان کو نائے لے گئے۔ عمر خان کو سردار کا خطاب بھی دیا۔ اور بدخشان کا حاکم بنا دیا۔ اور بابا خان کو اپنے ساتھ رکھا۔ ابھی میر عمر خان کو ۶ مہینے بھی بدخشان میں حاکم ہوئے نہیں گزرے تھے کہ میر علم خان جو بدخشان کی میری کا دعویٰ دار تھا اور جس کا چچا زاد بھائی شاہزادہ حسن چترال بھاگ گیا تھا۔ فوراً آیا اور بدخشان کے لوگوں کو بہکانا شروع کر دیا۔ اور بغاوت کی آگ سائے بدخشان میں لگا دی۔ اور ایک بڑے لشکر کو لیکر محمد عمر خان حاکم بدخشان سے جنگ کے لئے آیا۔ لڑائی میں اس کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ بھی گیا۔ لیکن لڑائی کے منصوبے پھر سے باندھنے لگا جب حضرت ضیاء الملکت امیر عبدالرحمن خان کو علم خان کی بغاوت کی خبر ملی تو آپ نے دو جانب سے سردار عبدالقدوس اور امیر عالم خان کو ایک بڑی فوج اور توپ خانہ کے ہمراہ بھیجا جنہوں نے مشد و کشم کے مقام پر علم خان کو شکست دی اور وہ بھاگ گیا۔ اور بدخشان پر افغانستان کا قبضہ ہو گیا۔

اس کے بعد بھی کئی بار رستاق کے میروں نے شورش مچائی اور کئی بار قلعہ و بدخشان اور رستاق میں کامیاب بغاوتیں ہوئیں اور یہ علاقے حکومت افغانستان

کے قبضہ سے نکل کر میروں کے ہاتھ آگئے۔ لیکن حکومت افغانستان کا ان مقامات اور علاقوں پر مستقل قبضہ ہو گیا۔ پہلے ہی بتایا جا چکا ہے کہ بدخشان کی رعایا سیری کی خانہ جنگی کی وجہ سے ہمیشہ غیر مطمئن رہتی تھی۔ اور اس کی عزت و ناموس کا کوئی محاذ قحطہ تھا خوشحالی اور امن معفود ہو گیا تھا۔ اس لئے حکومت افغانستان نے اس پر قبضہ کیا۔ اور قلعن و بدخشان کو ایک صوبہ بنا کر اس کو ایک حاکم کلاں (گورنر) کے تحت کر دیا۔ جس کے بغاوتیں بند ہو گئی ہیں اور لوگوں میں خوشحالی بڑھتی جا رہی ہے۔ اور ہر طرح کا امن امان پایا جاتا ہے۔ رستاق، شغنان، درواز، بدخشان و قلعن کی جو تاریخ اور لکھی گئی ہے اس سے ناظرین کو یہ اندازہ ہو گیا ہو گا کہ اس علاقہ کے باشندے کس قدر جلد بھڑک جانے والے ہیں کیونکہ وہ میری کیلئے ہر دعویدار کا ساتھ دینے سے گھبراتے نہیں بلکہ بات بات پر شور و فساد اور بغاوت برپا کر دیتے تھے۔

لیکن امیر شیر علی خان اور حضرت ضیاء الملک والدین امیر عبدالرحمن خان نے ان کو اس طرح ہموار کیا کہ وہ ملت اسلامیہ کی مرکزی حکومت افغانستان کے ماتحت رہنے پر راضی ہو گئے۔ ورنہ بدخشان و قلعن کا یہ حال تھا کہ یہ لوگ اپنے ملک کو بھارا، روس، اور افغانستان سب الگ ایک مستقل حکومت خیال کرتے تھے۔ اگرچہ ان کی حکومت کی دنیا بدخشان و رستاق یا درواز، یا کشم و مشہد یا شغنان کے چھوٹے چھوٹے

علاقوں میں ہی محدود تھی۔ لیکن خیراب بدخشان کے لوگ اپنے آپ کو افغانستان کا فرزند سمجھتے ہیں۔ اور یہ جذبہ نوم کی ترقی کی ایک روشن علامت ہے۔

قلعن و بدخشان کے فطری خزانے | بدخشان و قلعن کی سرزمین زمانہ قدیم سے کانوں کے لئے بہت مشہور رہی ہے۔ اور یہاں مختلف اقسام کے جواہرات کی کانیں بہت کثرت سے ہیں۔ جواہرات کے علاوہ نمک، سیسہ، چاندی، سونا، کوئلہ، وغیرہ کی بھی بے شمار کانیں ہیں۔ اگر لائق انجینیئروں کے ماتحت کوئی کمیٹی ان کانوں کی کھدائی کا انتظام کرے تو وہ خاطر خواہ فائدہ حاصل کرے گی۔ چند کانوں کے نام اور ان کے محل وقوع کی تفصیل ذیل کے نقشے میں پیش کی جاتی ہے۔ یہ وہ کانیں ہیں جو بہت مشہور ہیں۔ غیر مشہور اور غیر معلوم کانیں بھی بہت زیادہ ہیں۔ جو تلاش و تحقیق سے دریافت ہو سکتی ہیں۔

بدخشان کی کانیں

نام کان	محل وقوع	نام کان	محل وقوع
نمک	کلفگان	گندمک	کران
"	چال	لعل	غاران
"	نمکلب	"	روشان
لاورد	غنج، جرم	نمک	رستاق

نام کان	محل وقوع	نام کان	محل وقوع	نام کان	محل وقوع	نام کان	محل وقوع
چودن	فیض آباد	سیہ	زیباک	پتھر کا کولہ	نہرین	پتھر کا کولہ	چال
پتھر کا کولہ	تالہ، برفک	گندھک	زیباک	گندھک	علاقہ خان آباد	لاہور	کران
سرب	کران	.	.	.	.	.	.

غازی نادر شاہ کا سفرنامہ

ختم ہوا

خاقان، افغانستان، غازی محمد نادر شاہ کا سفرنامہ قدغن و بدخشان یہاں ختم ہو گیا۔ اس سفرنامہ میں معلومات کا ایک خزانہ بھرا ہوا ہے۔ اور آجکل جبکہ خود سیاح مدوح افغانستان کے فرماں روا ہیں۔ امید ہے کہ وہ اپنے سفر کی معلومات سے ملک بدخشان کی اصلاح و ترقی کے کاموں میں مصروف ہوں گے۔ چنانچہ جب میں افغانستان سے واپس آیا ہوں تو کابل کے روزانہ اخبار اصلاح میں ہمیشہ اس علاقہ کی شرکوں اور پلوں کی تعمیر اور معدنیات کی تلاش و تحقیق کے حالات پڑھتا رہتا ہوں۔ اور زندہ رہا تو ۱۹۳۴ء کے موسم گرما میں براستہ قندھار ہرات و چشت کی زیارتوں کے لئے جاؤں گا۔ اور بدخشان میں آقاے نامدار سیدنا علی مرتضیٰ علیہ السلام کے مزار شریف کی زیارت کا شرف بھی حاصل کروں گا۔ اس وقت اس سفرنامہ سے مجھے بہت مدد ملے گی۔ اور نئی ترقیوں کا حال واپس آکر اس سفرنامہ میں بڑھادوں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

حسن نظامی

لعل بدخشان

ہنرمندی غازی محمد ناد رسا کا سفرنامہ پڑھنے کے بعد ہندوستان کی نئی نسل کے نوجوان اس ملک کی اس اہمیت کو شاید نہ سمجھیں جو ہرات و پنج و بدخشاں میں مخفی ہے۔ کیونکہ ان کو انگریزی سکولوں اور کالجوں میں اسلامی تاریخ اس حد تک نہیں پڑھائی جاتی جس سے مسلمان لڑکے اپنے اسلاف کے اصلی وطن اور ان کے کارناموں سے واقف ہوں۔ اور اسلامی تہذیب و تمدن سے انکو آگاہ ہی ہو۔

ایک فرانسیسی نے تمدن عرب کتاب لکھی تھی جس کا اردو ترجمہ مولانا سید علی بکرامی نے شائع کیا تھا۔ مگر غالباً جس وضاحت سے تمدن عرب کتاب لکھی گئی ہے اس تفصیل سے ایران اور ترکستان اور افغانستان کے تمدن کا حال کسی نے نہیں لکھا۔ اور ہندوستان کی سرکاری تعلیم میں تو مسلمانوں کے عربی ایرانی ترکی۔ افغانی تمدنوں میں کسی تمدن کا ذکر بھی نہیں ہوتا۔ پھر سچا رہے مسلمان لڑکے اور لڑکیاں کیا خاک اپنی تاریخ اور اپنے تہذیب و تمدن سے آگاہ ہوں۔

مگر غازی ناد رسا کا سفرنامہ کو پڑھنے کے بعد تاریخ دان لوگ کہہ سکیں گے کہ افغانستان ہی وہ ملک ہے جو آٹھ سو تیس سے عربی تہذیب، ایرانی تہذیب، اور ترکی و مغلیہ تہذیب اور افغانی تہذیب کا مرکز تھا۔ اور ہندوستان میں جن مسلمان قبائل نے حکومت کی بنیاد ڈالی یا حکومت کی وہ سب کے سب افغانستان کے تھے۔ یہاں تک کہ آخر زمانہ کا مغل فاتح بابر بھی افغانستان کا باشندہ سمجھا جاتا تھا۔ کیونکہ اس کے اصلی وطن ترکستان پر مغلوں کے حریف ازبک قابض ہو گئے تھے۔

محمد بن قاسم سندھ و ہند کا پہلا فاتح بے شک عرب تھا مگر اس کے ذریعہ عربی تہذیب صرف سندھ تک محدود رہی یا ملتان تک قدرے اس کا اثر آیا۔ اس کے بعد محمود غزنوی کے حملے ہوئے جو افغانستان کا فرزند اور افغانستان کے مشہور شہر غزنی کا باشندہ تھا۔

محمود کے بعد شہاب الدین غوری نے ہندوستان پر قبضہ کیا اور اسلامی شہنشاہی اس کے ذریعہ قائم

ہندوستان پر مسلط ہو گئی وہ بھی افغانستان کا باشندہ اور افغانستان کے شہر غور سے تعلق رکھتا تھا۔
بے شک شہاب الدین غوری کے غلاموں نے عرصہ تک ہندوستان پر حکومت کی جو سب کے سب ترک
نسل کے تھے۔ لیکن چونکہ وہ سب افغانوں کے غلام تھے اس لئے انکو افغانستان ہی کا فرزند کہنا چاہئے۔

قطب الدین ایک پہلا غلام شہنشاہ تھا۔ اس کے بعد شمس الدین التمش اور اس کی لڑکی رضیہ پھر غیاث الدین
بلبن اس خاندان میں ایسے شہنشاہ گزرے ہیں جن کے نام اسلامی تاریخ میں آفتاب و ماہتاب کی طرح روشن ہیں۔
غیاث الدین بلبن کے پوتے معز الدین کی قباد پر غلام خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہوا تو افغانستان کے خلجی
خاندان کی حکومت شروع ہوئی جس کا بانی جلال الدین خلجی تھا۔ اس کے بعد علاء الدین خلجی بہت مشہور ہوا اور
اس کے بیٹے قطب الدین خلجی پر خلجیوں کی حکومت ختم ہو گئی اور تغلق خاندان کا دور شروع ہوا۔

غیاث الدین تغلق اس خاندان کا بانی تھا اور یہ بھی افغانستان کا تھا۔ محمد تغلق اور فیروز شاہ تغلق اس
خاندان میں بہت نامور شہنشاہ گزرے ہیں۔ اسپین کا مسلمان سیاح ابن بطوطہ محمد تغلق کے زمانہ میں ہندوستان
آیا تھا اور کئی برس دہلی میں مقیم رہا تھا۔ اس کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد تغلق کے دور حکومت میں ہندوستان
عرب و ترک و ایران و افغان تہذیبوں کا سنگم بنا ہوا تھا۔

تغلق خاندان کے بعد دو تین بادشاہ سیدی بھی ہوئے جن میں سید خضر خاں بہت مشہور ہے۔ یہ سید
بھی افغانستان کے تھے اور ان کی نسل کے لوگ اب بھی افغانستان میں موجود ہیں۔

سیدیوں کے بعد لودھی خاندان کی حکومت شروع ہوئی۔ جن میں بہلول لودھی سکندر لودھی اور ابراہیم
لودھی بہت مشہور ہیں۔ ابراہیم لودھی کو قتل کر کے مغل شہنشاہ بابر نے ہندوستان چھین لیا۔

لودھی بھی افغانستان کے تھے اور ان کے بعد آنے والا بابر بھی افغانستان کا تھا۔ اور بابر کی اولاد کے زوال کے
آیام میں مرہٹوں کا زور توڑنے والا احمد شاہ درانی بھی افغان تھا۔

لہذا ہر شخص کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہندوستان کا افغانستان سے تعلق آٹھ سو برس کا ہے۔ اور ہندوستان کی
تاریخ اور ہندوستان کی اسلامی تہذیب عربوں کی شرمندہ احسان نہیں ہے بلکہ یہاں ایران اور توران اور افغانستان
کی تہذیب کا قبضہ رہا ہے۔ اور اب بھی ایرانی، تورانی، افغانی تہذیب کے اثرات ہندوستان کے سب مسلمانوں

میں ہیں۔ عربوں کا اثر محض مذہبی مراسم میں ہے ورنہ معاشرت پر عرب تہذیب کا کچھ بھی اثر نہیں ہے۔ البتہ آج کل عورتوں کی معاشرت پر ہندو تہذیب کا کچھ اثر نظر آتا ہے۔ مگر صرف شادیوں کی مراسم میں ہندو تہذیب داخل ہوئی ہے۔ غذا اور لباس اور رہائش میں ہندو تہذیب کا مطلق اثر نہیں ہے۔

ہندوستان کی شاعری پر ایران کا اثر غالب ہے لیکن یہ اثر بھی افغانستان کے راستے سے آیا ہے اور افغان شعراء نے یا افغانوں کے پڑوسی ترکستانی شعراء نے اس اثر کو چمکایا ہے۔ افغانستان کے مایہ ناز صوفی شاعر حضرت جامیؒ کو ہندوستان کا بچہ بچہ جانتا ہے۔ ایران کے حافظؒ و سعدیؒ سے جامیؒ کی شہرت کچھ کم نہیں ہے۔ اور آگے فرات ہرات کے سلسلہ میں حضرت جامیؒ کے فرار کی کیفیت معلوم ہوگی کہ وہ بھی ہرات (افغانستان) میں فون ہیں۔ عرب تہذیب کا اثر اسلام کی عبادات میں محصور ہے ورنہ فلسفہ مذہب (تصوف) سب کا سب ایران اور افغانستان کے باشندوں نے تیار کیا ہے۔ اور قرآن مجید کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب جو مانی جاتی ہے وہ حدیث کی شہور کتاب بخاری ہے جس کو بخارا کے ایک نو مسلم محمدؒ نے جمع کیا تھا۔ اور بخارا افغانوں کی سرحد سے ملا ہوا مقام ہے۔ اور بخارا کے سابق حکمران آج کل افغانوں کے پیش خوار ہیں اور کابل میں رہتے ہیں۔ فارسی اور اردو شاعری میں بدخشاں کے لعل کا جس کثرت سے ذکر آتا ہے اسکو سب شاعر جانتے ہیں۔ معشوق کے ہونٹوں کو بدخشاں کے لعل سے ہمیشہ تشبیہ دی جاتی ہے۔

ان تمام امور کو مد نظر رکھا جائے تو ماننا پڑیگا کہ افغانستان کی موجودہ سلطنت مسلمانانِ عالم کی عموماً اور مسلمانانِ ہند کی خصوصاً تہذیب کا منبع ہے۔

اس سلسلہ میں یہ لکھنا بھی دلچسپی کا موجب ہوگا کہ افغانستان کے موجودہ حکمران غازی محمدؒ نادر شاہ ہندوستانی ہیں کیونکہ

افغانستان میں ہندوستانی حکومت

وہ ہندوستان کے شہر مقام دہرہ دون میں پیدا ہوئے تھے اور اسی مقام پر انہوں نے پرورش پائی اور ہوش سنبھالا تھا۔ اور اسی لئے وہ نہایت عمدہ اردو بولتے ہیں۔ اور ان کو اردو سے اس قدر محبت ہے کہ اپنے

گھر میں بھی اردو زبان استعمال کرتے ہیں۔

حسنِ نظامی

چشت اور ہرات کے مزارات

ان بزرگوں کے سلسلوں کے مرید ہندوستان و چین
آسام میں کروڑوں کی تعداد تک ہیں اور وہ سب چشتی نظامی
یا چشتی صابری کہلاتے ہیں۔

اس سلسلہ کا چشتیہ نام اس وجہ سے ہوا کہ اس خاندان
کے ابتدائی بانی مقام چشت ملک افغانستان کے رہنے والے تھے
چشت ہرات کے قریب ہے اور ہرات کا راستہ قندھار جاتا ہے۔
میرے سفر افغانستان کے اہم مقاصد میں ایک مقصد تو
بلخ میں حضرت علیؑ کے مزار کی زیارت سے مشرف ہونا تھا۔
دوسرے اپنے سلسلہ چشتیہ کے مرکز و منبع چشت مشرف کو
دیکھنا اور سلسلہ کے بانی اصحاب کے مزارات کی زیارت کرنی
بھی تھی۔ مگر کابل میں جا کر معلوم ہوا کہ بلخ اور ہرات اور چشت

ناظرین کو معلوم ہے کہ ہندوستان میں اشاعت اسلام
کرنے والے حضرت خواجہ سید معین الدین چشتی اجمیریؒ تھے جن
سے اس ملک میں چشتیہ خاندان جاری ہوا۔ اور حضرت کے جانشین
اور خلیفہ اعظم حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکۂؒ ہوئے جن کا
مزار پٹانی دہلی میں قطب مینار کے پاس ہے اور ان کے خلیفہ حضرت
بابا شیخ فرید الدین گنج شکرؒ ہوئے جن کا مزار پاکپٹن ضلع منٹگمری
پنجاب میں ہے اور ان کے خلیفہ اعظم حضرت خواجہ نظام الدین
اولیا محبوب الہیؒ ہوئے جن کا مزار دہلی میں ہے اور جن سے
نظامیہ سلسلہ جاری ہوا۔ اور ان کے دوسرے خلیفہ حضرت
مخدوم غلام الدین صابریؒ ہوئے جن کا مزار کلیر ضلع رٹکی میں ہے
ہے جن سے صابریہ سلسلہ جاری ہوا۔

کا راستہ بہت خراب ہے اور راستہ میں کمی دریا آتے ہیں جن کے پل نہیں ہیں۔ اور موجودہ حکومت ان راستوں کو تیار کرانے میں مصروف ہے اور خزانے چاہا ایک سال میں یہ سب سڑکیں اور پل تیار ہو جائیں گے۔ اس لئے میں نے بلخ و ہرات و چشت جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور قندھار سے واپس چلا آیا۔

مگر جنکو جناب سرور گویا صاحب ہرات اور چشت کے مزارات کے حالات کی نسبت چند کتابیں ملیں تھیں جن کا ذکر میں نے افغانستان کے روزنامہ میں بھی کیا ہے ان کتابوں کو پڑھنے کے بعد میں نے ان اولیاء اللہ اور صاحب مزارات کے حالات سفرنامہ کے لئے ترجمہ کرائے اور ان کو اس سفرنامہ میں درج کر دیا تاکہ سیاح لوگ ہرات جائیں تو ان مزارات کی زیارتوں سے مشرف ہو سکیں۔ اگر خدا تعالیٰ نے توفیق دی اور میں بلخ و ہرات و چشت کا سفر کر سکا تو ان مزارات کی چشم دید کیفیت بھی لکھوں گا اور کتابوں میں کوئی غلطی ہوگی تو اس کو بھی درست کر دوں گا ورنہ سیاحوں کے لئے تو کم از کم یہ احوال دلیل راہ ہو جائیں گے۔

یہ حالات بہت مختصر ہیں اور کتاب کے مصنف نے پوری تفصیل سب بزرگوں کی نہیں لکھی تاہم یہ بھی غنیمت ہے کہ اس کتاب کے ذریعہ ہرات و چشت کے قدیم و جدید بزرگوں کے نام اور مدفن تو معلوم ہو گئے۔ کوئی دوسرا زندہ خدا مفصل حالات بھی لکھ دیکھا۔

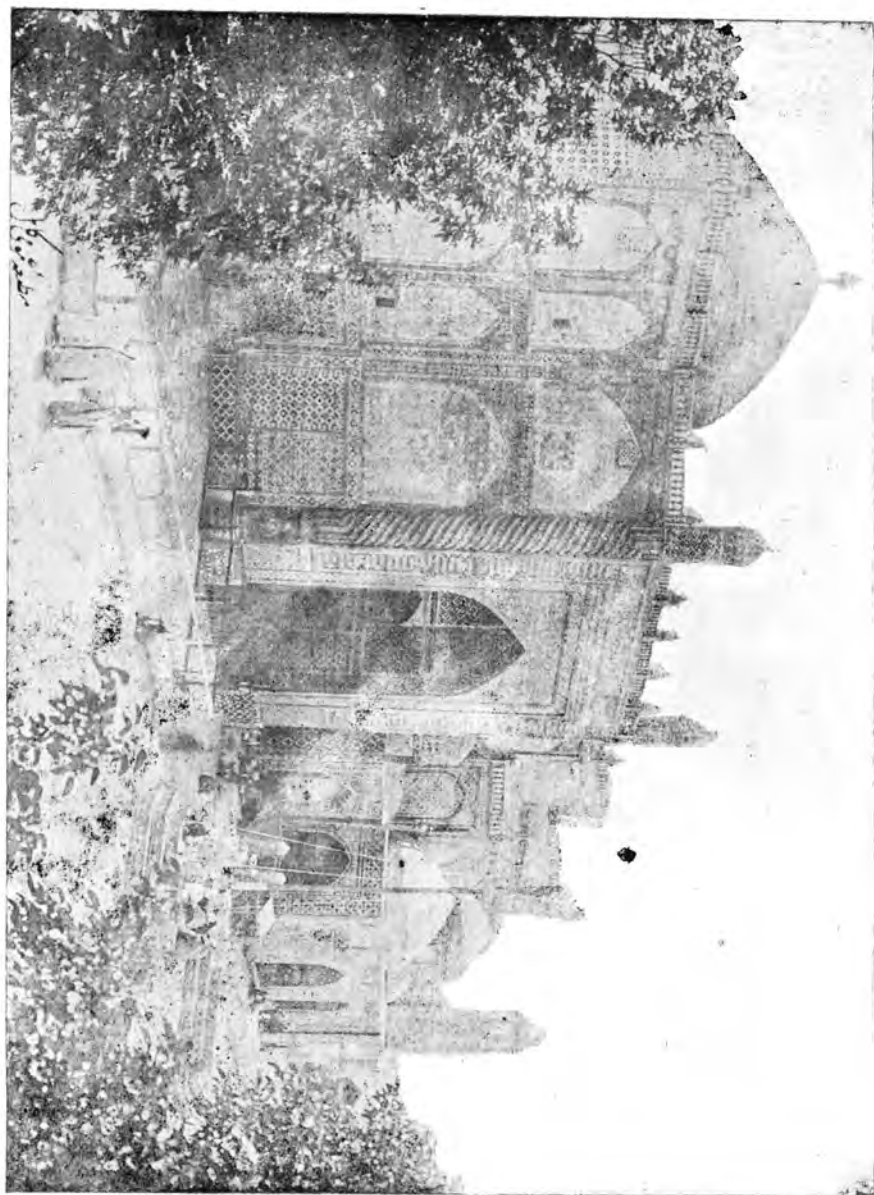
سادات چشت کے تذکرہ میں ان بزرگوں کے حالات کے ساتھ جن کے اسمائے گرامی میرے سلسلہ کے شجرے میں ہیں مختصر نوٹ لکھے ہیں مگر کتاب کی ترتیب میں نقص ہے کہ چشت کے مزارات کو علیحدہ نہیں لکھا اور ہرات کے مزارات کا تذکرہ کرتے کرتے ان بزرگوں کا ذکر بھی لکھ دیا۔ اور پھر ہرات کے مزارات کی کیفیت لکھنے لگے۔ حالانکہ چشت ہرات سے کئی منزل دور ہے اور وہاں مزارات بھی بہت زیادہ ہیں۔ ضرورت اس کی تھی کہ چشت کا تذکرہ کتاب کے آخر میں علیحدہ لکھا جاتا۔

بہر حال جس قدر کیفیت معلوم ہو گئی وہ بھی غنیمت معلوم ہوتی ہے اور میں جناب سرور گویا صاحب کا ممنون ہوں کہ ان کے ذریعہ یہ کتاب مجھے مل گئی اور میں اس کا اقتباس درج کر رہا۔

حسن نظامی



هرات کی ایک مسجد



ہرات کے مزارات

مزار حضرت عبداللہ شہید ایہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی اولاد میں تھے، علم ظاہری اور علم باطنی میں یکساں روزگار تھے بہت بڑے بہادر تھے اور ہمیشہ دعوت و تبلیغ میں مصروف رہتے تھے اصمقان اور نقاس کے لوگوں نے تمام مساجد میں آپ کے نام کا خطبہ پڑھ دیا تھا۔ جس پر فارس کے بادشاہ نے آپ پر فوج کشی کی اور آپ مجبوراً قستان چلے آئے۔ ابو مسلم بادشاہ کا زمانہ تھا جس نے ہرات کے حاکم شہل کو لکھا کہ ”کسی ترکیب سے حضرت عبداللہ کو قتل کر کے ان کے سر کو میرے پاس بھیج دے“ چنانچہ شہل نے آپ کو شہید کر دیا اور سر مبارک کو اُس کے پاس روانہ کیا اور جب رات کو محلہ قطیلان میں دفن کر دیا شہل اس شہادتِ عظیم کے بعد اسی سال نہایت رنج و مصیبت کی حالت میں ایک تکلیف دہ بیماری سے مر گیا اور کہتے ہیں کہ اس کو جہاں کہیں دفن کیا جاتا تھا مٹی اس کو باہر پھینک دیتی تھی۔ اس لئے مجبوراً اس کو حضرت عبداللہ شہید کے مزار کے پائین دفن کیا گیا۔ ہرات کے اولیاءوں میں حضرت عبداللہ رحمہ کا بہت ہی بلند مقام ہے یہ مزار میں سلطان محمد بادشاہ غور نے مزار مبارک پر ایک بڑے گنبد کی تعمیر کرائی۔ اور ۳۱۵ھ میں الدین

حاکم ہرات نے مزار مبارک پر دو بڑی بڑی اویں لگوائی تھیں جن میں حضرت کی شہادت اور روحانیت کے حالات کندہ ہیں۔ شاہزادہ ابوالقاسم حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ صاحبزادے تھے۔ مزار مبارک کی کرامات بہت ہیں۔ جو مراد مند جاتا ہے یا مراد واپس آتا ہے۔ سال شہادت کی تحقیق نہیں ہو سکی اور نہ زندگی کے حالات پورے طور پر معلوم ہو سکے۔ قبر محلہ مضرغ میں ہے۔ امیر حبیب اللہ خاں مرحوم نے ۱۳۲۵ھ میں مزار مبارک کی از سر نو تعمیر کرائی ہے۔ مسجد، خانقاہ، چلہ خانہ، چڑیوں کے گھونسلے اور کبوتروں کی رہنے کی جگہ بنائی گئی ہے طالبان حقیقت فیض حاصل کرنے جوق و جوق آتے رہتے ہیں۔ حضرت **بی بی تہی** ایہ نام اصل میں بی بی سیدانی تھیں کثرت استعمال سے بی بی تہی ہو گیا ہے۔ یہ اپنے زمانے کی بہت ہی بزرگ، مستجاب الدعوت اور مشہور ترین ولی خاتون تھیں۔ بازار خوش میں دفن ہیں۔ ہزاروں عقیدت شعار زیارت کے لئے آتے ہیں۔ اور مشہور ہے کہ کوئی بھی نامراد واپس نہیں جاتا ۱۵۵۰ھ میں انتقال ہوا تھا۔ میرزا سعید شاہ رحمہ نے قبر پر ایک بڑی عمارت اور مسجد تعمیر کرائی ہے۔



حضرت امام عبداللہ الواحد حضرت کے سلسلہ نسب کے متعلق

اختلاف ہے۔ بعض مورخ کہتے ہیں کہ آپ حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ عبداللہ بن زید بن حضرت امام حسن بن حضرت علی کرم اللہ وجہہ رضی اللہ عنہم۔ آپ کے مزار پر ایک قدیمی لوح لگی ہوئی ہے۔ اس پر بھی یہی لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ زید بن حضرت امام حسن بن علی اولاد ہیں مزار مبارک کی بہت سی کراتیں مشہور ہیں۔ ۸۸۸ھ میں انتقال فرمایا۔ شیخ ابو نصر بزرگ نے حضرت سرور کائنات کو خواب میں دیکھا جو آپ کو حضرت عبداللہ الواحد کا مزار ہرات کے محلہ خچہ آباد میں بتلا رہے تھے۔ سلطان حسین مرزا قوجانی نے مزار پر لوح کندہ کرائی اور روضہ کی اور سراج الملتہ والدین امیر حبیب اللہ خاں نے مزار کی درستگی اور از میر نو تعمیر کی۔ حضرت عبداللہ الواحد رضی اللہ عنہ اور تاریخ کے بہت ماہر تھے۔

حضرت خواجہ ابوالولید علوم ظاہری و باطنی کے استاد تھے

خاص بات کہ قدیمی باشندے تھے حضرت امام بخاریؒ کے صاحبزادے اور محدث قت الدائم دارانی معروفندی کے حدیث میں استاد تھے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی صحبت میں رہتے تھے۔ ۳۵۰ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ کی قبر مشہور و معروف ہے سلطان محمد غوری نے مزار پر ایک عالی شان عمارت تعمیر کرائی تھی۔ اور بھی کئی بادشاہوں نے مزار کے ارد گرد بہت سی عمارتیں بنوائی تھیں جو سب موجود ہیں اور جس میں قرآن مجید کی تعلیم اور علوم دینی کی اشاعت کے لئے ایک مدرسہ قائم ہے۔ سلطان سعید ابن امیر تیمور گورگاں ہر چار شنبہ کو مزار کی حاضری دیتا تھا اور ہر باد

اور بیماری و مجبوری اسکے معمول میں حاج نہیں ہوتی تھی۔

حضرت خواجہ علی عراق کے رہنے والے تھے۔ اور حضرت

ذوالنون مصریؒ کی صحبت سے فیض حاصل کیا تھا۔ عراق سے ۸۰۰ حج پیدل گئے تھے۔ خدا کے عشق میں فنا تھے۔ ۶۹۵ھ میں انتقال فرمایا۔ محلہ درب قطبی چاق میں مدفون ہوئے۔ میرزا حاجی محمد عظیم خاں ایک خوش عقیدہ افغان سردار نے مزار کے ارد گرد پختہ چار دیواری بنوائی ہے۔

حضرت خواجہ رنج بند خواجہ محمد یوسف نام تھا۔ لیکن

چونکہ دنیا کو دیکھنا پسند نہ کرتے تھے اور ہمیشہ اپنے چہرہ پر ایک نقاب ڈالے رکھتے تھے اس لئے رنج بند مشہور ہو گئے تھے۔ پہلے کوئی شخص مزار کے قریب سوار ہو کر نہیں گزرتا تھا۔ وسط شہر میں ایک مسجد میں مدفون ہوئے جس کا نام بھی مسجد رنج بند ہے۔

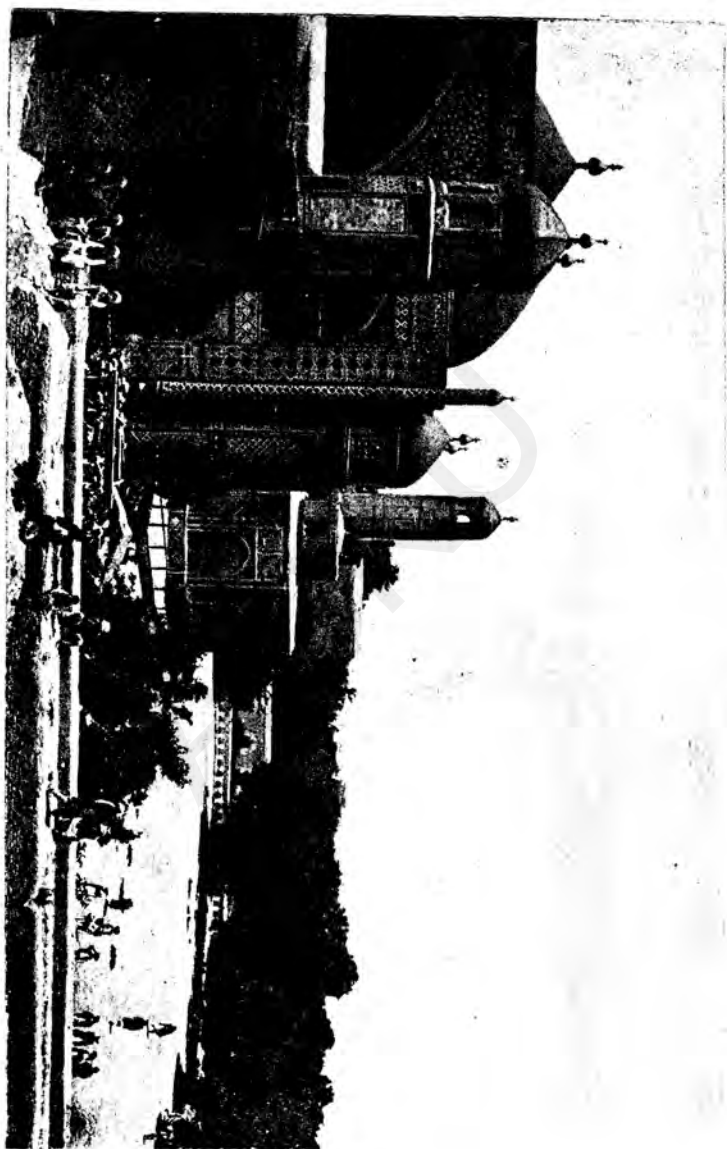
حضرت امام ابو الحسن کردی بہت بڑے محدث

نقیہ حافظ اور زاہد تھے۔ کہتے ہیں کہ ۸۰ ہزار حدیثیں یاد تھیں۔ اپنے وقت کے اجل عالم تھے۔ ۳۵۵ھ میں انتقال فرمایا۔ ہرات میں ہی دفن ہوئے۔ لیکن مزار مبارک کا تعین نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت شیخ ابوالمہاشم رازیؒ علم لغت اور فن ادب میں بے نظیر تھے۔ ۷۰۰ھ میں انتقال فرمایا۔ درب خوش محلہ میں مزار ہے۔

حضرت سید ابو عبد اللہ المختار مشائخ و سادات ہرات میں تھے

علم صورت و معنی کے زبردست عالم تھے۔ صاحب کرامات بزرگ تھے۔ ۷۰۰ھ میں وفات ہوئی۔ ہرات کے کوہ شمال پر سر کوہ

مزار مبارک سیدنا حضرت علی عرواضہ علیہ السلام دہلی افغانستان
مزار شریف ہ صوبہ اسی مزار کے صف مزار شریف مشہور ہے



ایک عالیشان عمارت میں مدفون ہوئے۔

حضرت عثمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ علمِ تصوف اور تمام ظاہری و باطنی علوم کے ماہر تھے۔ شافعی تھے۔ ہرات کے مشائخ نے آپ سے زانوئے تلمذ لے لیا تھا۔ ۸۸۰ھ میں انتقال ہوا۔ مقبرہ خیابان میں مدفون ہوئے لیکن اب قبر کا تعین نہیں کیا جاسکتا۔

حضرت ابو سعید مہین رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے متقی اور پرہیزگار آدمی تھے۔ علومِ ظاہری و باطنی میں کمال حاصل تھا۔ آپ کی تصنیفات مشہور ہیں۔ ۸۹۰ھ میں انتقال فرمایا اور دربِ خوش میں مدفون ہوئے جہاں آپ کا خاندان اور دیگر بزرگانِ دین بھی مدفون ہیں۔

حضرت شیخ عبد الرحمن رحمۃ اللہ علیہ ہرات کے نامور بزرگوں میں ہیں۔ سال تک ایک مسجد میں رہے۔ دن کو روزہ رکھتے تھے اور تمام رات جاگ کر خدا کی عبادت کرتے تھے۔ سال وفات معلوم نہ ہو سکا۔ مقبرہ دربِ خوش میں حضرت ابو سعید کی قبر کے قریب دفن ہیں۔

حضرت شیخ ابو المعانی مختار رحمۃ اللہ علیہ سید ابو عبد اللہ مختار کے صاحبزادے ہیں۔ زبردست عالم اور باکمال عابد و زاہد تھے۔ سال وفات معلوم نہیں۔ اپنے والد کے پائین کوہ شمال پر مدفون ہوئے۔

حضرت فقیہ عثمان مرغومی رحمۃ اللہ علیہ حضرت سید عبد اللہ مختار کے صاحبزادے ہیں۔ بہت خداترس اور نیک تھے۔ سال وفات معلوم نہیں۔ حضرت سلطان عبد اللہ الواحد کے پائین مدفون ہے۔

میں مدفون ہوئے۔ آپ کا دفن مبارک قبلہ حاجات کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت شیخ عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ ظاہری اور باطنی علوم سے واقف تھے۔ ۸۰۰ سال خدائی عبادت میں بسر کئے۔ ۸۸۰ھ میں انتقال فرمایا اور مقبرہ خیابان میں باپ کے قریب دفن ہوئے۔

حضرت شیخ محمد رحمۃ اللہ علیہ حضرت عثمان دارانی کے فرزند ارجمند تھے۔ علومِ ظاہری و باطنی میں باپ کی پوری تصویر تھے۔ ۸۸۰ھ میں انتقال فرمایا اور مقبرہ خیابان میں باپ کے قریب دفن ہوئے۔

حضرت ابو علی حامد رحمۃ اللہ علیہ علمِ فقہ اور تمام علومِ اسلامی میں ماہر تھے۔ خاص و عام میں مقبول تھے۔ ہمیشہ وعظ و نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ ۸۵۰ھ میں انتقال ہوا۔ دربِ خوش میں دفن ہے۔

حضرت شیخ ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہ پورا نام ”قطب الوقت شیخ ابدال ابو اللیث خوشنوی“ ہے۔ سادات میں تھے۔ پیدل حیات کرتے تھے۔ عارف باللہ اور صاحبِ کرامت تھے۔ مقبرہ خیابان کے قریب بلندی پر قرار شریف ہے۔ مریدوں کی قبریں آپ کے چاروں طرف ہیں۔

حضرت شیخ محمد گادری رحمۃ اللہ علیہ اکابرِ وقت میں تھے۔ بزرگانِ دین نے شیخ موصوف کی بہت تعریف لکھی ہے سال وفات نامعلوم ہے۔ مقبرہ خیابان میں مدفون مشہور ہے۔ شیخ صاحب کے والد گادری کرتے تھے چنانچہ جب آپ کا انتقال ہوا تو باپ نے سنگ گادری قبر پر نصب کیا جو اب تک موجود ہے۔

حضرت شیخ ابوالعباس رضی

یہ بزرگ شیخ الاولیاء حضرت محمد ابوالعباس غوری کے نام سے مشہور ہیں۔ روشن دل لوگوں میں تھے سال وفات نامعلوم ہے۔ غوران گاؤں کے محلہ مبلوکہ گذر میں مزار شریف ہے۔

حضرت شیخ ابوزید مرغزی | قدوة المشائخ پکارے جاتے ہیں

صاحب کشف تھے۔ بہت سی کرامتیں صادر ہوئی ہیں۔ علم تصوف کے ماہر تھے۔ حضرت امام شافعیؒ سے سلسلہ تلمذ تھا اور ان کی صحبت میں معرفت کی منزل میں قدم رکھا تھا۔ سال وفات نامعلوم ہے۔ جامع ہرات کے مغربی حصہ میں مزار شریف ہے۔

حضرت شیخ ابوعبداللہ مالانی رضی | محدث تھے۔ اور جب حج کر کے

واپس آئے تو تمام اہل ہرات نے آپ سے بیعت کر لی۔ صاحب فیض تھے۔ سال وفات معلوم نہیں۔ طلقان مالان میں آپ کا مزار مشہور و معروف ہے۔

حضرت شیخ ابونصری ہروی رضی | بزرگان کا زنگاہ سے ہیں بہت

بڑے عابد و زاہد اور یکجا وقت عالم تھے۔ سال وفات نامعلوم ہے۔ ہزار کا زنگاہ میں ہے لیکن وہ بھی غیر متیقن۔

حضرت خواجہ قریبچہ ہراتی رضی | صاحب ولایت بزرگ تھے اور

شیخ الحی والدین مشہور تھے۔ ۷۳۰ھ میں انتقال فرمایا۔ مدفن کا زنگاہ شریف میں ہے۔ بزرگان دین نے حضرت خواجہ کے بہت سے مناقب بیان کئے ہیں۔

حضرت خواجہ خیرچہ رضی | ہندوستان سے تشریف لائے تھے مستجاب

الدعوة تھے۔ غلام تھے لیکن آپ کی بزرگی کو دیکھ کر آقا نے آزاد کر دیا تھا۔ قطب زمانہ تھے۔ آپ کے مزار پر چو آکھوں کا مریض جاتا اور دعا کرتا ہے تو وہ کامیاب لوٹتا ہے۔ ہرات کی شمالی مشرقی جانب مزار مبارک ہے۔ سال وفات معلوم نہیں ہو سکا۔

حضرت خواجہ ابوعبداللہ طاقی رضی | ملک سجستان کے شہر طاق

کے رہنے والے تھے اور ہرات تشریف لے آئے تھے۔ ہزار باکمالوں کی خدمت میں رہ کر فیض حاصل کیا تھا۔ جنبلی تھے۔ اور علوم طریقت و حقیقت اور شریعت میں بہت ہی بلند درجہ رکھتے تھے۔ بے شمار کرامتیں حضرت کی طرف منسوب ہیں۔ ۷۱۳ھ

میں انتقال فرمایا اور در ب خوش میں مدفون ہوئے۔ بہت سے ادشاہوں نے آپ کے مزار کے ارد گرد عمارتیں بنوائی ہیں۔

حضرت امام عبداللہ رضی | محدث اور بڑے زاہد تھے۔ ہرات

کے مشائخ اولیاء میں شمار کئے جاتے ہیں۔ صحابہ کی طرح زندگی بسر کرتے تھے۔ ۷۳۰ھ میں انتقال فرمایا۔ مدفن معلوم نہیں۔

حضرت شیخ یحییٰ بن عمار سجستانی رضی | علوم ظاہری و باطنی

میں کمال رکھتے تھے۔ اہل ہرات کے پیشوا اور سالک تھے۔

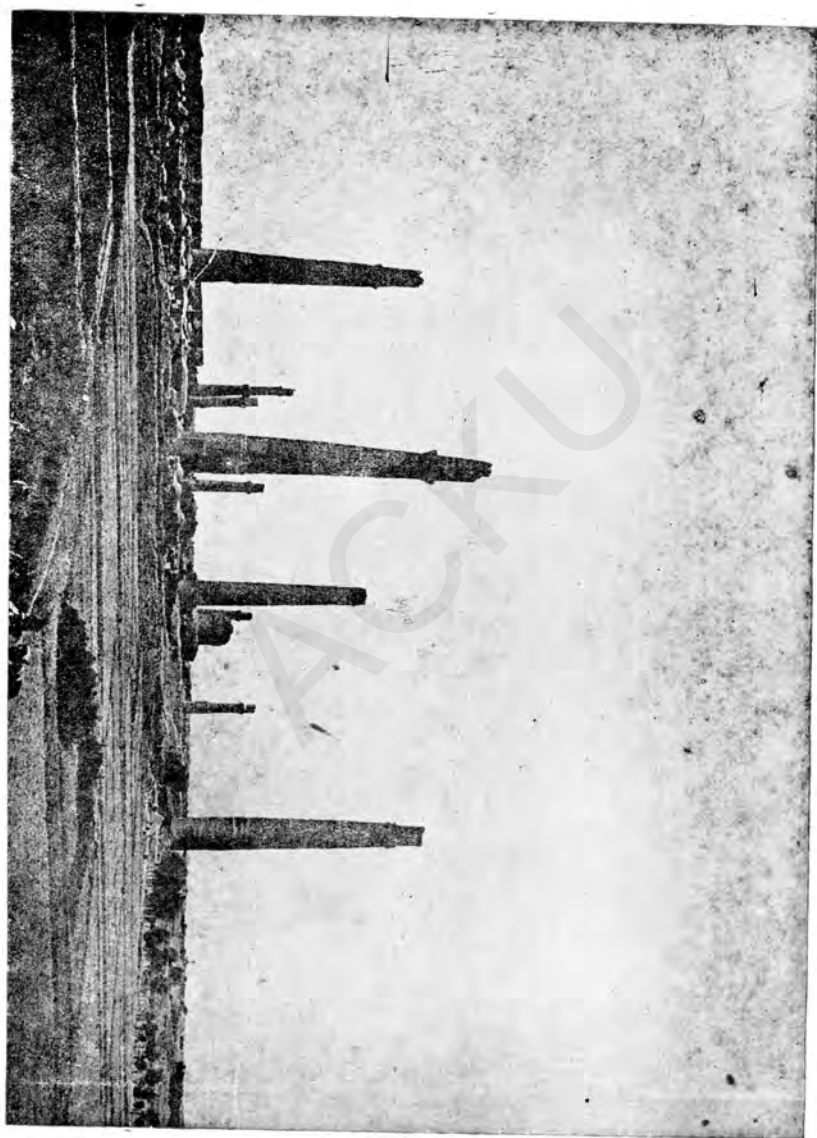
۶۰ سال تک مسلمانوں کو نصیحت فرماتے رہے۔ ۷۲۲ھ میں انتقال فرمایا۔ اور مقبرہ خیابان میں دفن ہوئے۔

حضرت خواجہ عبدالرحیم رضی | حضرت خواجہ عبداللہ انصاری رضی

کے استاد تھے۔ بہت بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ دشت یلان میں مزار شریف ہے۔ سال وفات نامعلوم ہے۔

2100

ہرات کی قدیمی یادگار
جسکی نسبت کہا جاتا ہے کہ ہندوؤں کی حکومت کے زمانہ کی ہے



حضرت شیخ عمور شیخ ابوالسمیل احمد نام تھا لیکن شیخ عمور کے نام سے مشہور تھے۔ محدث تھے۔ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔ ۶۰ سال کی عمر پائی تھی۔ ۷۸۰ھ میں انتقال فرمایا۔ گانگاہ شریف میں قبہ ہے۔

حضرت حاجہ عبداللہ انصاری حضرت ابوالیوب انصاری کی اولاد میں ہیں۔ آپ کے بزرگ حضرت عثمانؓ کی خلافت میں ہرات تشریف لائے تھے۔ عربی کے بہت بڑے شاعر تھے۔ کہتے ہیں کہ ساٹھ لاکھ اشعار عربی میں آپ نے کہے۔ بہت ہی کم عمر میں حدیث، فقہ، ادب اور تمام اسلامی علوم کے ماہر ہو گئے تھے۔ بہت سی کتابوں کے مصنف تھے۔ نفس کو مارنے کے لئے بار بار گھاس کھاتے تھے۔ ۸۰۰ھ میں انتقال فرمایا۔ سلطان ابوسعید مرزا نے آپ کی قبر پر ایک عالیشان عمارت اور ایک بڑی مسجد تعمیر کروائی۔ اور بھی بادشاہوں نے مزار کے ارد گرد بہت سی عمارتیں بنوائی ہیں۔ مزار مبارک بہت ہی پُرانہ ہے۔

حضرت شیخ ابو حفص غوری بہت باہمیت بزرگ تھے بے شمار کرامتیں آپ کی طرف منسوب ہیں۔ سال وفات نامعلوم ہے۔ مزار مبارک قرینہ غورمان میں ہے۔

حضرت شیخ ابوبشر گواشانی مشہور ہے کہ آپ کبوتروں سے بات فرمایا کرتے تھے اسی لئے آپ ”پیر کبوتر“ بھی مشہور ہیں۔ سال وفات نامعلوم۔ قرینہ گواشاں میں مزار ہے۔

حضرت عبداللہ کہین اور **عبداللہ مہین** یہ دونوں

بزرگ حضرت خواجہ عبداللہ انصاری کے بڑے تھے۔ سال وفات نامعلوم ہے۔ قرینہ گواشاں میں دونوں کے مزارات ہیں۔

حضرت شیخ احمد کھدستانی صاحب ولایت تھے۔ سال وفات نامعلوم۔ قرینہ کھدستان میں مدفون ہیں۔

حضرت شیخ ابوالحسن بچار بچار تھے اور بڑے بزرگوں میں تھے سال وفات اور قبر و دونوں نامعلوم ہیں۔

حضرت خلیفہ کورت اپنی قوم کے سردار تھے۔ بہت سے بزرگوں سے فیض حاصل کیا تھا۔ حضرت عبداللہ انصاری آپ کے ہاں اکثر مہمان رہتے تھے۔ قرینہ کورت میں مدفون ہیں۔

حضرت شیخ احمد کوفانی صاحب کمال و حال تھے۔ کوفان گاؤں میں دفن ہیں۔

حضرت میر محمد کشور ہرات کے اکابرین میں تھے۔ حضرت عبداللہ انصاری نے اپنی تصنیفات میں آپ کے بہت سے مناقب بیان کیے۔ **حضرت محمد شکر** صاحب حال و قال پیروں میں تھے سال وفات اور قبر کا پتہ نہیں ہے۔

حضرت ابوسعید مالانی علم حدیث میں حضرت عبداللہ انصاری کے استاد تھے۔ زبردست بزرگ تھے۔ سال وفات ۸۱۰ھ ہے۔ ”زیارت گاہ“ میں مدفون ہیں۔

حضرت شیخ ابوالحسن خداوند سادات میں ہیں۔ خاص ہرات کے باشندے تھے۔ شادی نہیں کی تھی۔

حضرت شیخ ابو منصور سوختہ بہت زاہد اور پرہیزگار آدمی

اہل فضل تھے۔ خیابان میں قبر ہے۔

شیخ نبطا، نوبادانی رضی عالم و کامل اور بزرگانِ سادات

عظام میں تھے۔ علم و رویشی کے ماہر تھے۔ نوبادان گاؤں میں رہے۔
حضرت ویش محمد خیاٹ رضی خواجہ عبداللہ انصاریؒ اپنی تصنیفات

میں آپ کی مجدد تعریف لکھی ہے۔ بڑے بزرگوں میں شمار ہوتے تھے۔

شیخ نبطا، جولاہہ رضی اکابرین ہرات میں تھے۔ گورستان

درب خوش میں مدفون ہے۔

شیخ ابو عبداللہ عمری رضی اپنے وقت کے بڑے عالم و

فاضل اور بڑے زاہد و عابد تھے۔ ۸۵۷ھ میں انتقال فرمایا اور دربار

خوش میں دفن ہوئے۔

شیخ عبدالمادیؒ شیخ الاسلام حضرت عبداللہ انصاریؒ کے

فرزند اچھے تھے۔ تمام ظاہری اور باطنی علوم سے آراستہ اور تقویٰ

و زہد و فضل میں شہرہ آفاق تھے۔ چند محدثوں نے آپ کو شہید

کر دیا تھا اور ایک غیر مشہور مقام پر دفن کر دیا تھا لیکن جب محدثوں

کا زور کم ہوا تو آپ کے عقیدہ مندوں نے قبر سے نکال کر حضرت عبداللہؒ

انصاریؒ کے پہلو میں دفن کر دیا۔

شیخ ابونصر خجی آبادی رضی شیخ الاقطاب اور مرشد

السالکین کے لقب سے مشہور ہیں۔ انتہائی بلند درجہ اولیاءوں

میں تھے۔ کرآن کے رہنے والے تھے۔ نہایت صاف دل و شن ضمیر

انسان تھے۔ برسوں یا دہائیوں میں روتے رہے اور زمانہ دراز تک

معبود حقیقی کی لگن میں ملک و ملک میر کرتے رہے یہاں تک کہ

حضرت نبی اکرمؐ نے ایک بار آپ کو خواب میں فرمایا کہ اے ابونصر

ہرات جا اور شادی کر۔ تیری تین اولادیں ہوں گی۔ تب یہ بزرگ

ہرات تشریف لائے۔ ایک سو بیس سال کی عمر پائی۔ آپ کی

کرامتیں حد بیان سے باہر ہیں۔ ۷۵۷ھ میں وفات پائی اور

حضرت سلطان میر عبداللہ الواحدؒ کے پہلو میں دفن کئے گئے۔

حضرت سلطان مجد الدین رضی کامل اولیاءوں میں شمار کئے

جاتے تھے۔ حضرت امام فخر الدین رازیؒ آپ کی زیارت کے لئے

ہمیشہ تشریف لاتے تھے۔ سال وفات معلوم نہیں شہر ہرات

کے وسط میں مزار تشریف مشہور ہے۔

شیخ ابوشجاع کرمانیؒ علما، الدولہ والدین لقب ابوشجاع

کنیت اور اسم مبارک محمد ابن سعود ہے متوکل اور صابر تھے۔ ساری

زندگی غربت میں بسر کی۔ ۷۵۷ھ میں وفات پائی۔ دربار خوش

میں مدفون ہوئے۔

حضرت خواجہ تراز و دارؒ ہرات کے شائخین میں تھے

خدا ترس اور رحمدل بزرگ تھے۔ مخلوق کی نظروں سے پوشیدہ

رہتے تھے۔ اور ایک دکان کھول رکھی تھی جس کی وجہ سے

تراز و دار مشہور ہو گئے تھے۔ جب انتقال ہوا تو دکان میں ہی مدفون

ہوئے۔

حضرت امام فخر الدین ازہریؒ فخر الحق و اللہ الدین

قوم نے خطاب دیا تھا۔ ابوعبداللہ کنیت اور محمد بن عمر الرانیؒ

گرامی تھا۔ اسلام کے درجہ اول کے علماء میں تھے۔ اپنے وقت کے

هرات کا منارہ



سب سے بڑے عالم اور محقق اور مفسر قرآن تھے۔ قرآن مجید کی سب سے بڑی اور اعلیٰ ترین ”تفسیر کبیر“ کے مصنف کی حیثیت سے حیات جاودا حاصل کر چکے ہیں۔ علوم منقول و معقول میں بے شمار اعلیٰ اور ضخیم کتابوں کے مصنف ہیں۔ روشن ضمیر اور علم لدنی کے حامل تھے۔ ہر جمعہ کو جامع ہرات میں مسلمانوں کو نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ سلطان غیاث الدین غوری نے آپ کے درس کے لئے جامع ہرات تعمیر کروائی تھی۔ ۵۴۲ھ میں ۲۵ رمضان المبارک کو پیدا ہوئے اور ۵۴۳ھ روزِ دوشنبہ عید الفطر کو اسی ملک بنگالہ میں کتے میں کہ انتقال کے وقت حضرت علامہ اعظم نے حسبِ قیل و رباعی ارشاد فرمائی تھی۔

ہرگز دل میں ز علم محروم نہ شد کم نازد اسرار کہ مفہوم نہ شد
مہقا دو و علم و خوش اندیش نہ شد معلوم نہ شد کہ هیچ معلوم نہ شد
آپ کی خوابگاہ مبارک ”خیابان“ میں ہے۔

سلطان میر غیاث الدین | بادشاہ و وقت تھے زندگی کی ایک ایک ساعت یاد الٰہی میں بسکی۔ اسلام کی ترقی کے لئے جہاں گئے۔ اور علماء کرام کی خدمت کی مسجد جامع ہرات کی تعمیر کی اور ایک مدرسہ غیاثیہ قائم کیا جس میں حضرت مازی جیسے علامہ دو راں در دیا کرتے تھے۔ روشن ضمیر اور خدا ترس اور نیک سیرت تھے۔ اور علم دین کے خدام بادشاہوں میں ممتاز درجہ پر تھے۔

شیخ محمود رضا | فارس کے مشہور نقیب برقی کے باشندے تھے زہد و تقویٰ میں ہرات کے مشائخ میں شمار ہوتے تھے خواجہ ہرگزوں

میں ایک بڑے مقبرہ کے اندر دفن ہیں۔ شیخ الاصغیر کمالِ ملت والدین ”لقب مشہور ہے۔

شیخ سیف الدین ترک | شای عاتقان سے تھے مجذوب ہو گئے تھے بے شمار کرامتیں آپ کی طرف منسوب ہیں۔ ہر ایک کسب باشندے آپ کے مرید تھے۔ گارز گاہ شریف میں مدفون ہیں۔

حضرت ویش داد بابو | اصل نام حاجی محمد ہے۔ لیکن سلطان غیاث الدین نے داد بابو کا خطاب دیا تھا۔ مصر کے رہنے والے تھے اور چٹروں کو وباغت دیتے تھے۔ یاد الٰہی کا جذبہ پیدا ہوا سچوٹ چھاڑ ہرات چلے آئے۔ مدفن مبارک دربِ قلبی چاق میں ہے۔

حضرت میر حسینی | سید اور عالی نسب ہیں۔ شیخ زکریا الدین کے سلسلہ سے حضرت زکریا ملتانی رحمہ اللہ کے مریدوں میں تھے۔ زہد و تقویٰ میں شہرہ آفاق تھے۔ علوم اسلامی کے ماہر تھے۔ بہت سی کتابیں تصنیف فرمائی تھیں جن کا فیض اب تک جاری ہے حضرت عبداللطیفار کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

حضرت لعینا عبد الرحیم | اچڑیم کے نام سے مشہور ہیں۔ بہت ہی ہوش عالم اور یگانہ روزگار استاد تھے۔ جو کہتے تھے پھر اس کے خلاف کبھی نہیں کرتے تھے۔ غوری بادشاہوں نے حق پرستی کے جرم میں ۳۳۰ھ میں آپ کو شہید کر دیا۔ مزار مبارک جو اجابت ٹھکانے مشہور ہے خیابان میں واقع ہے۔

حضرت لعینا ظہیر الدین غوری | غور کے باشندے تھے۔ ہذا کو کے واقعہ کے بعد ہرات چلے آئے تھے۔ صاحب کمال بزرگ تھے

۱۔ بارج کیا تھا حضرت ابو بکر صدیقؓ کی اولاد میں تھے۔ ۳۳ھ میں انتقال ہوا۔ حضرت "پیر تسلیم" کے پہلو میں خیابان میں دفن کئے گئے۔
 ۲۔ شیخ ابو نصر جامیؒ جام اور نیشاپور آبائی وطن تھا۔ ہرات میں تربیت پائی۔ علم حدیث اور تصوف کے ماہر تھے۔ ۷۰۰ھ بارج کیا۔ صاحب حال تھے۔ ۸۲۰ھ میں انتقال فرمایا۔ دربار فیروز آباد کی خانقاہ میں مدفون ہے۔

۳۔ شیخ قیام الدین بسطامیؒ حضرت سلطان بایزید بسطامی تک سلسلہ طریقت پہنچتا ہے۔ امام وقت اور زبردست عالم اور صاحب فیض بزرگ تھے۔ ۷۳۰ھ میں انتقال فرمایا اور حسب وصیت خیابان میں حضرت فخر الدین رازمیؒ کے قریب دفن ہوئے۔
 ۴۔ مولانا محمود مرغابیؒ قطب الاولیاء والافانہ و لقب

مشہور ہے۔ زبردست عالم اور یکاثر روزگار بزرگ تھے۔ ۷۸۰ھ میں وفات ہوئی اور ہرات کے مشہور معروف گاؤں مرغابیہ میں دفن ہوئے۔
 ۵۔ قاضی جلال الدین محمودؒ علم فقہ کے ماہر اور ہرات کے قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) تھے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی اولاد میں تھے۔ بڑے متقی اور پرہیزگار تھے۔ بادشاہان وقت کے خدمت میں تھے۔ اور ملک کی تعلیمی ضرورتوں میں آپ کے مشورہ کو قبول کرتے تھے۔ ۸۵۰ھ میں انتقال فرمایا اور حضرت خواجہ عبداللہ انصاری کے قریب دفن کئے گئے۔

۶۔ شیخ سیف الدین خلوتیؒ علوم ظاہری و باطنی میں بالکمال تھے۔ صاحب کرامت بزرگ تھے۔ ۸۵۰ھ میں وفات

پائی اور مزار خلو تیاں میں مدفون ہوئے۔

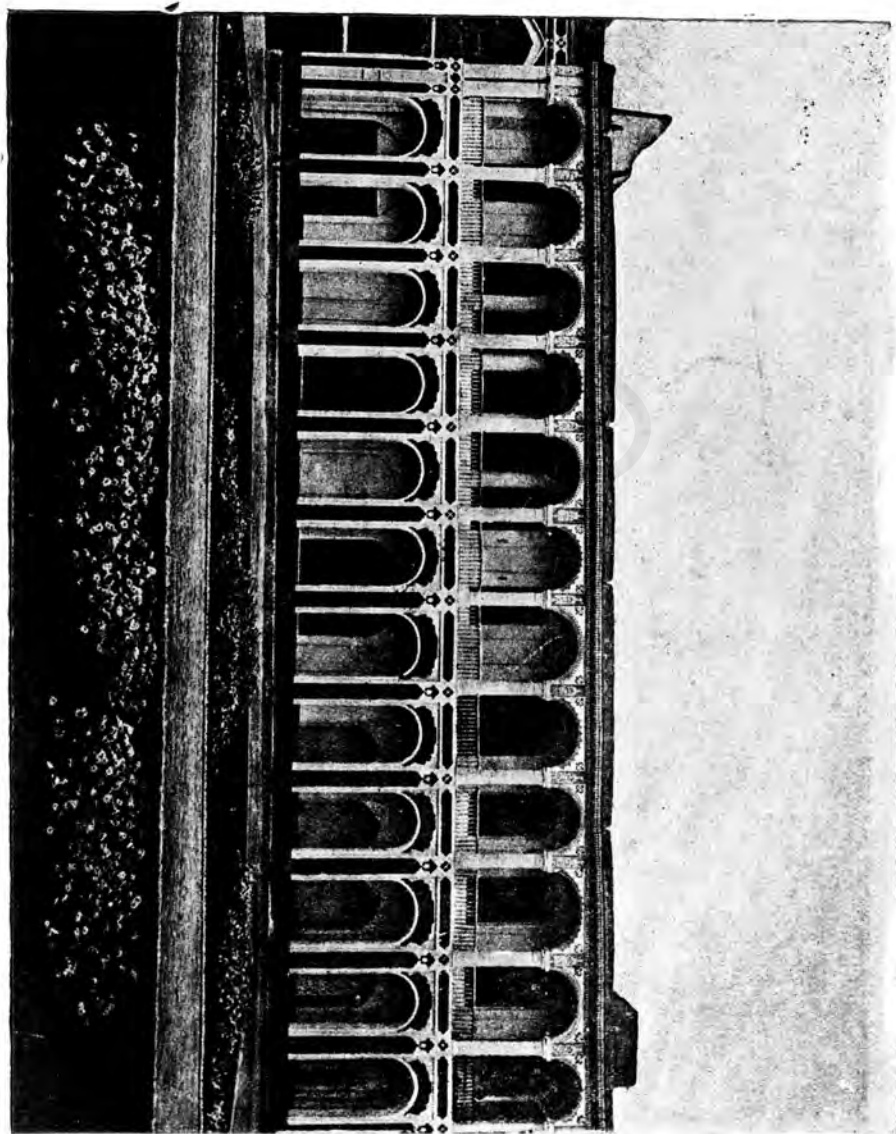
۷۔ شیخ ظہیر الدین خلوتیؒ علم قرأت میں استاد وقت تھے اور بہت پرہیزگار تھے۔ ۸۵۰ھ میں انتقال فرمایا اور مزار خلو تیاں میں دفن کئے گئے۔ مزار خلو تیاں میں لان دونوں بزرگوں کے علاوہ بے شمار بزرگوں کے مزارات ہیں۔

۸۔ مرغابی محمد و انخی محمودؒ مجذوب تھے اور ہر شخص کے دل کی بات بتلا دیتے تھے۔ کوہ مختار میں مزار پر انوار ہے۔

۹۔ شیخ پیر لقمانؒ مہر و حقیقی کی لگن میں ہندوستان سے ہرات آئے تھے۔ لقمہ کے نام سے مشہور ہو گئے۔ کیونکہ نفس کشی کے لئے آپ نے اعلیٰ کھانوں کا استعمال چھوڑ دیا تھا۔ اور نمک، صابون، مٹی کے ڈلے اور کنکریاں جو کچھ ملتا اس کو کھا لیتے تھے اور ہمیشہ اپنے نفس سے خطاب کرتے تھے۔ اے نفس! خذ لے تجھ کو یہ غذا دی ہے اگر کھانا چاہے تو کھالے ورنہ چھوڑ دے۔ بڑے صاحب کرامت بزرگ تھے۔ ایک دفعہ چند تاجروں کا قافلہ دریا سے کشتی پر پار ہو رہا تھا کہ طوفان آیا اور کشتی بالکل ڈوبنے کے قریب ہو گئی۔ تاجروں کا بیان ہے کہ اس وقت سطح دریا پر حضرت پیر لقمانؒ نمودار ہوئے اور کشتی کو ڈوبنے سے بچا لیا۔ سال وفات معلوم نہیں مزار مبارک خیابان میں ہے۔

۱۰۔ حضرت ویش مسافرؒ بڑے صاحب حال بزرگ تھے۔ چالیس سال تک ہر نماز کے لئے غسل کیا کرتے تھے۔ مقبرہ خیابان میں گورنر شاد دیکھ بنت امیر غیاث الدین کے مدرسہ کے سامنے مدفون ہیں۔

چار باغ هرات



مسجد شریف متبرعہ عالم تھے اور اپنے وقت کے چیدہ

چیدہ علماء کے درس سے فیض حاصل کیا تھا۔ ۸۰ سال تک ہرات میں فتویٰ لکھتے رہے۔ روشن ضمیر و روشن دماغ تھے۔ ۸۵۰ھ میں انتقال فرمایا اور مقبرہ خیابان میں دفن کئے گئے۔

میرزا حسیناحسام الدین العبدی محدث عالم اور بڑے بزرگ تھے۔ ۸۵۰ھ میں انتقال فرمایا اور حضرت سید اسادات شاہ زادہ عبداللہ کے گنبد میں مدفون ہوئے۔

حشیاہ زادہ فرخ بن خاقان مجاہد تھے اور حق گو تھے۔ اسلامی حکومت نے حق گوئی کے جرم میں شہید کر دیا تھا۔ دروازہ خوش کے قریب مدفون ہے۔

میرزا عبد اللہ مصری اکابر اولیاء میں تھے۔ ہلاکت آپ کو شہید کر دیا تھا۔ ایک غار میں جو آپ کے نام پر موسوم ہے آپ کا مدفون ہے عجیب پُر اثر مقام ہے۔

میرزا محمد مخفی بہت بڑے بزرگ تھے لیکن ہمیشہ مخفی رہتے تھے کوئی آپ کی حقیقت سے واقف نہ تھا۔ مزار مبارک در باب قطب چاق میں آستانہ مراد محل کے قریب ہے۔

مسجد چار شنبہ حضرت خواجہ عبداللہ مصری کے مزار کے قریب یہ مشہور اور متبرک مسجد ہے۔ اس کے ایک گوشہ میں بیسویں اولیاء اللہ کے مزارات ہیں۔ بڑا متبرک مقام ہے۔ ہر چار شنبہ کو اہل ہرات زیارت کے لئے آتے ہیں اور اس کو آستانہ مراد کہتے ہیں۔ **مسجد گنبد خواجہ نور** اس مسجد کے قریب ایک چشمہ

ہے۔ اور یہ مسجد خواجہ نور کے نام سے مشہور ہے۔ دوشنبہ کے دن لوگ دو رکعت نماز پڑھ کر دعا مانگنے جاتے ہیں۔ مشہور ہے کہ یہ مقام چار ہزار سال سے مختلف مذاہب کے لوگوں کا تبرک مقام رہا ہے۔ یہاں پہلے شمار بزرگوں کے مزارات ہیں۔ اس پاس چلے خانے اور خانقاہیں بنی ہوئی ہیں۔ یہ مقام عید مسیب اور ہر عید کے کوئی شخص تنہا جاتے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ یہ مقام ہرات کی مشہور زیارت گاہ ہے جہاں ہر طرف سے زائرین آتے رہتے ہیں۔

میرزا خواجہ امانت دار بڑے بزرگ تھے۔ قدوۃ المشائخ لقب تھا۔ محلہ میراں میں دروازہ فیروز آباد کے قریب مزار ہے۔ **میرزا خواجہ مراد بخش** یہ زیارت گاہ محلہ قالیں باغاں میں مشہور ہے کہ جو اس مزار پر صدق دل سے دعا مانگتا ہے قبول ہوتی ہے۔

میرزا خواجہ چار شنبہ بہت جلالی بزرگ تھے۔ محلہ سلاخی میں مزار ہے۔ چار شنبہ کے روز لوگ مزار مبارک پر ملاویں مانگنے جلتے ہیں۔ بہت پر فیض مقام ہے۔

میرزا پیر غازی صاحب کمال ہندگ تھے۔ ہر طرف سے طالبان معرفت آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ محلہ غازیان میں در باب عراق کے قریب مزار ہے۔

میرزا خواجہ ابوالقاسم اپنے وقت کے بڑے دلی تھے۔ آنجورے بنایا کرتے تھے۔ زائرین آپ کے مزار سے فیض یاب ہوتے

ہیں۔ بازار خوش میں مزار ہے۔

مزار چیل دختران رضی اس نام کی ایک مشہور زیارت گاہ

محلہ کلا گراں میں فصیل شہر کے قریب ہے۔ خلقت فاتحہ پڑھنے ہمیشہ جاتی ہے۔

مزار شہداء اور جامع ہرات کے قریب مشہور و معروف

زیارت گاہ ہے۔

مزار آجہ و آجہ رضی درب فیروز آباد کے قریب ایک دوسرے

کے متصل آجہ و آجہ نامی دو مزار ہیں۔ دونوں بہت مشہور بزرگ تھے۔ نیاز مندوں کا ہمیشہ زیارت گاہ میں ہجوم رہتا ہے۔

حضرت بی نور رضی بہت پر جلال بی بی تھیں۔ تمام عمر زہد و عبادت

میں بسر کی تھی۔ کہتے ہیں کہ قبل الا لان انہی بی بی نے تعمیر کروایا تھا محلہ شمعان میں مزار مبارک ہے۔ اور اجابت عا کے لئے مشہور ہے۔

شیخ محمد مکی رضی اولیاء اللہ میں تھے۔ مزار درب قطب

چاق میں ہے اور بہت ہی پُر اُتار ہے۔

مسجد شہداء رضی اس مسجد کے ایک گوشہ میں شہداء کے

مزارات ہیں۔ اہل ہرات وسیلہ کی غرض سے ان مزارات کی جلعزی دیتے ہیں۔

خواجہ ظفر شہید رضی یہ مزار جامع ہرات کے جنوبی جانب ہے

شکہ حالت میں ہے اور مشہور زیارت گاہ ہے۔

مزار طفلکاں ہرات کے محلہ طفلکاں میں یہ مزار واقع ہے

یہاں صرف بچے دفن ہیں اہل ہرات یہاں بھی بجز حصول اولاد کے نہیں

مزار سادات رضی محلہ طفلکاں کے قریب ایک بڑا گنبد ہے

جس میں تین قبریں ہیں جو مشہور سادات اور بزرگوں کی ہیں۔

جمہرات کو لوگ اس مزار پر حاضر ہوتے ہیں۔ اور دعائیں مانگتے اور فاتحہ پڑھتے ہیں۔

خواجہ کاتب رضی اہل ہرات میں مشہور ہے کہ حضرت خواجہ

کاتب کاتب دی تھے لیکن اس عام روایت کی کوئی تاریخی سند نہیں ملتی۔ بہت جلالی بزرگ تھے۔ اب بھی صاحبان کشف

ریاضت مزار پر جمع رہتے اور فیض حاصل کرتے ہیں جمہرات کے روز مزار روحانی روشنی سے متور رہتا ہے۔

خواجہ کلہ رضی بہت بڑے اور صاحب کمالات بزرگ

تھے۔ مزار کے قریب ایک حوض ہے اور کئی عمارتیں ہیں جن میں فقرارہتے ہیں۔ خواجہ کلہ لقب اس لئے پڑا کہ لوگ یہاں مراد

موت کی بھیڑ میں نہ پڑھاتے ہیں۔

خواجہ یافہ رضی سلیمان شاہ کے حمام کے قریب ایک

چار دیواری میں ایک مشہور زیارت گاہ ہے۔ جہاں مخلوق آتی رہتی ہے۔ اور اس مزار کے سامنے ایک مسجد بھی ہے۔

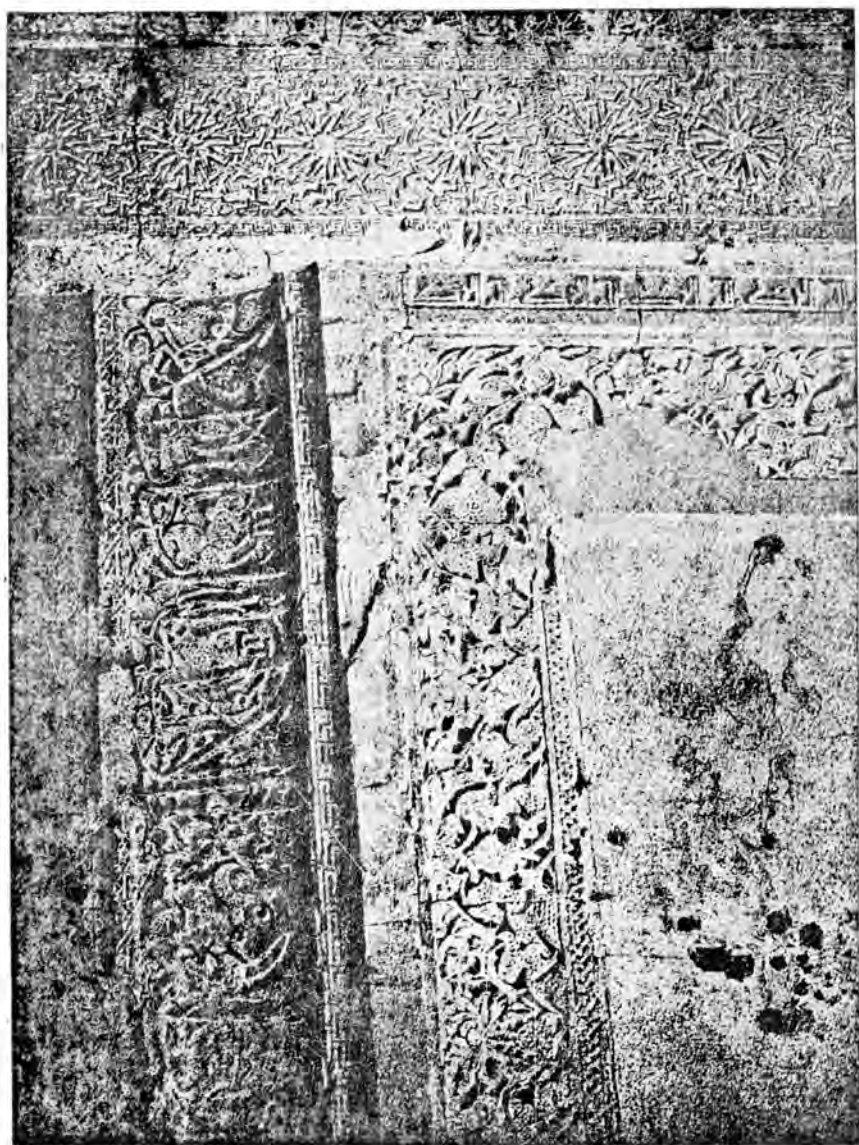
خواجہ چل گزی رضی باغ زر قان کے قریب ایک لابی

قبر ہے جس کے قریب چند عمارتیں اور ایک حوض ہے۔ ہرات کی مشہور زیارت گاہوں میں اس کا نام بھی شامل ہے۔

خواجہ سہر لوش رضی بہت مشہور بزرگ تھے۔ علوی کے مزار

مبارک ہے۔ اہل ہرات جوق جوق اس مزار پر آتے ہیں۔

افغانستان کي ايک قديمي يادگار



حضرت خواجہ مروارید رضی قدیم اور مشہور بندگان میں تھے۔ درب عراق کے قریب مزار مبارک واقع ہے۔

حضرت خواجہ مراد بخش رضی باغ زبیدہ کے قریب سر راہ مزار مبارک ہے۔

حضرت سید محمد مغربی رضی صاحب کمال بزرگ تھے باغ زبیدہ کے مشرقی جانب مزار ہے۔

خاک صندوق ایک مشہور و معروف مزار کا نام ہے جو محلہ باغ نو میر میں ہے۔

کوئے شہداء رضی یہ بھی ایک زیارت گاہ ہے حضرت عبداللہ الواحد شہید کے مزار کے شمالی جانب ہے اور مشہور ہے کہ حضرت عبداللہ کو اسی مقام پر شہید کیا گیا تھا۔

مسجد پنجہ حضرت عبداللہ کے مزار کے مشرقی جانب مسجد ہے۔ رات کے وقت کوئی شخص اس مقام پر تنہا نہیں جاتا۔ پُر رغب جگہ ہے۔ بے شمار درویشوں اور اولیاء کے مزارات ہیں۔

حضرت شاہ ابوالقیس رضی بزرگان دین میں سے تھے۔ حبش کے جنوبی جانب مزار ہے اور وہاں ایک مسجد بھی ہے۔

حضرت غیبی رضی حضرت شاہ سلطان زندہ کے نام سے مزار مشہور ہے۔ مزار پر لوح بھی ہے۔ ایک بلند مقام پر حضرت عبداللطیف کی قبر کے متصل مزار مبارک ہے۔

حضرت پیر فخر ثانی رضی صاحب کرامت بزرگ تھے۔ درب خوش میں مزار ہے۔

مزار دخترالرضا کہتے ہیں یہ جوان لڑکیاں بہت پارا اور

نیک تھیں۔ چند شریروں نے ان کو تنگ کرنا چاہا تو یہ اس مقام پر چلی آئیں اور انتقال فرما گئیں۔ بہر حال قبر سے پارسی اور تقویٰ کے اثرات ظاہر ہوئے ہیں۔ درب خوش کے قریب ایک تنگ مکان میں چند قبریں ملی چلی ہیں۔ اہل ہرات اس مزار سے بہت عقیدت رکھتے ہیں۔

حضرت محمد ماہ روی رضی صاحب دل بزرگوں میں تھے۔ درب خوش میں مدفون ہے۔

حضرت خواجہ روشنائی رضی یہ مشہور زیارت گاہ ہے جس میں باغ۔ لنگر خانہ اور مسجد بھی ہے۔ بہت سے حاجت مند زیارت کے لئے جاتے ہیں اور کامیاب واپس ہوتے ہیں۔

حضرت بابا قمبر مجذوب رضی بہت مشہور مجذوب گذرے ہیں۔ بے شمار کرامتیں اور خوارق عادات ان کی طرف منسوب ہیں۔ درب خوش میں مزار ہے۔

حضرت مولینا حاجی ابدال رضی یہ بھی مجذوب بزرگ گذرے ہیں۔ ان کی زبان سے جو کچھ نکلتا تھا وہ ہو کر رہتا تھا۔ درب خوش میں مزار مشہور و معروف ہے۔

حضرت شیخ منصور رضی زبردست عالم و فاضل اور پُر نصیحتان فضل و کمال میں تھے۔ مدفون باغ اخئی زرگ میں ہے۔

حضرت خواجہ آدینہ رضی تمام ظاہری اور باطنی علوم کے ماہر۔ بہت صورت میں باکمال تھے۔ حضرت خواجہ عبداللہ طاقی کے مزار

کے قریب مزار مبارک ہے۔

خواجہ کوزہ گرز | زبردست عالم اور اہل کمال بزرگ
تھے۔ درٔب خوش میں مزار ہے۔

مقبرہ گار گاہ | مشہور مقبرہ اور مشہور مقام ہے کیونکہ
یہاں صرف اولیاء اللہ ہی کی قبریں ہیں بہت ہی پرانہ جگہ ہے۔

خواجہ ہفت چاہ | حضرت خواجہ عبداللہ انصاریؒ کی قریب
ہی یہ زیارت گاہ ہے جب زائرین یہاں آتے ہیں تو سات کنوئیاں
لے کر اس پر قل ہو اللہ احد دم کرتے ہیں اور پھر پینکدیتے
ہیں اس زیارت گاہ پر فاتحہ پڑھنے کا یہی طریقہ ہے۔

حضرت اسد رضا | بڑے بزرگ اور بہت سی کتابوں کے
مصنف تھے جس کی وجہ سے محی السنہ کے لقب سے یاد کئے جاتے
ہیں۔ مزار مبارک مردارو دیں واقع ہے۔

خواجہ علمدار رضا | پیر تسلیم کے مزار کے قریب خیابان میں یہ
مقبرہ ہے۔ اداس میں پڑائے اور سنہ بہت سے علماء دین اور اولیاء
اللہ کے مزارات ہیں خواجہ علمدارؒ کی قبر بھی اسی مقبرہ میں ہے۔

حضرت شیخ مسافر رضا | کامل فقیہ تھے۔ مزار گوہر شاد کے مدرسے
کے قریب ہے۔

حضرت بابا ہدی مجذوب | پہلے عرصہ تک سالک رہے لیکن
بادشاہانِ مکر کے زمانے میں مجذوب ہو گئے تھے۔ بہت ہی خرق
عادت حکایتیں حضرت کی طرف منسوب ہیں۔ مزار مبارک خیابان
کے قریب ہے۔

مزار سرکوحچہ | باغ زانغان کے قریب ایک کوچے کے کنارے

مزار واقع ہے اور اسی لئے سرکوحچہ مشہور ہو گیا۔ سید اور بہت
پُر جلال بزرگ تھے۔

حضرت شیخ ابوالعطاء رضا | بڑے بزرگ تھے خواجہ ابوالولیدؒ کے
مزار کے گنبد کے باہر مدفون ہیں۔

خواجہ اولین رضا | بارگاہ الہی میں مقرب تھے مزار مبارک
مشہور و معروف ہے۔ کوئی سوار مزار کے قریب نہیں گزر سکتا۔

حضرت شیر سرخ رضا | بڑے درویشوں میں شمار ہوتے ہیں سرنگان
بلوک گاؤں میں مزار ہے۔

خواجہ کبچان رضا | ہرات کے پڑائے اور شاخین میں
ہیں۔ بلوک گدڑیں مزار ہے۔

خواجہ عمر نیر رضا | صاحب کمال بزرگ تھے۔ کونٹیش
گاؤں میں مزار مبارک ہے۔

خواجہ مسعود رضا | مقرب بندوں میں تھے۔ دادشان گاؤں
میں مدفون ہے۔

خواجہ محمد بے نظیر رضا | چہرہ مالان کے قریب مزار ہے
اپنے وقت کے صاحب معرفت بزرگوں میں تھے۔

خواجہ شیر سرخ رضا | مولینا عبدالرحیم مالانیؒ کے مرید
تھے۔ صاحب کشف ولیوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ مزار
مسجد حاجہ یکے قریب ہے۔

حضرت بی جعفر تانی رضا | اپنے وقت کی خدا ترن خاتون اور

١٢١٠١
ثار قديم افغانستان همدوزمانه كي يادگار



بڑی عابدہ و زاہدہ تھیں۔ ہر طرف سے زیارت کرنے والے لوگ آتے رہتے ہیں۔ مزار مبارک جعفر تمان گاؤں میں ہے۔
حضرت خواجہ نصوح خانہ قدیم اولیاء اللہ ہیں۔ شمعان گاؤں میں مدفون ہے۔

حضرت خواجہ شاد و غم بڑے فاضل اور کامل اور صاحبِ جد و حال تھے۔ شمعان میں قبر ہے۔ مرادیں مانگنے والے قبر مبارک پر بہت عقیدت سے جاتے ہیں۔

حضرت خواجہ برج ہرات کے بالکل بزرگوں میں تھے۔ شمعان میں مدفون ہے۔
حضرت خواجہ پنج شنبہ بل مالان کے قریب مزار ہے۔ اپنے وقت کے عالی ہمت اور روشن ضمیر بزرگ گذرے ہیں۔

حضرت خواجہ گار مالانی نہایت کامل بزرگ تھے۔ مالان گاؤں میں مدفون ہیں۔

حضرت خواجہ سلیم قدیم زمانے کے بڑے فقیروں میں تھے۔ مالان میں مزار ہے۔

حضرت خواجہ سلیم دست جردی بڑے ولیوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ گواشاخ کے قریب قبر مشہور ہے۔

حضرت خواجہ طلقانی دست جرد گاؤں میں مدفون ہیں صاحبِ کمال بزرگوں میں تھے۔

حضرت شیخ علی کاکو اپنے زمانے کے بڑے درویشوں میں تھے بہت سی کرامتیں اور خوارقِ عادات شیخ کی طرف منسوب ہیں۔ بازارچہ محلہ میں قبر ہے۔

حضرت شیخ سراج الدین آبائی وطن بلخ تھا۔ لیکن رمیر کمال کی تلاش میں ہرات چلے آئے تھے۔ حضرت پیر تسلیم کے مرید اور حدیث و تفسیر میں کیتائے روزگار تھے۔ شمعان گاؤں میں مزار پرانہ ہے۔
حضرت شیخ علیا عارفانہ اور ولی کامل تھے۔ اسفغان میں مزار ہے۔

حضرت خواجہ نجمت پیار صاحبِ حال فقیر تھے۔ اسفغان گاؤں میں مزار ہے۔

حضرت بابا بکر عالی مقام بزرگ اور ہرات کے قدیم مشائخ میں گنے جاتے ہیں۔ اسفغان میں مزار ہے۔

حضرت پیر ترک خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ بشران مقام میں مزار ہے۔
حضرت حاجی محمد زادہ خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ زیارت گاہ میں قبر ہے۔

حضرت شیخ ابو اسحاق امام وقت اور محدث اعظم تھے۔ شمسہ میں انتقال فرمایا۔ شکیبان گاؤں میں مزار مبارک ہے۔

حضرت شیخ ابو نصر شکیبان میں مزار ہے۔ قدیم بزرگوں میں ہیں۔

پیر چپار تختہ اہل ہرات کے محبوب، صاحبِ کمال اور صاحبِ دل بزرگ اور ولی کامل تھے۔ شکیبان علیا گاؤں میں مزار ہے۔ جہاں عقیدت مند جو حق آتے جاتے رہتے ہیں۔

قبر سراج ہرات کی پہاڑیوں میں ایک فاضل و عارف ہے۔ یہ جگہ تمام ہرات میں مشہور ہے کیونکہ اس کے قریب ہی ایک شیخ

قرہ جوہرات کی مشہور ترین زیارت گاہ ہے۔ یہاں لوگ ملا دیں لگتے آتے ہیں۔ غسل کر کے اور نیلا لباس پہن کر حضرت مصروف کائنات کی خدمت میں کئی ہزار درودوں کا تحفہ پیش کرتے ہیں اور دو رکعت نماز پڑھتے ہیں۔ پھر انبی شکر شکل تل ہونے کی دعا مانگتے ہیں کہتے ہیں کہ اس زیارت گاہ پر دعا مانگنے کا یہ طریقہ بہت مقبول ہے اور اکثر لوگ بامراد واپس آتے ہیں۔

حضرت شیخ شہاب الدین بسطامی تمام اسلامی علوم

کے ماہر تھے۔ اور حدیث و فقہ و تفسیر و تصوف کے فنون اپنے وقت کے باکمال استادوں سے پڑھے تھے۔ زبردست عالم اور زبردست صوفی تھے۔ بے شمار کتابیں تصنیف فرمائیں۔ تمام بادشاہوں نے حضرت مرحوم کی سید عزت کی اور امیر تیمور گورگان حضرت کا سید عقیدت مند تھا۔ ۸۳۰ھ میں انتقال فرمایا۔ حضرت رازی کے قریب مقبرہ خیابان میں مزار پر انوار ہے۔ مزار کے قریب قدیم بادشاہوں کی بنوائی ہوئی مختلف عمارتیں ہیں

حضرت شیخ عبدالحق طوسی علم تصوف کے ماہر تھے اور خدا کی محبت میں ہر وقت مہرشار رہتے تھے۔ خواجہ سمرق گاؤں میں مزار ہے۔

حضرت شیخ علی رافعی آخری دور کے زبردست عالم اور زاہد متقی و واعظ تھے۔ ۷۳۰ سال کی عمر میں انتقال فرمایا اور مقبرہ خیابان میں مدفون ہوئے۔

حضرت شیخ شمس الدین بخاری قطب وقت اور

صاحب کشف بزرگ تھے۔ جب وقت آخری قریب آیا۔ تو خود ہی اپنی قبر کھودی، خود ہی کفن سیاہ خود ہی پانی گرم کیا اور نہلا دیا کہ خود ہی نصیحت فرمائی اور پھر عقیدت مندوں سے بالکل بے پرواہی اور بے خوفی کے ساتھ بات چیت فرماتے رہے اور پھر ایک دم کلمہ پڑھتے ہوئے انتقال فرما گئے۔ سردستان گاؤں میں مزار مبارک ہے ۸۳۰ھ یوم جمعہ ۱۰ جمادی الاول آپ کی تاریخ وفات ہے۔

حضرت مولانا شمس الدین محمد ظہیر حاجی اور باکمال عالم

اور صوفی اور صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے۔ اہل ہرات حضرت رضی کے مسخر تھے۔ ۸۳۰ھ میں انتقال فرمایا۔ حضرت پیر تسلیم کے جوار میں مقبرہ خیابان میں مدفون ہوئے۔

حضرت شیخ اسماعیل خوارزمی زبردست بزرگ اور صاحب

کرامت تھے۔ حج کیا تھا۔ اور اپنے وقت کے بزرگوں کی صحبتوں سے فائدہ اٹھایا تھا کہتے ہیں کہ ۲۰ سال تک خدا کی یاد میں اس طرح مصروف رہے کہ پانی کا ایک قطرہ بھی نہ پیا۔ ۸۳۰ھ میں انتقال فرمایا اور جہاں یاد الہی فرمایا کرتے تھے وہیں مدفون ہوئے۔

حضرت شیخ ابوسعید خلوتی زاہد اور ریاضت میں مشہور

ہیں۔ ۹۰۰ سال کی عمر میں ۸۳۰ھ میں انتقال فرمایا۔ آخری سالوں میں نایاب ہو گئے تھے۔ مقبرہ خلوتیاں میں مزار ہے۔

حضرت سید قدسی ظاہری اور باطنی علوم میں فاضل تھے۔

بخارا سے ہرات تشریف لائے تھے۔ کوہ سید عبدالحق روضہ پر مزار شریف ہے۔

221159

افغانستان میں ایک پرانا بت



حضرت مولانا شمس الدین محمد رضی خراسان کے رہنے والے تھے اور "ملائے کلاں" کے نام سے مشہور تھے۔ زہد، عبادت، قابلیت اور خدا ترسی میں بہت بھاری پلہ رکھتے تھے۔ اچھے شاعر تھے اور مصنف و واعظ بھی تھے۔ ۷۲۰ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ زیارت گاہ میں قبر ہے۔

حضرت مولانا جلال الدین فخر الدین زہد دست عالم فرات کے امام تھے۔ حدیث میں بھی فیض تھے بڑی محنت سے ایک کتب خانہ جمع فرمایا تھا۔ ۸۲۳ھ میں انتقال فرمایا اور حضرت رازی کے پہلو کے قریب دفن ہوئے۔

حضرت بابا ارسلان جوانہ رضی عارف باللہ اور خدا رسیدہ مجذوب تھے۔ بہت کرامتیں حضرت کی طرف منسوب ہیں۔ شایع عام میں مزار ہے۔

حضرت پیر صد سالہ رضی بابا یوسف اصلی نام ہے سالک و قوت تھے۔ خدا کی محبت میں سینکڑوں سال تک جنگلوں پہاڑوں، صحراؤں اور جانوروں کے درمیان چکر لگاتے رہے کہتے ہیں کہ تین سو سال کی عمر پائی۔ ۸۲۳ھ میں انتقال فرمایا اور زیارت گاہ پیر صد سالہ میں دفن ہوئے۔

حضرت خواجہ لطف الشہر رضی بہت مشہور واعظ اور فن تفسیر کے بڑے عالم تھے۔ حج کیا تھا اور ایک زمانہ تک جامع ہرات میں درس دیتے رہے۔ ۸۳۳ھ میں انتقال فرمایا اور مقبرہ خیابان میں ایک شاندار گنبد کے اندر دفن ہوئے۔

حضرت مولانا یوسف حلج رضی علوم اسلامی کے علامہ اور امام تھے اور کمال درجہ صوفی اور خدا پرست تھے۔ ہرات کے اکثر علماء اور امام آپ کے شاگرد تھے۔ امام فخر الدین رازی رضی کے روضہ میں مدفون ہوئے۔

حضرت مولینا صفی الدین عطاء اللہ رضی زہد دست عالم اور علوم اسلامی کے یگانہ فاضل تھے۔ امام رازی رضی کے مزار کے قریب دفن ہے۔

حضرت مولینا ناصر الدین رضی متقی، پرہیزگار، زاہد اور فاضل وقت تھے۔ امام رازی رضی کے روضہ میں مدفون ہیں۔

حضرت سید یونس رضی محدث وقت اور فصیح و بلیغ تھے۔ ہرات کے سادات میں بہت ہی بزرگ تھے۔ شیخ بسطامی رضی کے مزار کے قریب مدفون ہیں۔

حضرت شیخ ابوالاسحاق رضی نہایت عالی خاندان تھے تصوف اور علم آبا کی چیز تھی اس لئے ان میں کینائے روزگار تھے۔ بادشاہ وقت ان کی عید عزت کرتا تھا۔ بے شمار کرامتیں شیخ رحمہ کی طرف منسوب ہیں۔ ۸۲۵ھ میں انتقال فرمایا۔ اور حضرت عبداللہ انصاری کے مزار کے احاطہ میں مدفون ہوئے۔

حضرت پیر قوام الدین تبریزی رضی طریقت اور شریعت کے رموز سے آگاہ تھے۔ متوکل اور صابر تھے۔ ۸۲۵ھ میں وفات ہوئی اور زیارت حضرت ابوالولید رضی میں مزار مبارک ہے۔

حضرت مولینا شرف الدین عثمان قاری رضی اہرات

میں فنِ قرات کی ترویج میں سب سے زیادہ حصہ لیا تھا۔ زاہد و عابد تھے اور بہت ہی روشن ضمیر اور پاک نفس تھے۔ زیارت گاہ گاؤں کے اس محل میں جو حضرت کی نام سے مشہور ہے مدفون ہوئے۔

حضرت لینا جلال الدین واعظ ایک بہت اعلیٰ تفسیرات جلدوں میں تحریر فرمائی تھی۔ شہر میں مقال واعظ اور حصار کمال صوفی تھے۔ ۸۳۳ھ میں انتقال ہوا۔ تل گنج کے مشہور مقام پر مزار مبارک ہے۔

حضرت شیخ عبداللہ خلوتی روشن ضمیر اور ہفتا بزرگ تھے۔ عرصہ دراز تک خانقاہ میں سلوک و معرفت کی منزلیں طے کرتے رہے۔ ۸۳۳ھ میں وفات پائی اور غلوتیان میں دفن کئے گئے۔
حضرت لینا رکن الدین الخوافی تمام علوم اسلامی کے ماہر اور تاج کے فاضل تھے۔ حاجی تھے۔ اپنے وقت کے علما و اولیا سے علم معرفت کے درس لئے تھے۔ ۸۳۳ھ میں انتقال فرمایا اور حضرت انصاریؒ کے مزار کے قریب مدفون ہوئے۔

حضرت لینا فصیح الدین علما ہرات کے مفتی تھے۔ علم فقہ اور فتاویٰ کے ماہر تھے۔ زاہد و عابد اور روشن دماغ تھے۔ ۸۳۳ھ میں وفات پائی اور حضرت خواجہ عبداللہ انصاریؒ کے پائیں مدفون ہوئے۔

حضرت لانا رکن الدین شیخ الاسلام و المسلمین لقب ہے۔ یگانہ روزگار عالم تھے۔ نہایت صاف دل اور پارسا تھے۔ بڑی بڑی کتابیں نقل فرمایا کرتے تھے۔ ۸۳۳ھ

میں انتقال فرمایا اور حضرت لازمیؒ کے قریب مدفون ہوئے۔
حضرت لینا زاہد شکیبانی سحر طراز مقرر تھے۔ اور علم تصوف کی اشاعت فرمایا کرتے تھے۔ ۸۳۳ھ میں وفات شکیبان سفلہ گاؤں میں فرما رہے۔

حضرت شیخ زین الدین الخوافی علوم ظاہری و باطنی میں باکمال تھے۔ دنیا کے بہت سے ملکوں کی سیاحت فرمائی تھی۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے مرید تھے۔ اور مصر، شام، عراق، عرب، ایران اور دیگر عجیب ممالک میں سلسلہ سہروردیہ کی اشاعت کی تھی۔ اور اپنے ہزاروں مریدوں کو ان ممالک میں تصوف کی اشاعت کے لئے مامور کیا تھا۔ حج کیا تھا۔ اور تصوف کے تمام مراحل طے فرمائے تھے۔ ۸۳۳ھ میں طاعون کی وبا میں حلت فرمائی اور عید گاہ میں مدفون ہوئے۔

حضرت شیخ ابوسعید گارونی علم فقہ، حدیث، اسناد میں فاضل وقت تھے۔ اور ہمیشہ علوم اسلامی کی اشاعت میں تہمک رہتے تھے۔ شیراز سے بغرض تکمیل تصوف ہرات آئے تھے۔ ۸۳۳ھ میں طاعون کے مرض سے انتقال فرمایا اور حضرت خواجہ عبداللہ انصاریؒ کے مقبرہ میں دفن کئے گئے۔

حضرت لینا جلال الدین قاپانی قوت حافظہ میں شہرہ آفاق تھے۔ علوم اسلامی کے ماہر اور اعلیٰ معلم تھے۔ خاقان سعید بادشاہ کی طرف سے شہر ہرات کے محاسب تھے۔

افغانستان کی بہت پرانی عمارت بدھ حکومت کے زمانہ کی



شہدہ میں انتقال فرمایا اور جعفر خان گاؤں میں اپنے قایم کئے ہوئے مدرسہ میں مدفون ہوئے۔

حضرت مولانا محمد رضا دُنیائے اسلام کے مشہور ترین علامہ حضرت سعد الدین تفتازانیؒ کے خلف الصدق تھے۔

باپ کی قایت و رشید میں آئی تھی۔ ۱۰۰ سال کی عمر میں ۳۳۷ھ میں طاعون سے وفات پائی اور حضرت انصاریؒ کے قریب فن ہوئے۔

حضرت مولانا نور اللہ خوارزمیؒ عربی کے تمام

علوم میں بے نظیر فاضل تھے۔ خاقان سعید بادشاہ کی طرف سے ہرات کی جامع مسجد میں درس دینے پر مامور تھے۔ بشمار

کتابیں مختلف فنون میں تصنیف فرمائی تھیں۔ طاعون کی وبا میں وفات پائی اور حضرت خواجہ عبداللہ انصاریؒ کے مقبرہ

میں مدفون ہے۔

حضرت درویش عبداللہؒ خدارسیدہ بزرگ تھے۔

اور لوگوں کی نظروں سے ہمیشہ پوشیدہ رہتے تھے۔ کہتے ہیں جنوں کی ایک جماعت حضرت درویشؒ کے تابع تھی۔

طاعون کی وبا میں وفات پائی۔ غلوتیان میں مزار ہے۔

حضرت سید علی شہر غانیؒ قطب وقت تھے۔

خدا ترسی، زہد، عبادت اور مجاہدہ نفس میں مشہور خلافت تھے۔ ۳۳۷ھ میں وفات پائی۔ اور باغ آہو کے قریب

اپنے ہی بنا کردہ باغیچہ میں مدفون ہوئے۔

حضرت زین العابدین مجذوبؒ علم فقہ و

حدیث بڑے بڑے اُستادوں سے پڑھا اور کمال پیدا کیا تھا۔

پھر مجذوبوں کو دیکھ کر مجذوب ہو گئے اور جنگلوں اور پہاڑوں میں پھرتے رہے۔ کہتے ہیں ۱۲۰ سال کی عمر پائی۔ تل قلیان

میں مدفون ہوئے۔

حضرت بابا زکریا مجذوبؒ ایک زمانہ دراز

تک خیابان کے راستہ پر خدا سے لولگائے بیٹھے رہے۔ تمام مجذوبوں میں مشہور تھے۔ بے شمار خرق عادات ان کی طرف منسوب ہیں۔

جہاں بیٹھا کرتے تھے وہیں مزار مبارک ہے۔

حضرت مولانا سعد الدین فارسیؒ علوم معقول میں

فاضل تھے۔ مدرسہ خیانیہ میں مدت تک درس دیتے رہے۔ بہت متقی اور پرہیزگار تھے۔ زندگی میں ایک بار بھی تہجد کی نماز نقصا

نہیں ہوئی۔ درویش کامل تھے حضرت رازیؒ کے مزار کے

قریب آپ کی قبر بھی مشہور و معروف ہے۔

حضرت مولانا محمد بن حاجی ابوبکرؒ مفتی وقت تھے۔

اور علم فقہ، علم فتوے، زہد، عبادت وغیرہ میں مشہور تھے۔

جوشیلے واعظ تھے۔ ۳۳۷ھ میں وفات پائی۔ سنوگردگاؤں میں

مدفون ہیں۔ اہل ہرات مزار پر برابر حاضری دیتے ہیں۔

حضرت بابا حسن ابدال ترکؒ ابتدائی جوانی میں

فوج کے سپاہی تھے۔ ایک دن سپاہیانہ زندگی اور ظلم و تعدی

اور لوٹ مار سے متفر ہوئے اور ہرات چلے آئے اور اپنا سب

سامان لوگوں کو بانٹ دیا اور خود قبرستان خیابان میں

روپوش ہو گئے۔ اس کے بعد مجذوب ہو گئے۔ خیابان میں مشرقی جانب ایک بڑے گنبد میں مزار ہے۔

حضرت بابا جمال مجذوبؒ | ابتدائی زندگی میں

مدرسہ کے مولوی تھے۔ لیکن ایک دن یاو آہی نے جوش مارا اور بے حال ہو کر سب چھوڑ چھاڑ جنگلوں کی طرف چلے گئے اور پندرہ برسوں تک مسلسل جنگلوں، پہاڑوں، دریاؤں اور صحراؤں کا چکر لگاتے رہے۔ سردی گرمی سے بے پروا اور دنیا اور دنیا کی دلچسپیوں سے بالکل بے نیاز تھے۔ در ب قطب چاق میں مزار ہے

حضرت بابا خمیر کبر ابدالؒ | مجذوب صفت بزرگ

تھے۔ اکثر اوقات قبرستان خیابان میں ہی گزارتے تھے۔ خیابان کے مشرقی جانب مزار ہے۔

حضرت پیر سرخؒ | یہ بھی ایک مجذوب تھے۔ سقا

سلمان کی ایک دکان کے سامنے تمام عمر بیٹھے رہے۔ سردی گرمی اور ہر ہوا سے بے نیاز تھے۔ نماز برابر پڑھتے تھے۔ نہ کسی سے بولتے تھے نہ کسی سے مانگتے تھے۔ جہاں بیٹھا کرتے تھے وہیں قبر بھی ہے۔

حضرت سید محمد اشرفؒ | مستی اور عابد و زاہد تھے۔

حسن اخلاق میں مشہور تھے۔ سلسلہ میں وفات پائی۔ اپنی مریزا کے مدرسہ کے سامنے خیابان میں دفن ہوئے۔

حضرت بابا گیلانیؒ | زماعت کرتے تھے۔ اور دنیا سے

روپوش رہتے تھے۔ بڑے بزرگ اور صاحب کرامت تھے۔ غولہ گاؤں میں دفن ہے۔

حضرت لینا سراج الدین ملتانیؒ | شیخ الاسلام

زین الدین الخوافیؒ کے مرید اور شاگرد رشید تھے۔ ان کے بعد خلیفہ ہو گئے اور زہد، عبادت، تقویٰ، علم اور فضل و کمال میں مشہور ہوئے۔ سلسلہ میں رحلت فرمائی اور پیر کے پہلو میں دفن ہوئے۔

حضرت شیخ بہار الدین عمر جہارہ گئیؒ | عوام و

خاص کے محبوب۔ اور بادشاہوں سے بے نیاز مگر ان کے بھی مطلوب تھے۔ ولی کامل تھے۔ بے شمار کرامتیں اور رزق عادات حضرت کی بیان کی گئی ہیں۔ سلسلہ میں انتقال فرمایا اور عید گاہ کے قریب مدفون ہوئے۔

حضرت لینا جلال الدین کرمانیؒ | علوم اسلامی کے

یکتاے روزگار فاضل تھے اور درس دیا کرتے تھے۔ ولی کامل اور قطب وقت تھے۔ غیب کی باتیں بتلاتے تھے۔ روشن دل اور روشن دماغ تھے۔ نورانی چہرہ تھا۔ امام ربانیؒ کے مقبرہ میں مدفون ہیں۔

حضرت لینا سعد الدین کاشغریؒ | نقشبندی سلسلہ

کے نہایت کامل بزرگ اور صوفی تھے۔ حضرت مولانا عبدالرحمن جامی قدس سرہ ان کے شاگرد اور داماد تھے۔ اور مرید بھی تھے۔ محبت الہی کی نہایت کھن منزلوں کو طے فرمایا تھا۔ سلسلہ میں

ایک دن ظہر کی نماز کے وسط میں انتقال فرما گئے۔ خیابان میں مزار پر انوار ہے۔ حضرت جاتی نے وصیت کی تھی کہ مجھ کو اپنے مرشد اور استاد کے پہلو میں دفن کرنا۔ چنانچہ حضرت جاتیؒ بھی اسی مقبرہ میں دفن ہیں۔

حضرت لینا جلال الدین ابو زید پورانیؒ | مولانا ظہیر الدین خلوتیؒ کے مرید تھے اور بالکل صحابہ کرام کی طرح زندگی بسر کرتے تھے۔ مولانا جاتیؒ اکثر ان کی صحبت سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ صاحب کشف و کرامت تھے۔

۶۲ھ میں وفات پائی اور قریہ پوران خاصہ میں دفن ہوئے۔
حضرت لینا شمس الدین محمد کوسومیؒ | شیخ الاسلام احمد جامی قدس سرہ کی اولاد میں تھے۔ صاحب کشف اور عارف باللہ تھے۔ قرآن، حدیث، قرأت کے ماہر تھے۔ حضرت کی کرامتیں اور خرق عادات مشہور ہیں۔ ۶۳ھ میں انتقال فرمایا۔ اور جامع ہرات میں اس جگہ مدفون ہوئے جہاں بیٹھا کرتے تھے۔

حضرت لینا جلال الدین محمود امامیؒ | اپنی ساری دولت فقیروں کو دے دی تھی۔ صرف خدا سے تعلقات قائم کئے تھے۔ اور سارے دنیاوی تعلقات سے دستبردار ہو گئے تھے۔ تصوف کی اشاعت میں سرگرم تھے ۶۴ھ میں انتقال فرمایا۔ امام رازی کے مزار کے قریب دفن ہوئے۔
حضرت بابو کو کی مجذوبؒ | یاد آہی میں مجذوب

ہو گئے تھے۔ اور ہمیشہ سخت کلامی سے پیش آتے تھے۔ بابر کی حکومت کے ایک افسر نے ایک دن بابا صاحب کو تنگ کیا تو بابا صاحب نے اس کو پتھروں سے مارا۔ افسر نے نوکر دوں کو حکم دیا کہ بابا کو بیٹو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بابا نے بددعا کی اور وہ لوگ ایک ہی سال میں ہلاک ہو گئے۔ ۶۵ھ میں وفات پائی اور مقبرہ خیابان میں مدفون ہوئے۔

حضرت لینا محمد جرجانیؒ | علامہ یوسف حلاج

کے شاگرد تھے اور اپنے وقت کے زبردست ترین علامہ تھے۔ تمام عقلی اور نقلی علموں میں یکتائے روزگار تھے۔ خراسان میں ۳۰ سال تک درس دیتے رہے۔ اور اعلیٰ قابلیت کے شاگرد پیدا کئے۔ ۸۰ سال کی عمر میں ۶۶ھ میں انتقال فرمایا اور شیخ زین الدین خوانیؒ کے مقبرہ میں دفن ہوئے۔

حضرت لانا زاہد طفل گانیؒ | زاہد و عابد اور علوم

صوری و معنوی کے ماہر تھے۔ اپنے معاصرین میں ممتاز تھے۔ ۶۷ھ میں وفات پائی اور شیخ زین الدین خوانی کے قریب مدفون ہوئے۔

حضرت لینا نور الدین عبدالرحمن الجامیؒ | حضرت کے

فضائل و کمالات آفتاب کی طرح روشن ہیں۔ علوم کی دنیا کے چاند اور معرفت کی دنیا کے آفتاب ہیں۔ بے مثل ادیب اور ناشر تھے۔ ساری دنیا تصنیفات کے فیض سے

اب تک فیضیاب ہو رہی ہے۔ اور حضرت کی معرفت خیر اور حقیقت ریز شاعری کا نور ہر اہل دل کو اب تک جگمگا رہا ہے۔ اپنے وقت کے پیشوا اور خراسان اور ماوراء النہر کے رہبر اعظم تھے۔ کمال فقیری اور کمال ولایت پر بھی کبھی اپنے آپ کو ظاہر نہیں کیا۔ ہمیشہ شاعری اور ظاہری علوم کے پردوں میں چھپے رہے۔ لیکن ہیرا سنگ ریزوں میں چھپنے سے کب چھپ سکتا ہے۔ حضرت کے کمالات کو ضبط تحریر میں نہیں لایا جاسکتا۔ ۸۱ سال تک اس دنیا سے فانی میں رہے۔ اور پھر ۹۹۰ھ محرم الحرام کے مہینہ میں پچھنبہ کو صبح کی اذان کے وقت رحلت فرما گئے۔ سلطان حسین میرزا اور تمام عمائدین حکومت اور علماء و فضلاء اور جمہور نے جنازہ اقدس کو نہایت شان اور عقیدت و محبت کے آنسوؤں کے ساتھ اٹھایا اور حضرت کے پیر مولانا سعد الدین کاشغری رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں دفن کیا۔ فرار پڑاؤ اقبلہ حاجات اور کعبہ مرادات کے ناموں سے مشہور ہے اور ہرات کی مستجاب الدعویٰ زیارت گاہ ہے۔ جہاں ہر شنبہ کو مراد مند بوق جوق جاتے ہیں اور مرادیں پاتے ہیں۔

حضرت خواجہ محمد اکبر رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا سعد الدین کاشغری کے بڑے صاحبزادہ تھے۔ خواجہ عبید اللہ احواز

کی صحبت سے فیض حاصل کیا تھا۔ حضرت جامیؒ ان کے مرتبہ کے متعلق فرماتے ہیں۔ ع خاک او بہتر ز خوان دیگران سلسلہ میں وفات پائی اور اپنے پدر بزرگوار کے مقبرہ میں مدفون ہوئے۔

حضرت خواجہ محمد اصغر رحمۃ اللہ علیہ مولانا سعد الدین کاشغریؒ کے چھوٹے لڑکے تھے۔ اور علم تفسیر میں مشہور تھے۔ دودل بھائی حافظ قرآن مجید اور علوم ظاہری اور اخلاق باطنی میں شہرہ آفاق تھے۔

حضرت مولانا محمد جامیؒ حضرت عبدالرحمن بانیؒ کے بھائی تھے۔ جامیؒ اپنے بھائی کے مرثیہ میں فرماتے ہیں

من بودم از جہان و گرامی برادرے
در سلک اہل فضل گر انما یہ گوہرے
ز انساں برادرے کہ در اطوار علم و فضل
چوں او نہ زادہ مادر ایتام دیگرے
۹۰۰ھ میں انتقال فرمایا اور مولانا سعد الدین کاشغریؒ کے مقبرہ میں دفن کئے گئے۔

حضرت مولانا عبد الغفور لاریؒ لار کے باشندہ تھے اور لقب رضی الدین تھا۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی کی اولاد میں تھے۔ حضرت جامیؒ کے طریقت

و شریعت میں شاگرد و رشید اور مرید تھے۔ نہایت سمجھدار اور قابل تھے۔ حضرت جامی رحمہ فرماتے ہیں:۔
آنجا کہ فہم و دانش مرغے بود شکاری

بازیت تیز رفتار عبد الغفور لاری

حضرت جامی رحمہ کے سامنے ہی انتقال فرمایا۔

تاریخ ۹۲۷ھ ہے۔ مولانا جامی رحمہ کے پائیں فرائض

حضرت **میرعلینا شہاب الدین برہند می** رحمہ حضرت

کاشغری کی صحبت سے فیض حاصل کیا تھا۔ اور بڑے

خدا پرست تھے۔ احمد بن محمود اصلی نام تھا اور ایک

روایت کے مطابق ۸۸۷ھ میں اور دوسری روایت

کے مطابق ۸۸۷ھ میں انتقال فرمایا اور مولانا کاشغری

کے مقبرہ میں مدفون ہوئے۔

حضرت **میرعلینا علاء الدین رحمہ** ملک قہستان کے

باشندہ تھے اور اصلی نام محمد بن المومن ہے۔ حضرت

کاشغری کی صحبت میں رہتے تھے لیکن جب انتقال

فرما گئے تو حضرت جامی رحمہ کی صحبت سے فیض اٹھانا

شروع کیا۔ ۹۲۷ھ میں انتقال فرمایا اور حضرت

کاشغری رحمہ کے مقبرہ میں مدفون ہوئے۔

حضرت **خواجہ قاسم جامی رحمہ** عارف باللہ

تھے۔ شیخ الاسلام مولانا احمد الحامی کی اولاد میں تھے۔

حضرت کاشغری رحمہ کے مقبرہ میں مدفون ہیں۔

حضرت **مولینا غیاث الدین شمع ریزہ** حضرت

کاشغری رحمہ کے مزار کے قریب مدفون ہے۔ عالم و فاضل

اور خدا پرست تھے۔

حضرت **امام شش نور رحمہ** سادات کی چچہ

قبروں کی ایک زیارت گاہ ہے جو امام شش نور نامی

گاؤں میں ہے۔ ایک بہت بڑا گنبد دور ہی سے نظر آتا

ہے۔ بزرگان دین اس زیارت پر جایا کرتے تھے۔ یہ

جگہ بہت پُر انوار اور روحانی روشنی سے منور ہے۔

حضرت **میر عبد اللہ الحسینی** اصل الدین

و اعظ نام سے مشہور ہیں۔ سادات سے تھے۔ زہد، تقویٰ

عبادت اور خدا پرستی میں مشہور تھے۔ اصلی باشندہ

شیراز کے تھے۔ سلطان ابوسعید کی وجہ سے ہرات تشریف

لائے اور گوہر شاد گیم کے مدرسہ میں ہفتہ میں ایک بار

وعظ فرماتے تھے۔ باکمال عالم اور نامور مصنف تھے۔

۸۹۳ھ میں وفات پائی اور مدرسہ گوہر شاد آغا کے

قریب مدفون ہوئے۔

حضرت **میرعلینا خواجہ کوہی رحمہ** حضرت خواجہ کوہی

کے مرید تھے۔ ساقی سلمان شمالی جانب پہاڑ پر مدفون ہے۔

حضرت **میرعلینا حاجی محمد فراہی رحمہ** اپنے اوقات

اسلامی علوم کے مطالعہ اور یاد آہی میں صرف کرتے تھے۔

مولانا زین الدین خوانی رحمہ کی صحبت سے فیض حاصل کیا

تھا۔ سترہمہ میں وفات پائی اور امام رازی کے مقبرہ میں دفن ہوئے۔

حضرت قاضی نظام الدین محمد رحمہ | مولانا

حاجی محمد فراہی کے خلف الصدق تھے۔ علم فقہ اور زہد و تقوٰے میں مشہور تھے۔ مدرسہ غیاثیہ اور مدرسہ اخلاصیہ میں زمانہ دراز تک درس دیتے رہے۔ منصور بادشاہ نے بڑے تکلف کے بعد ہرات کا قاضی بنا دیا۔ مجرم سترہمہ میں رحلت فرمائی اور گارگاہ شریف میں حضرت خواجہ عبداللہ انصاریؒ کے قریب مدفون ہوئے۔

حضرت مولانا معین الدین واعظ رحمہ | ہرات

کے قاضی تھے۔ زہد و تقوٰے میں مشہور تھے۔ زبردست انشا پر دانا اور خوش بیان واعظ تھے۔ ہرات کی جامع مسجد میں ہمیشہ وعظ فرمایا کرتے تھے۔ اسمیروں سے کوئی سروکار نہیں رکھتے تھے۔ سترہمہ میں رحلت فرمائی۔ اور اپنے بھائی قاضی نظام الدین محمد رحمہ کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

حضرت مولانا کمال الدین حسین واعظ کاشفیؒ |

مصنف تھے۔ انوار سہیلی وغیرہ کتابیں آپ کی انشا پر دازی کا نمونہ ہیں۔ خوش بیان اور خوش آواز تھے۔ سترہمہ میں وفات پائی اور عید گاہ میں مدفون ہوئے۔

حضرت شیخ نور الدین محمد رحمہ | شیخ بہاء الدین

عمر جفا رہ گئی کے خلف الصدق تھے۔ سلطان ابو سعید گورگاں حضرت کی بے حد تعظیم کرتا تھا۔ علم و عمل میں شہرہ آفاق تھے۔ سترہمہ میں وفات پائی۔ اور خیابان میں اپنے باپ کے پہلو میں دفن کئے گئے۔

حضرت حافظ غیاث رحمہ | محدث وقت اور علم

و حلم میں مشہور تھے۔ سترہمہ میں انتقال ہوا۔ خیابان میں شمالی جانب مولا عمر رحمہ کے مقبرہ میں مدفون ہیں۔

حضرت شیخ شاہ محمد رحمہ | صاحب کرامت بزرگ

تھے۔ سلطان ابو سعید گورگان ہمیشہ آنجناب کی خدمت فیض حاصل کرتے رہتے تھے۔ عید گاہ میں شمالی جانب قبر ہے۔

حضرت مولانا حافظ روجی رحمہ | صاحب کرامت

اور قرأت سبعہ کے ماہر تھے۔ حافظ علی روجی رحمہ کے شاگرد تھے اور انہی کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

حضرت حافظ علی روجی رحمہ | قرأت سبعہ کے

فاضل یگانہ تھے۔ عید گاہ ہرات میں مدفون ہے۔

حضرت شاہ طیب الخوافی رحمہ | شیخ الاسلام

زین الدین الخوافی رحمہ کے مرید تھے۔ حاجی تھے۔ ان کی بیٹیا کرامتیں مشہور ہیں۔ سترہمہ میں رحلت فرمائی اور خیابان میں مدفون ہوئے۔

حضرت سلطان محمد اور حضرت سلطان محمود | دونوں

شاہ طیبؒ کی اولاد اور خلیفہ تھے۔ دونوں زہد و تقویٰ میں مشہور تھے۔ خیابان میں مقبرہ شاہ طیبؒ میں مزار پڑا ہوا ہے۔

حضرت درویش خدا دادؒ | شاہ طیبؒ کے خلیفہ تھے۔ ہمیشہ سیاہ لباس زیب تن فرماتے تھے۔

شاہ طیبؒ کے مقبرہ میں قبر ہے۔

حضرت لینا شمس الدینؒ | شیخ الاسلام

حضرت زین الدین الخوافیؒ کے مرید تھے۔ علوم اسلامی کے ماہر اور اعلیٰ مصنف تھے۔ روشن ضمیر اور روشن دماغ تھے۔ قوت حافظہ شہرہ آفاق تھی۔ ۹۱۰ھ میں انتقال ہوا اور مقبرہ خیابان میں مدفون ہوئے جہاں ایک خانقاہ بھی موجود ہے۔

حضرت مولانا شمس الدین محمد عطارؒ | حضرت

زین الدین خوافیؒ کی صحبت سے فیض حاصل کیا تھا۔ علوم ظاہری و باطنی میں شہرہ آفاق تھے۔ امام عبدالواحد شہیدؒ کے روضہ میں مزار شریف ہے۔

حضرت امیر خواجہ اخوند محمدؒ | سادات ہرات

میں تھے۔ معقول اور منقول علموں میں یکساں ماہر تھے۔ روضۃ الصفا کے مصنف اور اعلیٰ انشا پرداز تھے۔ عبادت الہی میں زندگی بسر کی تھی۔

۹۰۳ھ میں رحلت فرمائی تھی۔ شیخ بہار الدین

عمر جفا رہ گئی رنہ کے مقبرہ میں مدفون ہوئے۔

حضرت لینا شمس الدین محمد رومیؒ | اپنے وقت

کے پیشوا اور صاحب عرفان بزرگ تھے۔ شریعت

اور طریقت دونوں کی تبلیغ فرماتے تھے۔ بے شمار

اصحاب آپ کے مرید اور ہم صحبت تھے۔ ۹۱۰ھ

میں رحلت فرمائی اور پہلی بار اپنے پیر حضرت سعد الدین

کاشغریؒ کے پہلو میں دفن کئے گئے۔ لیکن آپ کے

مریدوں نے دوسری بار حضرت خواجہ عبدالقادر انصاریؒ

کے پہلو میں دفن کیا۔

حضرت مولانا میر حسین معانیؒ | تزکیہ نفس اور

تصفیہ باطن میں بے مثل تھے کچھ دنوں تک مدرسہ

اخلاصیہ میں علم دین کی خدمت کرتے رہے۔ کئی اچھی

کتابوں کے مصنف تھے۔ ۹۱۰ھ میں رحلت

فرمائی اور مدرسہ اخلاصیہ کے گنبد میں مدفون ہوئے۔

حضرت لینا کمال الدین مسعود شیرازیؒ | علم کلام

منطق۔ حکمت اور تمام معقول اور منقول علوم میں یگانہ روزگار

فاضل تھے۔ ۹۰۰ھ میں رحلت فرمائی اور خیابان میں پیر

سہ صد سالہ کے مقبرہ میں دفن ہوئے۔

حضرت مولانا قطب الدین کبیریؒ | علامہ سعد الدین

تفتازانیؒ کے پوتے تھے اور ورثتی تبحر علمی سے مالا مال تھے۔

۹۰۳ھ میں انتقال فرمایا۔ اور حضرت خواجہ عبدالقادر انصاریؒ

کے پہلو میں دفن کیا۔

کے مقبرہ میں دفن کئے گئے۔

حضرت مولانا شمس الدین محمد زین الدین زیا رنگاہی | حضور

سورکائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اکثر خواب میں دیدار کیا کرتے تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں ماہر تھے۔ صاحب

کمال تھے۔ اور حضرت شیخ زین الدین خوانی رحمہ کی صحبت سے فیض اُٹھاتے تھے۔ ۷۷۷ھ میں وفات پائی اور شہرہ و معروف زیارت گاہ گاؤں میں فون ہوئے۔

حضرت درویش عباس زیا رنگاہی | حضرت

زین الدین خوانی رحمہ کی خدمت میں ۳۰ سال تک رہے۔ سوا کی محبت میں رست و بچود تھے۔ آخری زندگی میں نابینا ہو گئے تھے اور ہمیشہ یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

چشم از آسیب مردم در بر و خود بہ بست
گوشت غزلت گرفت و با خیال او نشست

زیارت گاہ میں مزار ہے۔

حضرت مولانا عبدالرحمن زیا رنگاہی | تصون

کی منزلوں سے واقف تھے۔ صاف دل اور پاکیزہ انسان تھے۔ حضرت جامی رحمہ سے آپ کی صحبت میں بیٹھا کرتے تھے۔ ۹۰۹ھ میں رحلت فرمائی۔

اور زیارت گاہ میں مدفون ہوئے۔

حضرت شیخ صوفی علی | حاجی تھے۔ اور

اپنے وقت کے زاہد عابد اور متقی تھے۔ سیاحت

کی تھی اور بزرگان دین سے ملے تھے۔ اہل دنیا کو ہمیشہ بے اعتبار کہتے تھے۔ صاحب کرامت تھے۔

۷۷۷ھ میں انتقال ہوا اور قبرستان خیابان میں ایک خاص جگہ دفن ہوئے و پہلے سے متعین کی جا چکی تھی۔

حضرت مولانا شمس الدین محمد بابا کافی | حضرت

زین الدین خوانی رحمہ کے مرید اور علوم باطنی اور ظاہری کے فاضل تھے۔ ۷۷۷ھ میں وفات پائی اور حضرت خواجہ عبداللہ انصاری رحمہ کے پائیں مدفون ہوئے۔

حضرت مولانا شمس الدین محمد رضا | حضرت خوانی

کی صحبت سے فیض حاصل کیا تھا۔ صاحب حال اور مست الست بزرگ تھے۔ ایک دن نماز سے

فارغ ہو کر بیٹھ کہ کسی مرید نے لا اِلٰهَ اِلَّا اللہ کا ذکر شروع کیا بس یہ سن کر آپ نے لا مَوْجُودَ

اِلَّا اللہ کا نعرہ مارا اور جان دیدی فرار مبارک گاؤں گاہ گاؤں میں حضرت خواجہ خیرچہ کے قریب ہے۔

حضرت مولانا درویش احمد گار رنگاہی | علم ظاہر

و باطن کے فاضل اور حضرت خوانی رحمہ کے باکمال مرید تھے۔ ۷۷۷ھ میں رحلت فرمائی اور حضرت خواجہ

انصاری رحمہ کے مقبرہ میں مدفون ہوئے۔

حضرت مولانا ابو الخیر رب خوش | حضرت

خوافی رضی کی صحبت سے فیض حاصل کیا تھا۔ حضرت کے دونوں بھائی حضرت مولانا شہاب الدینؒ اور حضرت مولانا خواجہ کوہی رضی بھی صاحب حال بزرگ تھے۔ اور بسبب حضرت مولانا شمس الدینؒ خلیفہ حضرت خوافی رضی کی اولاد ہیں۔ مولانا ابوالخیر رضی بہت ہی عابد و زاہد تھے۔ بے شمار کرامتیں مشہور ہیں۔ دہب خوش میں شاہ ابوالقیس رضی کے قریب مزار مبارک ہے۔

حضرت مولانا درویش علی گازرگاہیؒ مولانا شمس الدین محمد تہا کافی رضی کے مرید تھے۔ پڑھے لکھے نہ تھے لیکن علم لدنی حاصل تھا۔ حضرت مولانا عبدالغفور لاری رضی کا بیان ہے کہ جب مجھ کو علامہ محی الدین ابن العربی قدس سرہ کی کسی تحریر میں شک ہو جاتا تو میں حضرت درویش علی رضی سے اس شبہ کا ازالہ کر لیتا تھا حالانکہ میں جانتا تھا کہ وہ ناخواندہ ہیں۔ گازرگاہ شریف میں عوض آشکارا کے قریب مزار مبارک ہے۔

حضرت شیخ درویش محمد گازرگاہیؒ عارف باللہ اور صوفی وقت تھے۔ صاحب کرامت اور صاحب کشف تھے۔ ۷۵۰ھ میں انتقال فرمایا۔ گازرگاہ شریف میں مدفون ہے۔

حضرت مولانا شمس الدین پائے گنبد عالم اور فاضل تھے۔ فراشان گاؤں میں مزار ہے۔

حضرت خواجہ عبداللطیف صوفیؒ عابد بزرگ

تھے۔ حضرت کی کرامتیں بہت ہیں۔ حضرت علیہ السلام سے ملاقات کرتے تھے۔ فراشان میں مدفون ہے۔

حضرت مولانا جلال الدین سعید ابوملکیؒ حرم محرم

کے شیخ الشیخ تھے۔ ہرات کی کشش کھینچ لائی تھی۔ صاحب کرامت بزرگ تھے۔ محدث، عابد، زاہد اور پگنہ وقت تھے۔ ۷۳۰ھ میں انتقال فرمایا اور خیابان میں مدفون ہوئے۔

حضرت خواجہ محمد شمعان رضی زہد و تقویٰ میں

عالی جاہ تھے۔ علم و فضل کی دولت سے مالا مال تھے۔ ۷۳۰ھ میں انتقال فرمایا اور کورت گاؤں میں مدفون ہوئے۔

حضرت خواجہ شمس الدین مطہر رضی شیخ الاسلام

حضرت علامہ احمد جامی رضی کے خلیفہ الصدق تھے۔ ظاہری و باطنی کمالات و رشتہ میں ملے تھے۔ خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ پنج میران میں مزار ہے۔

حضرت خواجہ محمد سجود رضی زبردست بزرگ اور

اپنے وقت کے یگانہ صوفی تھے۔ درویش عبدالحی رضی جو حضرت غوث الاعظم رضی کی اولاد سے تھے وہ آپ کے خلیفہ تھے۔ اور تازندگی خواجہ سجود رضی کے مزار پر ایک عالی شان خانقاہ میں رہے۔ نہ کسی سے بات چیت

کی اور نہ دنیا کے کاموں سے دل چسپی لی۔ یہاں تک کہ گرمیان میں بندھے ہوئے گیہوں کے دانے سبز ہو گئے اور اس میں خوشے نمودار ہو گئے۔ حضرت عبدالحی نے اسی حالت میں جان دے دی۔ یہ مسئلہ کا واقعہ ہے۔ تاریخ وفات معلوم نہیں۔ مدفون مبارک سیوستان میں ہے۔

حضرت خواجہ محمد کامل رضی حضرت علیؑ کی اولاد میں تھے۔ ۱۰۰۰ھ میں کونہ میں پیدا ہوئے۔ جوان ہونے پر تہرات چلے آئے۔ عالی نسب، عالی دماغ اور بلند مرتبت تھے۔ قصبہ اوتہ میں ۱۰۳۰ھ میں انتقال فرمایا۔ مزار مبارک پر لوج ہے۔ اور مزار خواجہ کاملؑ کے نام سے مشہور ہے۔

سادات چشتی کے مزارات

حضرت خواجہ ابو احمد ابدال چشتی رضی ۱۰۰۰ھ چشتیہ کے شجرہ میں ان کا نام آتا ہے۔ سلطان فرستادہ کے لڑکے تھے۔ بھوپتی نے بڑے اہتمام سے پالا تھا۔ باپ اپنے بیٹے سے حد سے زیادہ محبت کرتا تھا لیکن جب حضرت خواجہ جوان ہوئے تو ایک دن باپ

کے ساتھ شکار گاہ سے گم ہو کر شیخ ابواسحاق شامی چشتی رضی کی خانقاہ میں پہنچ گئے۔ بس آپ جس چیز کے لئے بچپن سے مضطرب تھے وہ مل گئی اور پھر نہ گھر گئے اور نہ باپ اور حکمرانی سے سروکار رکھا۔ شیخ ابواسحاق رضی کی تربیت میں اتنے بڑے بزرگ ہوئے کہ زمانہ جانتا ہے۔ اگر حضرت خواجہ کے مرتبہ بزرگی اور کرامتوں کا حال لکھا جائے تو ایک بڑی کتاب بھی کافی نہ ہوگی۔ ۱۰۵۰ھ میں وفات پائی۔ چشت میں مدفون ہیں۔

حضرت خواجہ ابو محمد ابدال چشتی رضی حضرت خواجہ

ابو احمد ابدال چشتی رضی کے خلف الصدق اور زہد و اتقا، بزرگی و منزلت اور تصوف میں باپ کے حلیفہ تھے۔ ۲۲ سال تک علم دین حاصل کیا۔ سلطان محمود سبکتگین جب ہندوستان پر حملہ آور ہوئے تو آپ کی دعا اور کرامت نے مارنے والی اسلامی فوج کو فتح مند کر دیا تھا۔ (ان کا نام بھی سلسلہ کے شجرہ میں ہے)

حضرت استاد مردان چشتی رضی حضرت خواجہ

محمد چشتی رضی کے مرید تھے۔ اور زمانہ دراز تک استغنیہ کے ڈھیلے اور وضو کا پانی لادے لادے پھرتے تھے۔ کیونکہ آپ کا جب جی چاہتا تھا اور جہاں جی چاہتا تھا

نماز پڑھتے اور مصروف عبادت ہو جاتے تھے۔ واللہ
میں رملت فرمائی۔ چشت میں مزار شریف ہے۔

حضرت خواجہ ابولوسف چشتی رضی | حضرت خواجہ محمد

ابدال رضی کے خواہر زادہ تھے۔ حضرت خواجہ محمد رضی کی ایک
بہن تھیں جن کو بھائی سے بے حد محبت اور عقیدت تھی

ہمیشہ خدمت میں مصروف رہتی تھیں اور اس لئے
شادی نہیں کرتی تھیں۔ عبادت الہی۔ ریاضت،

زہد و تقویٰ میں مشہور زمانہ تھیں۔ ایک دن حضرت

خواجہ ابوالحمد رضی نے خواجہ محمد رضی سے خواب میں کہا کہ ملک

شافلان میں ایک شخص محمد سمعان تحصیل علم میں مشغول

ہے اور صالح بھی ہے۔ اس سے بہن کا عقد کر دو۔ چنانچہ

شادی کر دی گئی اور محمد یوسف خواجہ پیدا ہوئے۔ علم و

فضل اور محبت الہی میں یگانہ وقت تھے۔ بے شمار

کرامتیں حضرت کی طرف منسوب ہیں۔ ۵۹ھ میں

وفات پائی اور چشت میں مدفون ہوئے۔ (ان کا نام

بھی سلسلہ کے شجرہ میں ہے)۔

حضرت خواجہ سید مودود چشتی رضی | سات سال

کی عمر میں قرآن کریم کو مع معنی کے حفظ کر لیا تھا۔ اور

۲۰ سال میں تمام مروجہ علوم و فنون میں فاضل ہو گئے

تھے۔ چشت کے عوام و خواص حضرت کے معتقد تھے۔

مولانا احمد حامی رضی کی صحبت سے فیض حاصل کیا تھا۔

خواجہ رضی ہرات میں بھی تشریف لائے تھے۔ اور ایک ماہ
تک مجاہدہ نفس میں مصروف رہے تھے۔ صاحب کرامات
اور صاحب خوارق عادات تھے۔ ۵۲۵ھ میں رحلت
فرمائی۔ چشت میں فرما رہے۔

(یہ بھی سلسلہ کے شجرہ میں داخل ہیں اور ان کی
اولاد ہندوستان میں بھی موجود ہے۔)

ہرات و چشت کے مزارات کی کتاب میں عنوان

”سادات چشت لکھا ہے مگر میں نہیں جانتا کہ چشت

کے بزرگوں کا نسب کیا تھا۔ البتہ حضرت خواجہ مودود

چشتی رضی کی نسبت ہندوستان میں عام شہرت ہے

کہ وہ سید تھے۔ لیکن میں نے اس خاندان کا کوئی نسب نامہ

نہیں دیکھا۔ سادات چشت کے نام چونکہ میرے سلسلہ

کے شجرہ میں بھی آتے ہیں اس واسطے میں یہاں شجرہ کے

بزرگوں کے نام سلسلہ وار لکھتا ہوں تاکہ ناظرین سفر نامہ

اچھی طرح سمجھ جائیں۔

چشتیہ خاندان کا شجرہ | ابو رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم سے شروع ہو کر حضرت خواجہ سید معین الدین

چشتی اجمیری رضی تک آتا ہے اس میں حسب ذیل نام ہیں۔

(۱) حضور محمد رسول اللہ۔ (۲) حضرت علی مرتضیٰؑ۔

(۳) حضرت خواجہ حسن بصری رضی۔ (۴) حضرت عبداللہؑ

بن زید رضی۔ (۵) حضرت خواجہ فضیل بن عیاض رضی۔

(۶) حضرت خواجہ ابراہیم ابن ادہم لمبی (غلام) حضرت خواجہ سدید الدین حذیفہ مرعشی رض۔ (۸) حضرت خواجہ ابو ہبیرہ بصری رض۔ (۹) حضرت خواجہ مشاد بنوری رض۔ (۱۰) حضرت خواجہ ابواسحاق شامی چشتی رض۔ (یہ حضرت چشتیہ سلمہ کے بانی ہیں کیونکہ ملک شام سے چشت ہرات میں جا کر مقیم ہوئے تھے)۔ (۱۱) حضرت خواجہ ابو احمد چشتی رض۔ (۱۲) حضرت خواجہ ابو محمد چشتی رض۔ (۱۳) حضرت خواجہ ابو یوسف چشتی رض۔ (۱۴) حضرت خواجہ مودود چشتی رض۔ (۱۵) حضرت خواجہ شریف زندگی چشتی رض۔ (۱۶) حضرت خواجہ عثمان ازرونی چشتی رض۔ (۱۷) حضرت خواجہ ستیا معین الدین حسن چشتی اجمیری رض۔ گویا سترہ واسطہ پر حضور رسول مقبول کے خلیفہ ہیں۔ حسن نظر آجی۔

حضرت شاہ سنجان رض

محمود نام اور رکن الدین لقب تھا لیکن چونکہ سنجان کے باشندہ تھے اس لئے شاہ سنجان مشہور ہو گئے۔ حضرت خواجہ مودود چشتی کے مرید تھے اور چشت میں ہی رہتے تھے۔ عارف، دانشور تھے۔ ۹۹۷ھ میں انتقال فرمایا۔ اور چشت میں مدفون ہوئے۔

حضرت خواجہ احمد بن خواجہ مودود رض اپنے باپ کے قائم مقام اور زبردست بزرگ تھے۔ مدینہ منورہ کی چھ ماہ تک مجاور رہی کی تھی۔ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اکثر خواب میں دیکھا کرتے تھے۔ شیخ شہاب الدین

سہروردی رض سے بغداد میں ملاقات کی تھی۔ بادشاہ بغداد نے ایک خواب کی بناء پر آپ کی بے حد تعظیم و تکریم کی تھی اور کثیر سامان و دولت ہدیہ میں دیا تھا جس کو آپ نے شاہی محل سے باہر نکلتے ہی خیرات کر دیا تھا۔ اپنے وقت کے قطب تھے۔ ۹۹۷ھ میں رحلت فرمائی اور چشت میں مدفون ہوئے۔

حضرت شیخ احمد چشتی ثانی رض

یاد آتی ہیں جنگوں کا چکر لگایا کرتے تھے۔ مت المست بزرگ تھے نفس کی مکاریوں اور کمزوریوں سے ہمیشہ خائف رہتے اور ہمیشہ مجاہدہ نفس میں مصروف رہتے تھے۔ چشت میں مدفون ہیں۔

حضرت خواجہ اسماعیل رض

حضرت خواجہ احمد چشتی کے بھائی تھے۔ حضرت خواجہ عبداللہ انصاری قدس سترہ سے بے حد عقیدت رکھتے تھے اور ہمیشہ اُن کی خدمت کرتے تھے۔ چشت میں مدفون ہیں۔

حضرت خواجہ حاجی مکی رض

مکہ معظمہ کے رہنے والے تھے۔ چشت کی کشش لے آئی تھی۔ قدیم مشائخ اور اولیاء میں تھے۔ حضرت خواجہ ابواسحاق چشتی اور دوسرے چشت کے بزرگوں نے بھی حاجی مکی رض کی صحبت سے فیض اٹھایا تھا۔ چشت میں مدفون ہیں۔

حضرت شیخ ابن مبین کو سوی رض

ہرات کے

اولاد میں تھے۔ عارف باشند تھے۔ ہوا و شتک گاؤں

میں مزار ہے۔
حضرت شیخ فضل اللہ سروستانیؒ

حضرت ابن بین کے خلیفہ اور عابد زاہد بزرگ تھے۔

صاحب کرامت تھے اور ہمیشہ مراقبہ اور ذکر و کار میں

مشغول رہتے تھے سروستان گاؤں میں مزار ہے۔

حضرت امیر صدر الدین صوفیانیؒ استی

اد پر ہمیز گار تھے اور شہر ہرات میں مدتوں ریاضت اور

مجاہدہ نفس میں مشغول رہے۔ قبرستان خیابان میں

مزار شریف ہے۔

حضرت میر محمد سروستانیؒ عابد و زاہد

اور اہل ریاضت تھے۔ سروستان میں مزار ہے۔

حضرت مقری علی زاہدؒ حاجی حرمین شریفین

تھے۔ مجاہدہ نفس میں مشہور تھے ملاسیان گاؤں میں

حضرت خواجہ ابوالولید کے مزار کے قریب مدفون ہیں

حضرت ملا مومنؒ عزلت نشین تھے۔ اور ہمیشہ

افادہ و استفادہ میں مشغول رہتے تھے۔ بہت سے

مرید بھی تھے۔ ملاسیان میں قبر ہے

حضرت میرزا مظفرؒ ملا مومن کے داماد اور

قائم مقام اور درویشوں کی مجلس کے میر تھے ملاسیان

میں قبر ہے۔

مشائخ کے پیشوا صاحب کرامت اور خوارق عادات تھے

تزکیہ نفس میں کمال پیدا کیا تھا۔ شہر ہرات کی مغربی جانب

سینسان گاؤں میں مزار ہے

حضرت درویش احمد صوفیانیؒ حشر

ابن بین کو سومی کے خلیفہ اور صاحب حال اور صاحب

کرامت بزرگ تھے۔ صوفیان گاؤں میں مزار مبارک ہے

حضرت شیخ شاہ محمود کاریزگیؒ

خاموشی اور عزلت سے زندگی بسر کرتے تھے۔ ہرات کے

لوگ حضرت کے معتقد تھے۔ بڑے عابد و زاہد تھے جسدہ

میں انتقال فرمایا اور محلہ باغ وشت میں مدفون ہوئے۔

حضرت ملا میرزا النکریؒ شیخ درویش احمد

کے خلیفہ تھے۔ اور صاحب فیض بزرگ تھے۔ سندھ

میں انتقال فرمایا اور باغ وشت گاؤں میں مدفون ہوئے۔

حضرت ملا یحییٰ باغدشتیؒ حضرت درویش

احمد صوفیانی کے خلیفہ اور جانشین تھے جسدہ میں

رحلت فرمائی اور باغ وشت میں مدفون ہوئے۔

حضرت میر شمس الدین خیاطؒ ساوات

عظام میں تھے۔ حاجی حرمین شریفین اور عابدان وقت

میں تھے۔ جسدہ میں وفات پائی مزار جوئے نخیل

کے کنارے ایک مسجد میں ہے۔

حضرت مولانا محمد مقیمؒ شیخ شاہ محمود کی

مزارات شہدا

ہرات کے شمال جانب شہر میں ایک مشہور مسجد ہے۔ جہاں بہت سے شہدا مدفون ہیں۔ اہل ہرات زیارت کے لئے جاتے ہیں۔

حضرت شیخ ترک قتالؒ سید عبد اللہ مختار

کے اصحاب میں ہیں اور حضرت سیدؒ کے قریب مدفون ہیں
حضرت امیر حفص شمعانیؒ متاخرین اولیاء

میں ریاضت اور مجاہدہ نفس میں سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ اور حضرت میرزا انگرشیؒ سے فیض حاصل کیا تھا۔ خواجگان نقشبندیہ سے تعلقات مودت رکھتے تھے حرمین شریفین کی زیارت سے فائز تھے۔ زبردست بزرگ اور صاحب کرامات تھے۔ سادات میں تھے۔ شہداء میں ملک بقا کو گئے اور شمعان گاؤں میں مدفون ہوئے۔

حضرت بابا علی شاہ مجذوبؒ مست

الست اور خدا کی محبت میں سرشار تھے۔ ان کی مجذوبیت کی زندگی کے عجیب و غریب حالات بیان کئے گئے ہیں۔ ایک دن مجذوب صاحب ایک مسجد کے دروازہ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ نماز کا وقت تھا حضرت مولانا عبد الرحمن جامی اور حضرت شیخ الاسلام ہرات قدس سرہم مغرب کی نماز پڑھنے کے لئے تشریف لائے۔ شیخ الاسلام نے مجذوبؒ سے کہا کیوں میاں دیوانے!

نماز بھی پڑھتے ہو۔ کہنے لگے ہاں! اور یہ کہتے ہی مسجد میں گئے اور سب کی امامت شروع کر دی اور ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد یہ اشعار پڑھنے لگے۔

پیچ می دانی چہ کردی بر دل انکار من

روئے بنمودی و شد آتش پرستی کار من

اے کبوتر گر پری بر بام قصر آں پری

نامہ خود میکشم برگرونت آنجا بری
حضرت شیخ الاسلام مسئلہ شریعت کی رو سے اس عاشقانہ نماز میں شامل نہ ہوئے اور حضرت جامی نے نماز میں شرکت کی۔ جب نماز ختم ہو گئی تو حضرت جامیؒ نے شیخ الاسلام سے کہا ”زندگی کی مقبول ترین نماز میں افسوس آپ نے شرکت نہ کی“ محلہ ساربان کے قریب مزار پر انوار ہے۔

حضرت مولانا عبد اللہ ہاتھیؒ حضرت بچا لانا

عبد الرحمن جامی کے خواہر زادہ تھے حضرت جامی کی صحبت میں پرورش پائی تھی زبردست شاعر تھے مثنوی لیلے مجنوں اور ایک دیوان یادگار ہے۔ ۹۲۶ھ میں رحلت فرمائی اور مولانا سعد الدین کاشغری کے پائیں دفن کئے گئے۔

حضرت مولانا حمید الدینؒ مدت دراز تک

افادہ اور استفادہ میں مشغول رہے سالہ میں وفات پائی اور اپنے والد مولانا شمس الدین تیا دگانی کے پہلو میں خیابان میں دفن ہوئے۔

حضرت سید محمد شرمی صاحب کرامت اور

سادات عظام میں تھے۔ باغ مراد کے قریب مزار ہے۔

حضرت شیخ یحییٰ بخاری نہایت کامل بزرگ اور مجاہد نفس میں مصروف رہنے والے تھے چشمہ گازر گاہ کے قریب ایک غار میں بہت سے بزرگوں کا مزار ہے وہیں مدفون ہیں۔

مقبرہ سنگ چل یہ مقبرہ سنگ

چل کا بنا ہوا ہے اس میں حضرت خواجہ عبداللہ و حنیف خواجہ کباب کی قبریں ہیں دونوں صاحب کرامت بزرگ تھے

حضرت خواجہ محمد خباز مولانا معین الدین سبزواری نے اپنی کتاب میں حضرت کی بہت تعریف لکھی ہے صاحب کرامت تھے۔ گازر گاہ میں مدفون ہیں

حضرت خواجہ محمد خلوتی پل گازر گاہ کے قریب مدفون ہیں مزار مبارک کے قریب ایک حوض

واقع ہے

حضرت شیخ شبگیر اپنے وقت کے بالوں میں تھے۔ گازر گاہ میں مزار ہے۔

حضرت شیخ نجم الدین طلبہ طالب لقب ہے

صاحب کرامت بزرگ تھے راہ گازر گاہ کے قریب قبر ہے

حضرت خواجہ سیاح پوش بڑے پیروں

میں تھے۔ اہل ہرات میں حضرت کی کرامتیں مشہور ہیں

شمعان گاؤں میں مزار ہے۔

حضرت شیر سرخ صاحب وجد و حال تھے

غورن گاؤں میں مدفون ہے۔

حضرت مولانا درویش احمد قندری

زبردست موجد اور صاحب عرفان بزرگ تھے حضرت مولانا زین الدین خوانی کے مرید تھے۔ خراسان، عراق

حجاز، ماوراء النہر وغیرہ کی سیاحت فرمائی تھی۔ اور بڑے

بڑے بزرگوں کی صحبت سے فیض حاصل کیا تھا۔ روم

بھی گئے تھے اور حضرت زنگی مجذوب سے ملاقات کی

تھی جس کی صحبت نے معرفت کی آگ دل میں اور

بھڑکادی تھی۔ سرور کائنات کو بھی خواب میں دیکھا تھا

درویش احمد کی زندگی اور محبت الہی کے عجیب غریب

حالات مشہور ہیں۔ گازر گاہ کے پل کے قریب آستانہ

متصل مزار مبارک ہے۔

حضرت مولانا زاوہ مولانا سراج الملک

الدین کے مرید تھے۔ علوم ظاہر و باطن صلاح، تقویٰ

زہد میں بی نظیر تھے۔ صاحب کرامات تھے ۷۲۴ھ میں

انتقال فرمایا اور حضرت شیخ الاسلام زین الدین خوانی

فرمایا اور حضرت شیخ الاسلام زین الدین خوانی

فرمایا اور حضرت شیخ الاسلام زین الدین خوانی

فرمایا اور حضرت شیخ الاسلام زین الدین خوانی

کے مقبرہ میں مدفون ہوئے۔

حضرت اسفرغیابا دینیؒ

لقب مشہور ہے۔ حضرت مولانا شمس الدین محمد کے خلف الصفا تھے۔ ہمیشہ قرآن پاک کی تلاوت اور عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ ۹۳۲ھ میں وفات پائی اور پیر بزرگوار کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

حضرت مولانا حاجی ابراہیمؒ حاجی حسین

عارف و موحد اور سچے خدا پرست تھے۔ اچھے عالم اور فصیح و بلیغ اور شیریں کلام تھے۔ ۱۰۳۵ھ میں وفات پائی اور مقبرہ مخدومی تبابا و گانی میں مدفون ہوئے۔

حضرت شاہ خوردؒ

کرامت تھے۔ سلطان ابوسعید ہمیشہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ عید گاہ میں شمالی جانب مقبرہ ہے۔

حضرت شیخ کمال الدین حسنؒ

تھے۔ حضرت سے بہت سے طالبان علم و طریقت نے فیض اٹھایا تھا۔ ۱۰۳۵ھ میں انتقال فرمایا اور عید گاہ میں شمالی جانب دفن ہوئے۔

حضرت مولانا شمس الدین محمدؒ اپنے

وقت کے شیخ الاسلام تھے۔ زہد، تقویٰ اور علم فتویٰ میں بینظیر تھے۔ ۱۰۳۵ھ میں انتقال فرمایا اور سنوچہ دگاؤں میں دفن ہوئے۔

حضرت بابا حسین ترکؒ

ابتداءً شباب میں سپاہی تھے۔ لیکن محبت الہی کی وجہ سے اس زندگی سے بیزار ہو گئے اور ہرات چلے آئے زبردست بزرگ اور خاموش صوفی تھے۔ خیابان میں مزار ہے۔

حضرت بابا جمال مجذوبؒ

بابا علی مست مشہور ہیں۔ ابتداءً جوانی میں کتب میں بچوں کو پڑھاتے تھے۔ لیکن اس کو چھوڑ چھاڑ جنگلوں میں چلے گئے اور خدا کی عبادت میں مصروف ہو گئے۔ بازار اسپ فروشاں میں مزار ہے۔

حضرت سید غیاث الدین مجذوبؒ

بات بولتے تھے ہو کر رہتی تھی۔ کشفی بزرگ تھے۔ ۱۰۳۵ھ میں رحلت فرمائی اور مقبرہ خلوتیان میں مدفون ہوئے۔

حضرت میر محمد طاہرؒ

بزرگان وقت اور سادات میں تھے۔ مرغاب میں مزار ہے اور اجابت دعا کیلئے مشہور ہے۔

حضرت مولانا عبد الصمد بخاریؒ

مجتہد اور عالم و فاضل تھے۔ حضرت خواجہ عبداللہ انصاری کے پائیں مدفون ہیں۔

حضرت خواجہ غریبانؒ

اپنے وقت کے بڑے بزرگوں میں تھے۔ وہ کنار گائل میں مزار ہے۔

مختلف زیارت گاہیں

ان مزارات کے علاوہ ہرات میں قدیم زمانے کی کئی اور زیارت گاہیں بھی ہیں۔ مثلاً :-

چاہ شہیداں :- ایک کنواں ہے جس میں ہلاکو کے ظلم کے شکار کردہ ۲۰ شہیدوں کی قبریں ہیں اہل ہرات ہمیشہ اس کی زیارت کرتے ہیں۔

باغیچہ سفید فروشاں میں حضرت خواجہ گاندا شیع زین الدین، پیر مزار بخش رحمۃ اللہ علیہم کی قبریں ہیں جہاں اہل ہرات اپنے مقاصد کے لئے دعائیں مانگتے اور چلہ کشی کرتے ہیں

مقبرہ خیمہ آباد کے مشرق جانب ایک مسجد التجہ کے نام سے مشہور ہے۔ بہت سے اولیاء اللہ، درویش اور مجذوب اس میں مدفون ہیں بہت ہی عجب اور پر عجب مقام ہے۔ ہر شخص اس مسجد میں جا کر دعا مانگنے کی ہمت نہیں کرتا لیکن یہ مشہور ہے کہ جو شخص اس مسجد کے مزاراتِ اطمینان و سکون سے دعا مانگتا ہے اس کی مراد اس کو مل جاتی ہے۔ اہل ہرات اس مسجد کی زیارت کرنے جاتے رہتے ہیں۔

دہ کنار گاؤں میں حضرت شیخ گندرائی، ملا میچے

بخارائی، شیخ نجم الدین مالائی، ملا اشرف قاضی شیخ احمد مرجانہ، سید شیخ عالم تیرانی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ بزرگان اور اولیاء اللہ مدفون ہیں۔

آخری دوس کے بزرگان دین کے مزارات

نوٹ :- امیر تیمور گورگان کے زمانے میں حضرت خواجہ عبداللہ انصاری قدس سرہ نے تالیف ہرات اور طبقات مشائخ ہرات وغیرہ کئی کتابیں لکھی تھیں جس میں اپنے زمانے اور اپنے قبل کے زمانے کے بزرگوں کے حالات تھے۔

پھر ۹۶۴ھ میں حضرت سید عبداللہ حسینی نے جو اصل الدین الواعظ مشہور ہیں ایک کتاب شرح مزارات ہرات لکھی جس میں اپنے وقت تک کے بزرگوں کے حالات جمع کئے تھے پھر ۹۶۸ھ میں حضرت عبداللہ بن ابوسعید ہراتی نے مزارات ہرات نامی ایک کتاب تالیف فرمائی جس میں حضرت مولانا جامی کے وقت سے لیکر ۹۶۸ھ تک کے نام بزرگوں کے حالات تھے لیکن ۹۶۸ھ کے بعد سے جو بزرگان دین اور مشائخ طریقت ہرات میں گذرے ہیں ان کے حالات کا کوئی محل تذکرہ بھی کمیں نہیں ملتا تھا



کیونکہ اس آخری دور کے بزرگوں کے حالات پر اب تک کوئی کتاب شائع نہیں ہوئی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ افغانستان اور ہرات کے باشندے اپنے بزرگوں کے حالات سے بیخبر ہیں اور نئے خبر رہنا چاہتے ہیں لیکن حضرت خاتان افغانستان نادر شاہ غازی کے قدم ہیمنت لزوم کا نتیجہ ہے کہ اب ہرات کے نوجوانوں اور تعلیم یافتہ حضرات کو ہوش آ رہا ہے اور وہ اپنے سابقہ عظیم الشان تاریخ و تمدن سے غافل رہنا نہیں چاہتے چنانچہ ”رسالہ مزارات ہرات“ جو ششہ ۳۷ میں ہرات کے مطبع دانش نے شائع کیا ہے اور جس میں شروع سے لیکر ششہ ۳۷ تک کے بزرگوں کے حالات ہیں۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اہل ہرات اپنے بزرگوں سے محبت کرتے ہیں اور ان کے کارناموں کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں

”رسالہ مزارات ہرات“ کا تیسرا حصہ مولانا محمد صدیق صاحب ہراتی نے تالیف کیا ہے اس حصہ میں ششہ ۱۹ سے لیکر ششہ ۳۷ تک کے بزرگوں کے حالات کمال محنت سے جمع کئے گئے ہیں ناظرین کرام کے سامنے اس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے

حضرت اخوند ملا گندم علی صاحب سنہ ۱۱۷۱ھ میں

ولادت ہوئی۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا بیان ہے کہ بیدار ہونے کے وقت بلند آواز سے حضرت نے کہا **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ** پورا کلمہ پڑھا اور میں جب تک نفاس سے پاک نہ ہو چکی حضرت نے دودھ نہیں پیا اور ہمیشہ گندگی

سے بچتے رہے۔ جب حضرت جوان ہوئے تو ایک ن حضرت میرزا یحییٰ قدس سرہ کے مزار پر گئے اور مراقبہ میں مصروف ہو گئے تو قبر سے آواز آئی ”اے گندم علی قرآن پڑھ“ حضرت گندم علی بالکل ناخواندہ تھے بہت گھبرائے لیکن آپ نے دیکھا کہ آپ کے سینہ میں نور بھر رہا ہے اور آپ حافظ قرآن پاک ہو گئے ہیں۔

اسی طرح حضرت میرزا یحییٰ نے نصیحت کی کہ اے گندم علی تحصیل علم کی کوشش کر“ چنانچہ حضرت گھر چھوڑ کر تحصیل علم کے لئے جا رہے تھے کہ راستہ میں خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور انھوں نے فرمایا کہ تجھ کو تمام چیزوں کا علم لدنی دیا گیا ہے۔ چنانچہ جب حضرت مدرسہ پہونچے تو آپ کے سامنے ہر علم اور ہر کتاب کے اسرار بالکل کھل گئے تھے۔

حضرت نے تصوف کی منزلیں حضرت سید محمد قتالی رضی صحت میں طے کیں اور حضرت قتالی کے خلیفہ ہوئے۔ آپ کا سلسلہ بیعت ۴ واسطوں سے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تک پہونچتا ہے حضرت گندم علی رضی عنہ شمار کرامتیں اور خرق عادات مشہور ہیں عظیم المنزلت بزرگ تھے ششہ ۱۱۷۱ھ میں انتقال فرمایا اور تاریخ وفات سب کو بتلائی تھی اور جنازہ کی نماز کا امام بھی مقرر فرمایا تھا۔

حضرت کی نسل اب تک ہرات کے مختلف حصوں میں علم دین اور تصوف کی خدمت میں مشغول ہے۔

حضرت خلیفہ میر تقی صاحب قتالی حضرت

سلطان العارفين میرا برہیم قتال قدس سرہ کی اولاد سے تھے۔ علوم ظاہر و باطن میں بگناہ وقت تھے چشتیہ سلسلہ میں تھے اور اپنے پدر بزرگوار حضرت حاجی میر فضل شہید سے تصوف کی تعلیم حاصل کی تھی اور باپ کے خلیفہ بھی تھے اپنے وقت کے صاحب کرامت اور مشہور بزرگ تھے۔ ۱۱۹۲ھ میں رحلت فرمائی۔ مزار پُرانا و آج بھی گاؤں میں ایک عالیشان عمارت کے اندر ہے۔

حضرت صوفی اسلام کروخی قطب الاولیاء

شمس لاصفیاء و مرشد الانام لقب ہے آبائی وطن نواز زم تھا۔ ۱۳۱۸ھ میں پیدا ہوئے تھے اور آغاز جوانی میں بخارا کے بادشاہ کی فوج میں ملازم ہو گئے تھے۔ جہاں ترقی کر کے ایک اعلیٰ عہدہ پر پہنچ گئے تھے۔ ایک دن جنگ میں شرکت کے لئے کہیں تشریف لیجا رہے تھے کہ راستے میں حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ حضرت خضر نے نصیحت فرمائی کہ بخارا کے مجازی بادشاہ کی ملازمت کو چھوڑ کر دنیا کے حقیقی بادشاہ سے لگن پیدا کرو۔ یہ سن کر آپ سب چھوڑ چھاڑ ہرات چلے آئے اور یاد آتی میں مصروف ہو گئے۔ طریقہ نقشبندیہ کے پیرو تھے اور حضرت غالب نظر کے خلیفہ تھے۔ آپ کا سلسلہ بیعت (۵) واسطوں سے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

تک پہنچتا ہے۔ آپ نے فرغانہ اور بخارا کے قیام میں حضرت خواجہ احمد سیوشی کی صحبت سے بھی فیض حاصل کیا تھا فتح علی شاہ قاجار ایرانی بادشاہ نے ہرات پر حملہ کرنے کے لئے ایک لشکر روانہ کیا تو حضرت ملک ملت کی حفاظت کے لئے اپنے مریدوں کے ساتھ میدان میں آئے۔ اور شبکان گاؤں میں ایرانی فوج سے لڑ کر شہید ہوئے سال شہادت ۱۲۲۲ھ ہے۔ آپ صاحب کرامت بزرگ اور حق پرست مجاہد تھے۔ آپ کے ہزار ہا مرید اور ۱۰۰ خلیفہ تھے۔

حضرت خلیفہ میرا برہیم صاحب قتالی علم فقہ حدیث، تفسیر، اخلاق، تصوف میں شہرہ آفاق تھے۔ اور حضرت خلیفہ میر سید محمد قتالی کے خلف الصدق تھے۔ لیکن پدر بزرگوار کا انتقال اسی وقت ہو گیا تھا جب کہ حضرت ابراہیم زیادہ ہوشیار نہ تھے طریقت میں خلعت خلافت حضرت میاں عبدالرحیم صاحب مجددی سے حاصل ہوا تھا مجاہد نفس اور ریاضت میں کمال حاصل تھا۔ دریائے معرفت میں ہر وقت غوطہ زن رہتے تھے اسی لئے عوام میں ”دریانوش“ مشہور ہو گئے تھے مزار مبارک اولان گاؤں میں ایک عالی شان عمارت کے نیچے ہے۔

حضرت خلیفہ میر عبدالباقی قتالی حضرت خلیفہ

میرا برہیم صاحب قتالی کے خلف الصدق تھے ارادت خلافت کی نسبت اپنے والد ماجد سے تھی۔ علوم شریعت

طریقت میں بیگانہ عصر اور معتدائے وقت تھے صاحب کرامات تھے۔ امیر شیر علی خاں مرحوم کے زمانہ میں ۱۲۹۲ھ میں انتقال فرمایا اور ان گاؤں میں اپنے والد کے مقبرہ میں دفن کئے گئے۔
حضرت آخوند ملا علی محمد صاحب اسفرارمی

حضرت صوفی ملا نور محمد صاحب جو ایک مشہور بزرگ تھے ان کے صاحبزادے تھے۔ زمانہ دراز تک مرشد کامل کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ یہاں تک کہ حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلوی کے خلیفہ حضرت مولوی محمد جان صاحب قندھار پہنچے تو ان کے دست حق پرست پر بیعت فرمائی۔ اور ریاضت مجاہدہ نفس میں مشغول ہو گئے۔ اور خلعت خلافت لے کر اپنے گاؤں اسفرار چلے آئے۔ حضرت کے بہت سے مرید تھے اور حضرت دائم الصوم اور ہمیشہ خاموش رہتے تھے۔ مزار مبارک اسفرار میں ہے۔

حضرت میر ابو الفیض صاحب قتالی حضرت

سلطان ابراہیم قتال کی اولاد میں تھے اور حضرت میر ابو ذر کے فرزند تھے۔ لیکن والد ماجد تین سال کا چھوٹ کر رحلت فرما گئے تھے۔ حافظ قرآن تھے اور خلیفہ ملا عبد اللہ صاحب سے فقہ، حدیث، تفسیر وغیرہ میں کمال حاصل کیا تھا۔ اور انہی بزرگ کے مرید ہو گئے تھے۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد حضرت پیر کی اجازت سے قندھار چلے آئے۔ اور حضرت غلام علی شاہ صاحب دہلوی کے خلیفہ حضرت لوی

محمد جان صاحب کی خدمت میں رہنے لگے۔ اور پھر ان بزرگ سے بیعت کر لی۔ یہاں رہ کر حضرت میر ابو الفیض نے مجاہدہ نفس اور ریاضت میں اپنا سارا وقت صرف کیا۔ کچھ دنوں بعد حضرت آخوند ملا عبد اللہ صاحب بھی مولوی محمد جان صاحب کی خدمت میں آ گئے۔ ایک دن جب کہ مولو محمد جان کی خدمت سے دونوں حضرات الپس چلے آئے تو حضرت آخوند ملا عبد اللہ صاحب نے حضرت میر ابو الفیض صاحب سے فرمایا۔ ”اے سید زادے! طریق سلوک و معرفت میں اور زیادہ کمال حاصل کرنے کے لئے تم کو ہندوستان کا سفر کرنا چاہئے“ چنانچہ حضرت میر ابو الفیض صاحب ہندوستان آئے اور وہاں میں دو سال تین مہینہ رہے۔ حضرت غوث احمدی شاہ صاحب دہلوی کی خدمت سے فیض حاصل کیا اور مختلف مزارات کی زیارتیں کیں اس کے بعد سرہند تشریف لے گئے اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے روضہ پرنواز کے چار ماہ مصروف ریاضت رہے۔ پھر ہرات تشریف لے گئے اور آخر زندگی تک یاد آہی اور تصوف کی تبلیغ میں مصروف رہے۔ ۱۲۹۲ھ میں انتقال فرمایا جنازہ میں امیر محمد یعقوب خاں امیر شیر علی خاں کے بیٹے۔ ہرات کے تمام علما و دانشمندان اور حضرت خلیفہ عبد الباقی صاحب اور عوام نے جوق در جوق شرکت کی اپنے

والد ماجد کے پہلو میں سیاہ و شان گاؤں میں دفن ہوئے۔
حضرت میر غلام علی شاہ قتالی حضرت میر

ابوالفیض صاحب کے خلف الصدق تھے۔ ۱۲۵۵ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ نہایت کم عمری میں علوم اسلامی سے فراغت حاصل کر لی تھی۔ قادری سلسلہ میں تھے صاحب کرامت اور صاحب فیض بزرگ تھے۔ ۱۳۳۵ھ میں انتقال فرمایا اور کبریاں گاؤں میں دفن کئے گئے۔

حضرت میر سید سعد اللہ صاحب قادری حضرت

سید حمید الدین صاحب ایک مشہور بزرگ کے خلف الصدق تھے اور سلسلہ نسب اور سلسلہ طریقت میں حضرت پیران پیر جلالی کی اولاد میں تھے۔ تفسیر اور حدیث میں شہرہ کثافت تھے۔ سلسلہ قادریہ کی تبلیغ و اشاعت میں ہمہ تن منہمک رہتے تھے۔ باو شاہ وقت حضرت کا معتقد تھا اور سب اہل ہرات حضرت کی بزرگی اور زہد و تقویٰ کو تسلیم کرتے تھے۔ خیابان میں مدفون ہیں۔

حضرت میر سید شریف صاحب قادری حضرت

میر سید سعد اللہ صاحب کے خلف الصدق تھے۔ ۱۲۵۵ھ میں پیدا ہوئے۔ اور کم عمری میں ہی علوم اسلامی کے ماہر ہو گئے۔ اہل ہرات حضرت کے عقیدت مند تھے۔ حسن اخلاق اور خدا پرستی میں یگانہ روزگار تھے۔ صاحب کرامت مشہور تھے۔ ۱۳۱۶ھ میں انتقال فرمایا اور حضرت

خواجہ روشنائی کے مقبرہ میں دفن کئے گئے۔

حضرت صاحبزادہ سید محمد نجیب قادری میر

سید سعد اللہ کے دوسرے صاحبزادے اور حضرت میر سید شریف کے بھائی تھے۔ ۱۲۵۹ھ میں پیدا ہوئے۔ زبردست شاعر اور اعلیٰ ادیب تھے۔ اور علوم اسلامی کے ماہر تھے۔ اپنے بڑے بھائی کے ساتھ حرمین شریفین کی زیارت کو بھی گئے تھے۔ بڑے عالم اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ ۱۳۱۳ھ میں رحلت فرمائی اور حضرت خواجہ روشنائی کے مقبرہ میں دفن کئے گئے۔

حضرت آخوندزادہ ملائی صاحب حبش

بخارائی کے خلف الصدق تھے علم و تقویٰ میں یگانہ وقت تھے۔ اپنے پدر بزرگوار سے علوم اسلامی حاصل کئے تھے۔ بہت دنوں تک مرشد کامل کی تلاش میں سرگرداں رہے یہاں تک کہ حضرت قطب العارفین غلام علی شاہ صاحب دہلوی کے نامور خلیفہ حضرت میرزا جیم اللہ عزیز آبادی کے دست حق پرست پر بیعت فرمائی جو ان دنوں ہرات تشریف لگے تھے حضرت میرزا جیم اللہ کی خدمت میں ہو کر آخوندزادہ نے اپنی زندگی مجاہدہ نفس اور نہایت کڑی ریاضتوں میں بسر کی۔ یہاں تک کہ آپ کو خلافت کا نعت حضرت جیم اللہ نے عطا فرمایا۔ تمام اہل ہرات حضرت آخوندزادہ صاحب کے مرید اور معتقد تھے اور میر تقی خواں ہر جہہ کو اعیان

اور اکثر بہاؤں، جنگلوں اور دریاؤں کے کنارے اوقات گزارتے تھے۔ حضرت کے خوارق عادات تو اثر سے بیان کئے جاتے ہیں۔ مزار مبارک "خواجہ محمد چنار" گاؤں میں ہے۔
حضرت شاہزادہ حاجی گیتی ستان حضرت

سلطان شاہ بن امیر تیمور شاہ مرحوم بن سلطان احمد شاہ غازی کے فرزند تھے۔ جب حضرت حاجی گیتی ستان چھوٹے تھے اور حضرت ملا عبدالاحد صاحب اسلامی علوم پڑھا کرتے تھے۔ تو آپ کو فقیروں اور اولیاء اللہ سے قلبی تعلق ہو گیا تھا اور حکمرانی سے کوئی محبت نہیں رہی تھی۔ جب حضرت کے باپ حضرت سلطان شاہ کا انتقال ہو گیا تو حضرت گیتی ستان نے حرم کی سب لونڈیوں اور کنیزوں اور غلاموں کو آزاد کر دیا۔ اور جامعہ درویشی پہن کر عازم حرمین شریفین ہو گئے حرمین کی واپسی کے بعد بغداد میں حضرت غوث پاک کی خانقاہ کے سجادہ نشین جناب حضرت شیخ عبدالرحمن صاحب فیض صحبت چل کیا۔ اور ان کے مرید ہو کر سات سال یا آٹھ اور مجاہدہ نفس میں بغداد میں بسر کئے اور پھر واپس ہرات تشریف لائے۔ حضرت گیتی ستان شاہی کو چھوڑ کر فقیر بنے تھے اور یہ بات آپ کے عارف باللہ اور کامل صوفی بھنے کی دلیل ہے۔ ۹۴ھ میں انتقال فرمایا اور حضرت خواجہ محمد بند کشا کے مقبرہ میں مدفون ہوئے۔

حضرت پیرا مان اللہ صنا غور شی حضرت ملا

سلطنت کے ہمراہ حضرت کی زیارت کو آتے تھے۔ ۹۳ھ میں وفات پائی اور اپنے پدر بزرگوار کے مقبرہ میں بارگاہ گاؤں میں دفن کئے گئے۔ آپ کی اولاد اور خلفاء اب تک ہرات میں تصوف کی تبلیغ میں کوشاں ہیں۔

حضرت خواجہ خلیفہ مولانا صاحب حضرت
 خواجہ مولانا محمد یوسف جامی ایک مشہور بزرگ کے فرزند تھے۔ اور سلسلہ نسب قطب لاقطب حضرت احمد جامی اور حضرت جریر بن عبداللہ صحابی تک پہنچتا ہے۔ ہم مبارک عبدالرحیم عماد الدین تھا۔ اپنے پدر بزرگوار کے خلیفہ اور طریقہ نقشبندیہ کے پیرو تھے۔ فقہ، حدیث، تفسیر اور تمام علوم میں فاضل اور خوش بیان واعظ تھے۔ ۹۳ھ میں طاعت فرمائی اور حضرت خواجہ ابوالولید احمد کے مقبرہ میں مدفون ہوئے۔
حضرت خواجہ احمد جامی حضرت خواجہ عبدالرحیم عماد الدین کے فرزند اور خلیفہ تھے۔ فقہ، تفسیر، حدیث، تجوید میں امام وقت تھے۔ عوام و خواص سب کے محبوب تھے۔ اتباع سنت، ریاضت اور مجاہدہ نفس میں مشہور تھے۔ ۹۳ھ میں دار بقا کو گئے۔ پدر بزرگوار کے پہلو میں مدفون ہے۔

حضرت مولانا عبدالغفور صاحب چنار شی
 حضرت آخوند ملا گندم علی کے پوتے تھے۔ اور تارک دنیا فقیر تھے۔ پچھے پڑانے کپڑے پہنتے۔ پریشان حال رہتے

رحمۃ اللہ علیہ قد حار کے مشہور بزرگ کے فرزند تھے۔ قد حار
میں علوم و فنون کی تکمیل کی اور تلاش رہبر میں ہرات آئے
اور حضرت مولانا محمد جان کے مرید ہو گئے۔ لیکن جب حضرت
مولانا محمد جان کا انتقال ہو گیا تو حضرت امان اللہ نے
بیعت کے لئے حاجی و دست محمد صاحب دہلوی کی طرف ہاتھ
بڑھایا جو شاد ابو سعید کی واسطے سے حضرت شاہ غلام علی صفا
دہلوی رحمۃ اللہ نے خلیفہ تھے۔ بین سال تک دہلوی بزرگ
کی خدمت میں رہ کر علوم باطن کی تکمیل کی اور آخر میں خلعت
خلافت سے سرفراز ہوئے اور غور میں جا کر تبلیغ و ارشاد
فرمانے لگے ۱۲۹۳ھ میں رحلت فرمائی اور غور میں مدفون
ہوئے آپ کی اولاد نے بعد میں ہرات مسکن بنایا اور
باپ کے نقش قدم پر چل کر طریقت میں کمال پیدا کیا۔

حضرت شیخ ملا عبدالرسول صاحب کلہاڑی حضرت

شیخ نور اللہ صاحب کے مرید تھے جو چند واسطوں سے
حضرت مجدد الف ثانی سے فیض یاب ہوئے تھے حضرت
ملا عبدالرسول تنہائی پسند اور خاموش صوفی تھے مزار
مبارک علاقہ اڈکل میں ہے

حضرت میاں فضل الحق صاحب مجددی یہ مشہور

بزرگ حضرت میاں محمد عمر صاحب مجددی کے خلف اہدق
تھے۔ عنقوان شباب میں اپنے والد ماجد سے تمام علوم کی
تکمیل کر لی تھی اور سلسلہ نقشبندیہ اور طریقت کی تمام مائیں کو

طے فرمایا تھا۔ حاجی حرمین شریفین تھے ۳۳۲ھ میں رحلت
فرمائی اور حضرت جامی کے مقبرہ میں دفن کئے گئے۔

حضرت خلیفہ ملا عبدالاحد صاحب سلجوقی حضرت

آخوند ملا میرزا صاحب کے فرزند تھے۔ آغا جوانی میں سارے
علوم سے فارغ ہو گئے تھے۔ باپ نے علمی استعداد بہت اعلیٰ
پیدا کرادی تھی۔ ۲۵ سال کی عمر میں سالک کامل کی تلاش
میں بہت سے صوفیوں کی خدمت میں گئے لیکن کامیابی
نہیں ہوئی۔ آخر حضرت قطب العارفین حضرت جی صاحب
مجدد دہلی نے بیعت کرنے پر آمادگی ظاہر فرمائی۔ وہاں رہ کر
سلجوقی نے علوم باطن کی تکمیل کی اور نقشبندی سلسلہ کے
مختلف مراحل طے کر لئے۔ ۱۲۵۵ھ میں شمع حیات خاموش
ہو گئی حضرت مولانا جامی کے قریب ایک مقبرہ سلجوقیہ میں مزار
مبارک ہے۔

حضرت خلیفہ ملا محمد حسین صاحب حضرت ملا

عبدالاحد صاحب کے فرزند تھے۔ کم عمری ہی میں اپنے
والد ماجد سے تمام علوم پڑھ لئے تھے۔ خط نستعلیق میں شہرہ
آفاق تھے۔ ہرات کے تمام خوشنویس آپ کے شاگرد تھے
اور افغانستان کے ہر حصہ میں آپ کے مکتوبات بطور یادگار
محفوظ ہیں۔ خادم خلق، گوشہ نشین اور صوفی بنش تھے۔
مقبرہ سلجوقیہ میں مدفون ہے۔

حضرت میر مصطفیٰ صاحب قتالی ابتدائے عمر میں

تمام علوم و فنون سے فارغ ہو گئے تھے حضرت ملاح محمد جان کے مرید اور خلیفہ تھے۔ علم تصوف میں مہارت رکھتے تھے۔ ۱۳۳۵ھ میں رحلت فرمائی اور بیچتی گاؤں میں مدفون ہوئے حضرت کے ایک عقیدت مند نے مزار پر ایک عالیشان مسجد تعمیر کرا دی ہے۔

حضرت آخوندزادہ ملا محمد حسن دہبی نقشبندی

سلسلہ میں تھے اور دو واسطوں سے حضرت غلام علی شاہ صاحب دہلوی کے مرید تھے۔ علوم دینی کے ماہر اور اہل ہرات کے محبوب تھے۔ صاحب فیض اور صاحب کرامت بزرگ تھے ۱۳۳۵ھ میں وفات پائی اور اُدبہہ گاؤں میں مدفون ہوئے۔

حضرت صاحبزادہ ملا محمد جان صاحب حضرت شیخ

ملا عبد الرسول صاحب ایک بڑے بزرگ کے فرزند تھے ہرات و قندھار وغیرہ میں علوم حاصل کئے اور باپ سے بیعت کی اور خلیفہ ہوئے۔ فقیر نش اور خاموش دلی تھے۔ ۹۰ سال کی عمر میں ۱۳۵۵ھ میں اوکس میں انتقال فرمایا اور اپنے والد ماجد کے قریب مدفون ہوئے۔

حضرت بابا مجذوب قتالی مجذوب صفت اور

خاموش دلی اللہ تھے۔ دنیا سے بے تعلق ہو کر نام عمر یاد آئی میں بسر کی اور آذران اور آذران گاؤں میں سکونت اختیار کی۔ ہمیشہ دیہات والوں نے حضرت کو

خاموش پایا۔ ۱۳۳۵ھ میں انتقال فرمایا اور حضرت خواجہ ابو الولید احمد کی درگاہ شریف میں جگہ پائی۔

حضرت مرحوم آخوند ملا خدا بخش اچھے شاعر

مہجر عالم اور شہرہ آفاق خوش نویس تھے۔ تمام عمر عبادت ریاضت، خدمت خلق، درس تدریس اور نصیحت خلق میں گزار دی۔ ۱۳۳۵ھ میں اس سرلے فانی سے نجات ہوئے مولانا جامی کے مزار کے قریب ملا فوج اللہ خاں کے مقبرہ میں مدفون ہوئے۔

حضرت آخوند ملا رحیم ارشادیں مدرس اور علوم

فنون اور قابلیت میں مشہور تھے۔ اچھے مصنف اور مؤلف تھے۔ ساری عمر خدا کی عبادت میں صرف کی۔ اپنے بعد سے شمار شاگرد بطور یادگار چھوڑے تاریخ وفات اور مقام دفن معلوم نہیں۔

حضرت آخوند ملا عبد اللہ فضل یار تگاہی

بڑے قابل اور زہد و تقویٰ اور علم میں مشہور تھے۔ حضرت جامی کی درگاہ کے متولی جناب نجابت پناہ مرحوم نے آخوند صاحب کی درس تدریس کے لئے مددگار میں ایک عمارت بنوادی تھی۔ جہاں اب بھی تعلیم دی جاتی ہے حضرت شاہ فضل احمد صاحب کے مرید تھے مزار مبارک درگاہ میں ایک بلند عمارت کے نیچے ہے۔

حضرت آخوند ملا محمد اویسی ۱۳۲۵ھ میں پیدا

ہوئے تھے۔ علم، زہد اور تقوٰے میں یکجہانے زمانہ تھے
عربی و فارسی کے مصنف تھے۔ رہبر کامل کی تلاش میں
جنگلوں میں اور پہاڑوں پر پھر کرتے تھے۔ آخر آپ نے
ایک ہندوستانی فقیر سے جن کا نام عبد اللہ تھا اور جو حضرت
شاہ غلام علی صاحب بلوچی کے خلیفہ تھے اپنی آتش شوق
معرفت بجھائی اور فقیر کے ہمراہ پہاڑوں میں رہنے لگے۔
اور بعد میں جب فقیر ہندوستان واپس چلے گئے تو آپ بجلی بل
ہو کر ہرات تشریف لائے اور درس تدریس اور سعادت ارشاد
میں مشغول ہو گئے۔ مزار مبارک مقبرہ سیادشان میں ہے
حضرت آخوند ملا محمد عمر سلجوقی ^{انسانی دین}
اور سمجھ دار تھے۔ زہد و تقوٰے میں مشہور تھے علوم و فنون
کے ماہر تھے۔ اس زمانہ کے سب علماء حضرت کے شاگرد ہیں
درس تدریس اور عبادت الہی میں منہمک رہتے تھے آٹھ
مفید اور اعلیٰ کتابیں تصنیف فرمائیں تھیں ۳۳۱ھ میں طر
فرمائی اور مقبرہ سلجوقیہ میں مدفون ہوئے۔

حضرت آخوند ملا عبد الفتاح ^{مستقل اور}

منقول پر حادی اور مہجر عالم تھے۔ بہت سی کتابوں کے
مؤلف اور مصنف تھے ۹۰ سال کی عمر پائی اور ۳۳۵ھ
میں طر فرمائی اور حضرت مولانا جامی کے مقبرہ میں
جگہ پائی۔

حضرت آخوند زادہ ملا عبد الباقی ^{حضرت}

ملا عبد الحاق مشہور عالم اور بزرگ کے خلف الصدق تھے
علوم ظاہر کی تکمیل اپنے پدر بزرگوار سے کی اور علوم باطنی
کی تکمیل کے لئے حضرت صاحبزادہ میر سید شریف قادری کے
اتحاد پر بیعت فرمائی۔ درس تدریس اور عبادت میں مشغول رہتے
تھے کئی رسالوں کے مصنف تھے ۳۳۵ھ میں انتقال فرمایا۔
مقبرہ سیادشان کے قریب ایک علیحدہ جگہ مدفون ہیں۔

حضرت حاجی ملا غلام محمد ^{علم و فضل میں عالی}

قدر تھے۔ علوم دینیہ کے ماہر اور خدا ترس بزرگ تھے۔
حافظ اور حاجی اور فارسی تھے۔ امیر حبیب اللہ خان مرحوم
نے ہرات میں ایک دار الحفظ تعمیر کروایا تھا۔ حاجی صاحب نے
اس میں طلباء کو تعلیم دیتے اور حفظ قرآن پاک کراتے تھے۔
آپ کی کوششوں سے ہرات کے اطراف میں سینکڑوں حافظ
کلام پاک ہو گئے۔ ۳۳۵ھ میں انتقال فرمایا اور حضرت خواجہ
ابوالولید کے مزار اقدس کے قریب مدفون ہوئے۔

تتمت

رائے { ہرات اور چشت کے مزارات کی کیفیت میں
مجھ کو بہت سی غلطیاں کتابت اور طباعت کی معلوم ہوئی
ہیں خصوص بعض حضرات کی وفات کے سنوں میں کئی جگہ
شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ زندگی ہے تو آئندہ ادیشن میں
تصحیقات کے بعد اصلاح کر دی جائے گی۔

حسن نظامی

نادر شاہی افغانستان کی

دیکھیں معلومات

کے صدر اعظم ہیں۔ گندمی رنگ۔ میانہ قد۔ مضبوط جسم۔ افغانی آنکھیں۔ ڈاڑھی فرنج فیشن کی یعنی صرت ٹھوڑی پر بال ہیں۔ مونچھیں گنجان۔ اُردو صاف بولتے ہیں۔ چہرہ سے اورد بات چیت سے بہت لطیف اور مدبر معلوم ہوتے ہیں اسلامی اخلاق کا بولتا ہوا مجسمہ ہیں۔

(۳) ع۔ ج سردار محمد عزیز خاں شہید اعظم حضرت تاجدار افغانستان کے بھائی تھے۔ برلن جرمنی میں افغانستان کی طرف سے وزیر مختار تھے۔ ایک سنگرمسلان کے ہاتھ سے اسی سال شہید ہو گئے۔ جنازہ افغانستان میں لا کر دفن کیا گیا۔ گندمی رنگ اور میانہ قد تھا۔ ڈاڑھی منڈا تھے۔ مونچھیں چھوٹی چھوٹی تھیں۔ بہت نیک اور سیاست دان اور رحم دل آدمی تھے۔

(۴) ع۔ ج سردار شاہ ولی خاں اعظم حضرت تاجدار کابل کے بھائی ہیں۔ اور فوج کابل کے نام سے نام دینا میں مشہور ہیں۔ گورارنگ۔ چہرہ برا بدن۔ ڈاڑھی

اشخاص حکومت کے چہرے (۱) غازی محمد نادر شاہ

بادشاہ افغانستان۔ دراز قد۔ ڈاڑھی رکھتے ہیں جس میں سفید بال آگئے ہیں۔ رنگ گندمی۔ چہرہ کتابی۔ جسم اکہرا۔ مزاج میں سنجیدگی و متانت بہت زیادہ۔ آواز صاف اور بلند اور گرج وار۔ اُردو نہایت نفیس بولتے ہیں۔ دیرہ دون ہندوستان کی پیدائش ہیں۔ پچھلی رات سے بیدار ہو جاتے ہیں۔ قوت فیصلہ بیشل ہے۔ مگر بغیر غور و خوض کے کوئی فیصلہ نہیں کرتے۔ ان کے ادفات کی تقسیم بہت باقاعدہ ہے۔ جس میں ایک سکند کی کمی بیشی نہیں ہوتی یعنی ہر کام مقررہ وقت پر کرتے ہیں اور آج کا کام آج ہی ختم کر دیتے ہیں۔ تقریر و مخبر و مشیر میں قوتوں کو تسخیر کر چکے ہیں۔

(۲) ع۔ ج سردار محمد شمس خاں اعظم حضرت

تاجدار افغانستان کے بھائی ہیں اور افغانستان کی حکومت

منڈی ہوئی۔ چھوٹی چھوٹی مونچھیں۔ اور پاشا سے مشابہ
ہیں۔ اردو معاند بولتے ہیں۔ بہت خلیق اور سیاست دان ہیں
(۵) ع۔ ج۔ سردار شاہ محمود خاں | اعلیٰ حضرت کے
بھائی ہیں افغانستان کے وزیر حربی ہیں۔ گورارنگ۔

میانہ قد۔ خوب مضبوط جسم۔ چوڑا سینہ۔ ڈاڑھی منڈی
ہوئی۔ مونچھیں بڑی بڑی اور قیصر ولیم کی طرح چمکی ہوئی
(۶) فرزند تاجدار افغانستان | عالی قدر طب التآیب

والا حضرت شاہزادہ محمد ظاہر خاں۔ ولیعهد افغانستان۔
پورا قد۔ گورارنگ۔ بڑی بڑی آنکھیں۔ مضبوط جسم۔ اردو
بول سکتے ہیں۔ اس سال جشن استقلال کے موقع پر

اللہ تعالیٰ نے ان کو فرزند عطا فرمایا ہے۔ سبزہ آواز ہیں
چہرہ سے حلیم الطبع۔ ذی فہم اور مدبر معلوم ہوتے ہیں۔ ان کو
عام سپاہیوں کی طرح تربیت دی گئی ہے۔

(۷) شرافت آبدار المشائخ | جناب فضل عمر صاحب
مدد دی وزیر عدلیہ جو پہلے حضرت صاحب شور بازار کے نام
مشہور تھے۔ میانہ قد۔ خوب مضبوط جسم۔ گنجان لمبی ڈاڑھی
لبیں کتری ہوئی۔ عامہ باندھتے ہیں۔ عالم ہیں۔ صوفی
ہیں۔ اور نہایت متقی ہیں۔ افغانستان میں ان کی بہت عزت
کیجاتی ہے۔

(۸) شرافت آبدار نقیب صاحب | بغداد شریف کے
رہنے والے ہیں۔ انتیس سال سے افغانستان میں مقیم ہیں۔

سفید ڈاڑھی۔ لبیں کتری ہوئی۔ چھوٹی چھوٹی آنکھیں۔
عمر سو کے قریب معلوم ہوتی ہے۔ بغدادی لباس پہنتے
ہیں افغانستان میں سب لوگ ان کی عزت کرتے ہیں۔

(۹) ع۔ ع۔ ش۔ شیر احمد خاں | نائب سالار اور

رئیس لوازم وزارت حربیہ ہیں۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔
جسم خوب مضبوط۔ چہرہ گول۔ شیر کا سا کھجڑہ۔ آنکھیں
نوجوانی غور اور خود داری۔ عمر پچاس ساٹھ سال کی معلوم ہوتی ہے

(۱۰) ع۔ ش۔ محمد عمر خاں | ارکان حربیہ کے رئیس

اور یورپ کی مخالفت جنگ کافر نس میں افغانستان کی طرف
سے نائنہ ہیں۔ دراز قد۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ یورپین
مونچھیں یعنی ناک کے نیچے چند بال۔ چہرہ باریک کتابی چہرہ
آنکھوں سے سیاسی مدبر نظر ہوتا ہے۔

(۱۱) ع۔ ش۔ محمد فضل خاں | ارکان حربیہ کے

رئیس۔ خوب مضبوط جسم۔ گورارنگ۔ بڑی بڑی آنکھیں۔
ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ مونچھیں بڑی بڑی۔ شکل سے یورپین
معلوم ہوتے ہیں۔ باجر منی فوج کے کمانڈر۔ بشرہ نئے ظاہر
ہوتا ہے کہ فوجی عقل زیادہ ہے۔ مگر غصہ بھی جلدی آتا ہوگا۔
عمر جوان ہے۔

(۱۲) ع۔ ش۔ احمد علی خان | رئیس اردو۔

ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ مونچھیں گنجان مگر لبیں کتری ہوئی
چہرہ سے مصطفیٰ کمال پاشا معلوم ہوتے ہیں۔ عمر زیادہ ہے

مونچھوں میں سفیدی انگئی ہے مگر جسم خوب مضبوط ہے۔ یورپ
دلوں کی طرح تصویر کھینچوانی جانتے ہیں۔

(۱۳) ع-ش-سید حسن خاں ریاست

حرمیہ کے رئیس ہیں۔ کم عمر معلوم ہوتے ہیں۔ جسم مضبوط
ہے۔ چہرہ پر آثارِ نجات ہیں۔ ڈاڑھی صاف۔ مونچھیں کتری
ہوئی۔

(۱۴) ع-ع-ش-مرحوم عبدالکلیل خاں

نائب سالار تھے۔ نادری دور میں اپنے ملک کا امن قائم
رکھنے کے لئے شمالی اشرار کی جنگ میں شہید ہوئے۔ ڈاڑھی
رکھتے تھے۔ مونچھیں بھی بڑی بڑی تھیں۔ آنکھوں میں عقل
ہو شکاری کے آثار تھے۔

(۱۵) ع-ش-سردار اسد اللہ خاں توپان

فرقہ شاہی۔ کتابی چہرہ۔ جوان عمر۔ بڑی بڑی آنکھیں۔ ڈاڑھی
منڈی ہوئی۔ چھوٹی چھوٹی مونچھیں۔

(۱۶) ع-ج-فیض محمد خاں وزیر خارجہ ایاد

قد۔ مضبوط جسم۔ ڈاڑھی فرج فیشن کی۔ مونچھیں کتری
ہوئی۔ فراست و سیاست کی معلومات سے بھرپور۔ نہایت
نیک اور متقی مسلمان۔ گزشتہ حکومت کے زمانہ میں وزیر تعلیم
تھے۔ اس وقت بھی اپنے فرائض کو نہایت عمدگی سے انجام دیا
اور اب بھی ایسی قابلیت سے وزارت خارجہ کے فرائض انجام
دیتے ہیں کہ تمام یورپ کے سیاست بینان ان کو مانتے ہیں۔

(۱۷) ع-ص-غلام یحییٰ خاں وزارت خارجہ ہیں

معین اول ہیں۔ گورارنگ کتابی چہرہ۔ بڑی بڑی خوبصورت
آنکھیں۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ مونچھیں کتری ہوئی۔ قیافہ
سے ملک اری کی قابلیت ہوتا ہے۔

(۱۸) ع-ص-محمد عثمان خاں وزارت خارجہ کے

دوسرے معین ہیں۔ جوان عمر۔ مضبوط جسم۔ ڈاڑھی منڈی
ہوئی۔ ناک کے نیچے چھوٹی چھوٹی مونچھیں۔

(۱۹) ع-ص-حبیب اللہ خاں طرزی وزارت

خارجہ کے تیسرے معین ہیں۔ مضبوط جسم۔ گورارنگ۔ بڑی
بڑی آنکھیں۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ مونچھیں گنجان لبیں
کتری ہوئی۔

(۲۰) ع-ج-سردار محمد نعیم خاں اٹلی میں

افغانستان کی طرف سے وزیر مختار ہیں۔ جوان عمر۔ گورا
رنگ۔ بڑی بڑی آنکھیں۔ ڈاڑھی موچھ صاف۔ پولین
سے بہت زیادہ مشابہ ہیں۔

(۲۱) ع-ج-۱-محمد گل خاں افغانستان کے

وزیر داخلہ ہیں۔ جوان عمر۔ کتابی چہرہ۔ دیوانی آنکھیں چھوٹی
تدبر و قسم کے آثار۔ ڈاڑھی خشکاش۔ لبیں کتری ہوئی۔
افغانستان کی بڑی بڑی خدمتیں انجام دی ہیں۔ فوجی
اور سیاسی عقل کا پورا حصہ قدرت نے دیا ہے۔ میرے
سفر کے زمانہ میں قندھار کے گورنر تھے اب وزیر داخلہ

ہو گئے ہیں۔ ان کی تصویر بھی میں نے سفرنامہ میں دی ہے۔

(۲۲) ع۔ ص۔ عبد الرشید خاں | وزارت داخلہ

کے معین اول ہیں۔ ڈاڑھی صاف۔ مونچھیں گنجان گول
چہرہ۔ عمر جوان چہرہ سے کارگزار اور کارشناس معلوم ہوتے ہیں۔

(۲۳) ع۔ ص۔ نیک محمد خاں | وزارت داخلہ

کے دوسرے معین ہیں۔ افغانستان کی بڑی بڑی خدمتیں
انجام دے چکے ہیں۔ عمر پچاس سے زیادہ۔ ڈاڑھی خشک
آنکھوں سے ایک بڑے فلاسفر معلوم ہوتے ہیں۔

(۲۴) ع۔ ص۔ فضل احمد خاں | وزارت عدلیہ

کے معین ہیں۔ گنجان اور بڑی ڈاڑھی۔ لبیں کتری ہوئی
عامہ باندھے ہوئے۔ لباس قدیمی چہرہ سے دور اندیش اور
دور رس معلوم ہوتے ہیں۔

(۲۵) ع۔ ج۔ مرزا محمد خاں | محکمہ تجارت کے

وزیر ہیں۔ ڈاڑھی فرنیچ فیشن صرف ٹھوڑی پر لبیں کتری ہوئی
چہرہ سے بالشویک حکومت کے وزیر معلوم ہوتے ہیں آنکھوں
میں غور اور احتیاط کا جذبہ پایا جاتا ہے۔

(۲۶) ع۔ ص۔ محمد حسین خاں | وزیر تجارت کے

معین اول ہیں۔ سفید چھوٹی چھوٹی ڈاڑھی۔ سفید مونچھیں
لباس نئے زمانہ کا۔ عمر ساتھ سے زیادہ۔ چہرہ سے ظاہر ہوتا
کہ مزاج میں خشکی بہت کم ہے۔

(۲۷) ع۔ ج۔ علی محمد خاں | وزیر معارف یعنی تعلیمات

کے وزیر ہیں۔ افغانستان کی بڑی بڑی خدمتیں انجام دی

ہیں۔ میرے ساتھ رہ کر کابل کی سب درگاہیں دکھائی تھیں

گفتگو سے اپنے وطن کے ماشق زار معلوم ہوتے تھے۔ لبیں

ماشقوں کی بے احتیاطی ان میں نہ تھی۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی

چھوٹی چھوٹی مونچھیں۔ دراز قد۔ چہرہ پر بدن آنکھیں بڑی بڑی

(۲۸) ع۔ ص۔ سید محمد قاسم خاں | وزارت

معارف کے معین ہیں۔ لمبی ڈاڑھی۔ لبیں کتری ہوئی۔ مونچھیں
شکل۔ آنکھوں سے علم کا کثیر معلوم ہوتے ہیں یعنی ہر علم کا
ذوق رکھتے ہیں۔

(۲۹) والا شان جلال التآب محمد عمر خاں | ولایت

کابل کے مالی ہیں۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ مونچھیں کتری ہوئی

نیا لباس۔ چہرہ سے بہت خود دار اور باوقار معلوم ہوتے ہیں

جس کو دیکھتے ہیں اپنی نظروں کو اس کے دل کی تہ تک

پہنچا دیتے ہیں۔

(۳۰) ع۔ ص۔ سید حبیب خاں | یہ بھی ولایت

کابل کے ایک افسر ہیں۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ لبیں

کتری ہوئی۔ لباس نئے زمانہ کا۔ عمر پچاس کے قریب۔

چہرہ سے حواس ہوشمندی ہوتا ہے۔

(۳۱) حمیت مندرہ باز خاں | کابل کی کوتوالی

کے قوماندان ہیں۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ لبیں کتری ہوئی۔

عمر پچاس سے زیادہ۔ بشرہ سے بہت زیرک اور سرافرازی کی

قابلیت رکھنے والے معلوم ہوتے ہیں۔

(۳۲) والا شان جلالہ آباد غلام فاروق خاں

قندھار میں نائب حکومت ہیں۔ کتابی چہرہ۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔

لبیں کتری ہوئی۔ آنکھیں بڑی۔ عمر جوان۔ ذکی اور ذہین۔

اور کام کرنے میں مستعد معلوم ہوتے ہیں۔

(۳۳) والا شان جلالہ آباد عبد الرحیم خاں

ہرات میں نائب حکومت ہیں۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ بڑی

بڑی مونچھیں۔ کتابی چہرہ۔ آنکھیں خوبصورت۔ عمر چاس کے

قریب چہرہ کی وجاہت بہت شاندار ہے۔ مدبر اور معاملہ

تہم معلوم ہوتے ہیں۔

(۳۴) والا شان جلالہ آباد عبد الجلیل خاں

صوبہ مزار شریف میں وکیل نائب حکومت ہیں۔ گول چہرہ۔

نیلا لباس۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ بڑی بڑی مونچھیں ٹھوکی

میں بہت گہرا چاہ غنغبہ بشہرہ سے منحنی اور کاٹناں معلوم ہوتے ہیں۔

(۳۵) ورج۔ شیر محمد خاں

دلاؤت قلعہ پور خٹک

میں نائب حکومت ہیں۔ افغانستان کی تعلیمی ترقی کا کام کرنے

والوں میں ان کا نام سب سے اوپر رکھا جاتا ہے۔ مختلف علوم و

فنون کی تقریباً ایک سو کتابیں اپنی قوم کے لئے لکھ چکے ہیں۔

اور اپنی ذات کا لاکھوں روپیہ اس کار خیر میں خرچ کیا ہے

میں ان کی سب کتابیں لایا تھا جو گم ہو گئیں۔ گول چہرہ۔ ڈاڑھی

خشکاش۔ لبیں کتری ہوئی۔ عمر چاس سے زیادہ۔ بڑے

بڑے کان۔ لباس نئے زمانہ کا۔ چہرہ سے بہت بڑے فلاسفر

اور محقق معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی کتب افغانستان کے کورس

میں داخل ہیں اس لئے ان کو ہر افغان بچہ جانتا ہے۔

(۳۶) ع۔ ع۔ ش۔ محمد انور خاں

علاقہ فراہ کے

حاکم اعلیٰ اور نائب سالار ہیں۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ لبیں

کتری ہوئی۔ عمر ساٹھ سے زیادہ۔ سر میں اور مونچھوں میں

سفید بال۔ پھرہ سے بہت مستعد اور ہوشیار معلوم ہوتے ہیں

فوجی خدمات بشہرہ پر نمایاں ہیں۔

(۳۷) ع۔ ع۔ ص۔ عبد الرزاق خاں

علاقہ

سیمنہ میں وکیل حاکم اعلیٰ ہیں۔ ڈاڑھی فرج کٹ لبیں کتری

ہوئی۔ جسم مضبوط۔ عمر چاس کے قریب۔ چہرہ سے داؤدی

بوہرہ معلوم ہوتے ہیں یا کسی کالج کے پروفیسر۔ قیافہ ظاہر کرتا

ہے کہ بہت کفایت شعار اور منظم آدمی ہیں۔

(۳۸) ع۔ ع۔ ص۔ محمد قاسم خاں

سمت شرقی

کے وکیل حاکم اعلیٰ ہیں۔ جوان عمر۔ چہرہ پر بدن۔ ڈاڑھی منڈی

ہوئی۔ چھوٹی چھوٹی مونچھیں چہرہ سے منوم و فکر مند نظر آتے

ہیں مگر ذہانت اور ذکاوت بھی مترشح ہے۔

(۳۹) ع۔ ص۔ نصر اللہ خاں

سمت جنوبی کے

حاکم اعلیٰ ہیں۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ گنجان مونچھیں۔ جسم

چالیس سے زیادہ۔ قیافہ دلی سرتوں اور خوشحالیوں کو ظاہر

کرتا ہے۔ سیاست دان معلوم ہوتے ہیں۔

(۴۰) ع-ش۔ سردار محمد داؤد خاں است

مشرقی کی فوجوں کے قوماندان ہیں۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی سپاہیانہ مگر لبیں کتری ہوئی۔ خوب مضبوط جسم۔ شانہ چہرہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ البانیہ کے احمد زو غو ہیں۔

(۴۱) ع-ج۔ عبدالاحد خاں مجلس شورے

ملی کے رئیس ہیں۔ افغانستان کی بڑی بڑی خدمتیں انجام دے چکے ہیں۔ ڈاڑھی فرنج کٹ۔ لبیں کتری ہوئی خوب گورادنگ۔ آنکھیں بڑی بڑی۔ بال آدھے سے زیادہ سفید چہرہ پر تجمد کے آثار دور سے نظر آتے ہیں۔ بڑے متقی۔ بڑے دیانتدار اور اسلامی اخلاق رکھنے والے مسلمان ہیں۔ میں نے ان کے ساتھ کھانا کھایا تو ان کے عابد چہرہ کے نور نے میری روح کو بھی غذا کھلائی تھی۔

(۴۲) ع-ص۔ عبدالحق خاں مجلس شورے

معین ہیں۔ ڈاڑھی خشخاش۔ لبیں کتری ہوئی۔ لباس نیا۔ آنکھوں سے نیک اور پرہیزگار اور دانشمند معلوم ہوتے ہیں۔

(۴۳) ص۔ عبدالمجید خاں مجلس شوری کے

نقشبندی ہیں۔ ڈاڑھی فرنج۔ مونچھیں گنجان۔ چہرہ سے سمرقندی مثل معلوم ہوتے ہیں۔ آثار محنت فکر بھی بشرہ سے پیدا ہیں۔

(۴۴) ع-ج۔ میر عطا محمد خاں مجلس اعیان کے

رئیس ہیں۔ ڈاڑھی خشخاش۔ لبیں کتری ہوئی۔ بیضی چہرہ آنکھیں فکر مند۔ بشرہ سے بیدار مغز معلوم ہوتے ہیں۔

(۴۵) حاجی محمد نواب خاں

اعلیٰ حضرت تاجدار کے صاحب ہیں۔ سفید لبی ڈاڑھی لبیں کتری ہوئی۔ بجاری چوغہ پہنے ہوئے۔ سر پر عربوں کا عقاب باندھے ہوئے۔ افغانستان کے مشہور شرفا میں ہیں اور وطن کی بڑی بڑی خدمتیں انجام دے چکے ہیں۔ عمر ستر سے زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ بہت ذہین اور متقی نظر آتے ہیں۔

(۴۶) صالح محمد خاں

پہلے سپہ سالار تھے۔ اب اعلیٰ حضرت کے صاحب ہیں۔ میانہ قد مضبوط جسم۔ سفید چھوٹی ڈاڑھی۔ سفید مونچھیں۔ نیا لباس چہرہ سے عزم و ہمت کا اظہار ہوتا ہے۔

(۴۷) محمد سرور خاں

یہ بھی اعلیٰ حضرت کے صاحب ہیں اور بہت بڑے خاندانی آدمی ہیں۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ سفید مونچھیں۔ چہرہ جوانوں کا۔ بشرہ اہل علم و ادب فن کا۔

(۴۸) وج۔ گل احمد خاں

رئیس بلد یہ ہیں ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ مونچھیں کتری ہوئی۔ بجاری جسم چہرہ سے خدمت خلق کے جذبات بویا ہیں۔

(۴۹) عالیقدر جلال التائب حضرت سردار احمد شاہ خاں

وزیر دربار ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے چچا زاد بھائی ہیں۔ مضبوط جسم۔ شانہ چہرہ۔ بڑی بڑی آنکھیں۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ لبیں کتری ہوئی۔ عمر چالیس سے زیادہ۔ افغانستان کی بڑی بڑی خدمتیں انجام دی ہیں۔

(۵۰) عالی قد صد اقت مآب محمد حید خاں

معین دربار میں عرصہ ہوا ہندوستان میں توفصل جبریل بھی رہ چکے ہیں۔ میں کابل میں انہی کے مکان میں ٹھہرا گیا تھا۔ وہاں قد۔ مضبوط جسم۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ مونچس گنجان۔ بڑے منسا رہمان نواز اور افغانستان کے سپہ خیر خواہ نوجوان ہیں۔

(۵۱) عالی قدر جلال مآب محمد نور وز خاں

اعلیٰ حضرت کے سر نشی ہیں۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ جوان عمر۔ گندمی رنگ۔ بڑی بڑی آنکھیں۔ قیافہ سے فرض شناس اور وفادار معلوم ہوتے ہیں۔

(۵۲) ع۔ ج۔ الش نواز خاں اعلیٰ حضرت کے

یاور اول ہیں۔ لہستان کے رہنے والے ہیں۔ عمر کا بڑا حصہ افغانستان کی خدمت میں گزارا ہے۔ اعلیٰ حضرت ان پر بہت اعتماد کرتے ہیں۔ گورارنگ۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ مؤثر آنکھیں۔ قیافہ سے تدبیر اور فداکاری عیاں ہوتی ہے۔

(۵۳) ع۔ ش۔ سید شریف خاں اعلیٰ حضرت

تاجدارِ یادِ حربی ہیں۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ عمر جوان چہرہ ارادہ کے مضبوط اور جوان مرد معلوم ہوتے ہیں۔

(۵۴) ش۔ عبد اللطیف خاں یادِ حربی کے

معاون ہیں۔ عمر جوان۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ آنکھوں اور چہرہ سے غور کرنے والے اور جلدی جوش میں آجانے والے معلوم ہوتے ہیں۔

(۵۵) ع۔ ش۔ فیض محمد خاں اعلیٰ حضرت کے

یاور (ایڈی کانگ) ہیں۔ اور جناب جی محمد نواب خاں صاحب صاحب علی حضرت کے صاحبزادہ ہیں۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ مضبوط جسم۔ بڑی بڑی مونچس۔ چہرہ اول العزم معلوم ہوتے ہیں۔

(۵۶) ع۔ محمد صفر خاں اعلیٰ حضرت کے یادِ رہیں

ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ لبیں کتری ہوئی۔ جوان عمر۔ قیافہ سے منسا رنگ پر جوش معلوم ہوتے ہیں۔

(۵۷) ش۔ عبد اللہ خاں اعلیٰ حضرت کے یادِ رہیں

ہیں۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ لبیں کتری ہوئی۔ عمر جوان۔ آنکھیں روشن داغی کا آئینہ ہیں۔

(۵۸) عالی قدر حافظ نور محمد خاں دارالتحریر

شعبہ اول کے مدیر ہیں۔ جوان عمر۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ قیافہ نشیانی ہے آنکھوں سے مفتی معلوم ہوتے ہیں۔

(۵۹) عالی قدر عبد الحمید خاں دارالتحریر

شاہی کے مدیر دوم ہیں۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ عمر جوان چہرہ پر عزم و ہمت درخشاں۔

(۶۰) عالی قدر سراج الدین خاں دارالتحریر

شاہی کے مدیر سوم ہیں۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ جوان عمر۔ چہرہ سے فلاسفر معلوم ہوتے ہیں۔

(۶۱) عالی شان شجاع مآب عبد الغنی خاں

قلعہ شاہی کے قلعہ بیگی ہیں۔ جوان عمر۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی

چہرے سے وقار اور ہمت والے معلوم ہوتے ہیں۔

(۶۲) ع-ش علی شاہ خاں مکتبہ حرمیہ کے

قوامدان ہیں۔ جوان عمر۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ مونچھیں

کتری ہوئی۔ بہت مضبوط اور شاندار چہرہ۔ چہرہ سے بہت

بڑے فاتح اور سپہ سالار معلوم ہوتے ہیں۔

(۶۳) ع-ع-ش سید عبداللہ شاہ جی

جنگی کاغذوں کے رئیس ہیں۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ لبیں کتری

ہوئی۔ جوان عمر۔ چہرہ شاندار۔ آنکھوں سے معلوم ہوتا ہے کہ

جذباتِ جلدی مشتعل ہو جاتے ہیں۔

(۶۴) حمیت مند محمد احسان خاں ہوائی

جہازوں کے قومان دان ہیں۔ بھرپور میں تسلیم پائی ہے۔

آدھی آدھی مونچھیں اور ڈاڑھی منڈی ہوئی جسم بھاری

ٹھوڑی کے نیچے کا حصہ مٹاپے کی وجہ سے بڑھا ہوا ہے۔

جوان عمر۔ قیافہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت تیز و طرار ہیں۔

اگرچہ جسم بھاری ہے۔

(۶۵) ع-ج-شیر احمد خاں طہران ایران

میں افغانستان کی طرف سے سفیر کبیر ہیں۔ ڈاڑھی صرت

ٹھوڑی پر ہے۔ لبیں کتری ہوئی۔ عمر چالیس کے قریب۔

کتابی چہرہ۔ آنکھیں بڑی بڑی۔ قیافہ سے سیاست دانی

اور عقل کی گہرائی ظاہر ہوتی ہے۔

(۶۶) ع-ج-عبدالحسین خاں اسکوردس

میں افغانستان کے سفیر کبیر ہیں۔ لبیا چہرہ۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی

بھاری جسم۔ روسیوں سے بہت مشابہ ہیں۔ مگر قیافہ سے نہ جوش

مسلمان معلوم ہوتے ہیں۔

(۶۷) ع-ج-سردار سلطان احمد خاں انگرہ

شرکی میں افغانستان کی طرف سے سفیر کبیر ہیں۔ ڈاڑھی منڈی

ہوئی۔ چھوٹی چھوٹی مونچھیں۔ آنکھوں اور چہرہ سے بہت خش

تدبیر معلوم ہوتے ہیں۔

(۶۸) عالی قدر جلال التآب سردار احمد علی خاں

لندن انگلستان میں، افغانستان کے وزیر مختار ہیں جوان عمر

ڈاڑھی مونچھ صاف۔ خوب چوڑا چکلہ چہرہ۔ لامرد کرزن کی

تصویر سے مشابہ۔ قیافہ عقلی اور نسیم ہونے پر دلالت کرتا

(۶۹) ع-ج-محمد صادق خاں مجیدی افہر

مصر میں وزیر مختار ہیں۔ لبی ڈاڑھی۔ عالمانہ شکل۔ عابد زاہر

وسیاست داں۔

(۷۰) عالی قدر صدق التآب عبدالرسول خاں

برلن جرمنی میں مرحوم والا شان محمد عزیز خاں شہید کی جگہ مقرر

ہوئے ہیں۔ پہلے ہندوستان میں قونصل جنرل تھے۔ ڈاڑھی

منڈی ہوئی۔ سفید مونچھیں۔ خوب مضبوط جسم۔ تمام دنیا کی

سیاحت کئے ہوئے۔ افغانستان کے لائق اور فاضل لوگوں

میں ہیں۔ چہرہ سے بہت بہادر اور مدبر معلوم ہوتے ہیں۔

(۷۱) عالی قدر صدق التآب محمد صدیق خاں

تلاش و تفتیش کے افسر ہیں۔ افغانستان کے بہت سے قدیمی حالات معلوم کر چکے ہیں۔

(۱۱) موسیو الوازمی۔ انجینیر۔

(۱۲) عالی قدر جلال التآب لیوند ستارگ بیفر کیریب

(۱۳) عالی قدر جلال التآب سرچار میکا نیکی بیفر پلانیر

(۱۴) عالی قدر جلال التآب ن چین کلاستی بیفر اٹلی۔

(۱۵) عالی قدر جلال التآب اکثر شوبل بیفر جرمنی۔

(۱۶) عالی قدر جلال التآب بودار۔ بیفر فرانس۔

افغانستان کے دیگر عمدہ دارو

ماہرین علوم و فنون

(۱) غلام محمد خاں صاحب۔ پروفیسر مٹانغ نغیس کلبل۔ پورٹ

(۲) عبد العزیز خاں صاحب۔ معلم اسکول مٹانغ نغیس۔ جوان

(۳) ایس ایم دین۔ معلم اسکول مٹانغ نغیس۔ جوان

(۴) سید عبد الاحد خاں صاحب۔ متخصص مدکن

تعلیم یافتہ یورپ۔ جوان۔

(۵) امرالدین خاں صاحب۔ انجینیر برق۔

تعلیم یافتہ یورپ۔ جوان۔

(۶) غلام محمد خاں صاحب۔ انجینیر برق۔ تعلیم

یافتہ یورپ۔ جوان۔

مشہد مقدس میں افغانستان کے قونصل جنرل ہیں۔ ڈاڑھی

منڈی ہوئی۔ چھوٹی چھوٹی مونچھیں۔ عمر جوان۔ چہرہ سے

خوش اعتقاد اور دانشمند معلوم ہوتے ہیں۔

(۷) عالی قدر صدق تآب باز محمد خاں ناشند

ترکستان میں افغانستان کے قونصل جنرل ہیں۔ سفید ڈاڑھی

سفید مونچھیں۔ چہرہ سے بہت سوچنے والے اور مستقل مزاج

معلوم ہوتے ہیں۔

افغانستان میں یورپ کے جو باشندے مختلف خدمتوں پر

ماہور ہیں ان میں سے چند کے نام درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) ہرگر مپیہ۔ جرمنی ہیں۔ ہندوں اور نوروں کے انجینیر ہیں۔

(۲) ہرموزر۔ جرمنی۔ افغانی چھاپہ خانہ میں نوکریں۔

(۳) ہر یو رخرستین۔ جرمنی ہیں۔ پروفیسر تعلیم کا ہیادہ ہیں

(۴) ہرشمید۔ جرمنی ہیں۔ یہ ہر یو رخرستین کے مددگار ہیں

(۵) ہر یو ناتس۔ جرمنی ہیں۔ ڈاک خانہ میں نوکریں۔

(۶) موسیو کافیرو۔ اطالوی۔ توپچی۔

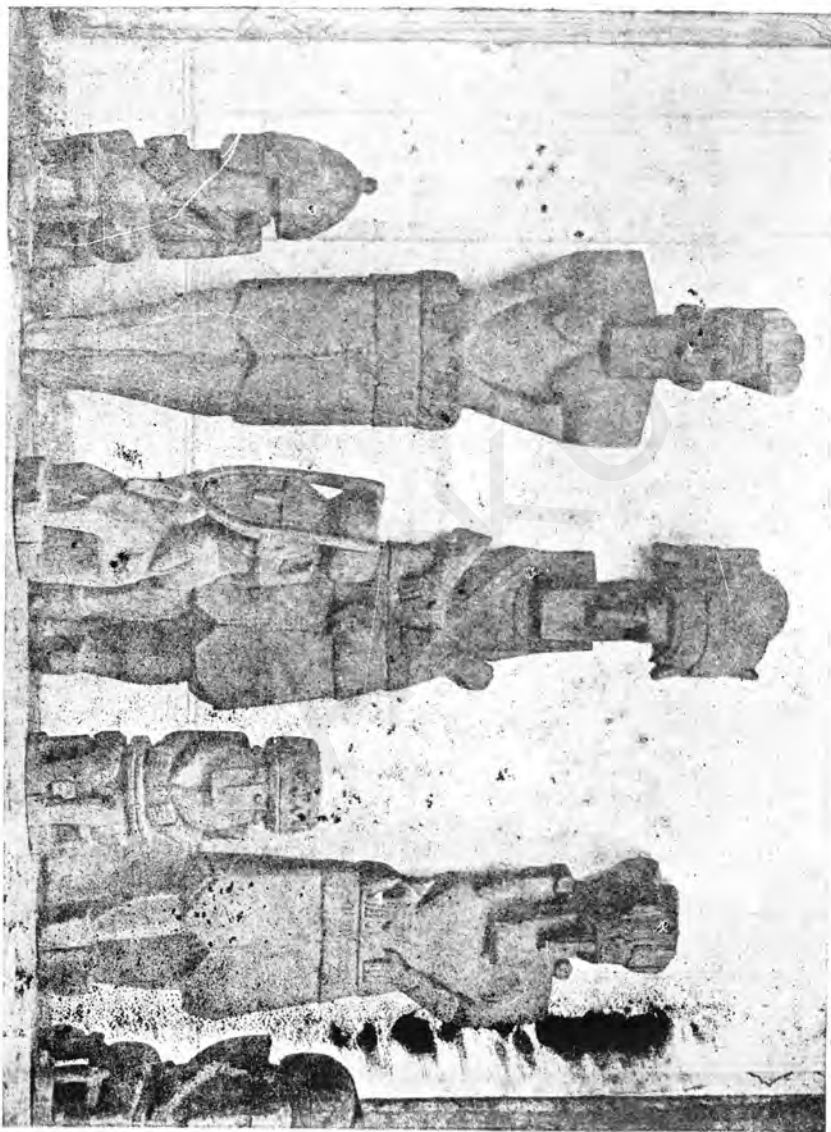
(۷) موسیو جنو من چیو۔ اطالوی۔ مشیر مال افغانستان

(۸) موسیو نکا کاکی۔ چاپانی معلم مکتبہ جریمہ۔

(۹) موسیو چرویللا۔ اطالوی۔ توپچی۔

(۱۰) موسیو ژوف ہاکن۔ فرانسیسی۔ محکمہ آثار قدیمہ کی

کافغانستان افغانستان کے قدیمی بس جو سکندر رومی کی یادگار ہیں



بنیاد اندیشه
۱۳۸۰

عامر باندہ سے ہوئے۔ مولویانہ شکل۔ انجمن ادبی کے ممبر۔
اور مشہور شاعر۔

(۳) میر محمد علی خاں صاحب آزاد ڈاڑھی صاف
کابل کے شاعر۔

(۴) صوفی عبد الحق خاں صاحب کتاب۔ لہی
ڈاڑھی۔ عمامہ باندہ سے ہوئے۔ مولویانہ شکل۔ کابل کے مشہور شاعر
(۵) میر غلام حشر خاں صاحب شائق ڈاڑھی صاف۔
کابل کے شاعر۔

ماہرینِ علوم و فنون

(۱) قاضی میر محمد حسن خاں صاحب منجم۔ عامر باندہ
ہوئے۔ سفید لہی ڈاڑھی۔

(۲) اخوندزادہ حبیب اللہ خاں صاحب منجم۔ سفید لہی
(۳) غلام محی الدین خاں صاحب برعجاب نہ کابل چھوٹی
چھوٹی سفید ڈاڑھی۔

(۴) عبد اللطیف خاں صاحب طبیب۔ چھوٹی چھوٹی ڈاڑھی
مربع جلس اعیان۔

(۵) شیخ محمد رضا خاں صاحب مہر دار تعلیم و تربیت

(۶) عبد القدوس خاں صاحب طبیب۔ کابلی۔ عامر باندہ
ہوئے۔ سفید چھوٹی سی ڈاڑھی۔

(۷) عبد لہاد می نصاواوی مہر افغانی نیر ادبی ڈاڑھی

(۸) محمد حسین خاں صاحب۔ انجینئر ریڈیو۔ تعلیم
یافتہ یورپ۔ جوان۔

(۹) محمد کریم خاں صاحب۔ متخصص ٹیلیفون تعلیم
یافتہ یورپ۔ جوان۔

(۱۰) محمد سعید خاں صاحب۔ متخصص ٹیلیگراف
تعلیم یافتہ یورپ۔ جوان۔

(۱۱) عبد المجید خاں صاحب۔ متخصص ٹیلیفون تعلیم
یافتہ یورپ۔ جوان۔

(۱۲) نور محمد خاں صاحب۔ متخصص ادارہ نسل گیری
جوانان۔ تعلیم یافتہ یورپ۔ جوان۔

(۱۳) محمد نعیم خاں صاحب۔ انجینئر برق۔ تعلیم
یافتہ یورپ۔ جوان۔

(۱۴) محمد کریم خاں صاحب۔ متخصص زراعت۔
تعلیم یافتہ یورپ۔ جوان۔

(۱۵) محمد یعقوب خاں صاحب۔ شرکت اسامی
تعلیم یافتہ یورپ۔ جوان۔

کابل کے شعرا و ادیب

(۱) قاری عبد اللہ خاں صاحب لہی ڈاڑھی
مولویانہ شکل۔ انجمن ادبی کے ممبر۔ کابل کے مشہور شاعر۔

(۲) عبد العلی خاں صاحب مستغنی لہی ڈاڑھی۔

(۸) سردار عزیز اللہ خاں ضا معاون انجمن ادبی جوان
ڈاڑھی صاف -

(۹) عالی قدسید عبداللہ خاں صاحب مدیر عمومی شعبہ
شرق و زراعت خاں - ڈاڑھی صاف - جوان -

(۱۰) محمد یعقوب خاں صاحب مترجم انگریزی ڈاڑھی والے
(۱۱) زیدان بدران صاحب - مبرور تعلیم و تربیت -

(۱۲) محمد یعقوب خاں صاحب فارغ التحصیل تعلیم حربی فرانس
(۱۳) احمد علی خان صاحب مترجم فریسی - دارالتحریر شاہی -

ممتاز اکبر انجمن ادبی کابل

(۱) عالی قدر میر غلام محمد خاں صاحب غائب - ڈاڑھی منڈی
ہوئی - جوان -

(۲) عالی قدر محمد کریم خان صاحب انزہی - ڈاڑھی منڈی
ہوئی - جوان -

(۳) عالی قدر غلام سرور خان صاحب چچا - ڈاڑھی
منڈی ہوئی - جوان -

(۴) عالی قدر امین اللہ خاں صاحب مرلانی ڈاڑھی
منڈی ہوئی - جوان -

(۵) عالی قدر حفیظ اللہ خاں صاحب ڈاڑھی منڈی ہوئی چوک
(۶) عالی قدر سرور خان صاحب گویا - ڈاڑھی منڈی ہوئی چوک

(۷) صد اقبال عبدالباقی خاں صاحب لطیفی - سرکاب
ڈاڑھی منڈی ہوئی - جوان -

(۸) صد اقبال سید قاسم خاں صاحب - مترجم
ڈاڑھی منڈی ہوئی - جوان -

(۹) عالی قدر صد اقبال شایب زاده علی خاں صاحب درانی
میر انجمن ادبی - ڈاڑھی منڈی ہوئی - جوان -

(۱۰) عالی قدر غلام جیلانی خاں صاحب اعظمی
معاون انجمن ادبی -

اور چند اصحاب

(۱) ع - ص - عبدالرشید خاں صاحب رئیس نیروز دار
عدلیہ - بوڑھے - ڈاڑھی والے -

(۲) ع - ص - امین اللہ خاں صاحب رئیس محکمہ اصلاح
وزارت عدلیہ - بوڑھے - ڈاڑھی والے -

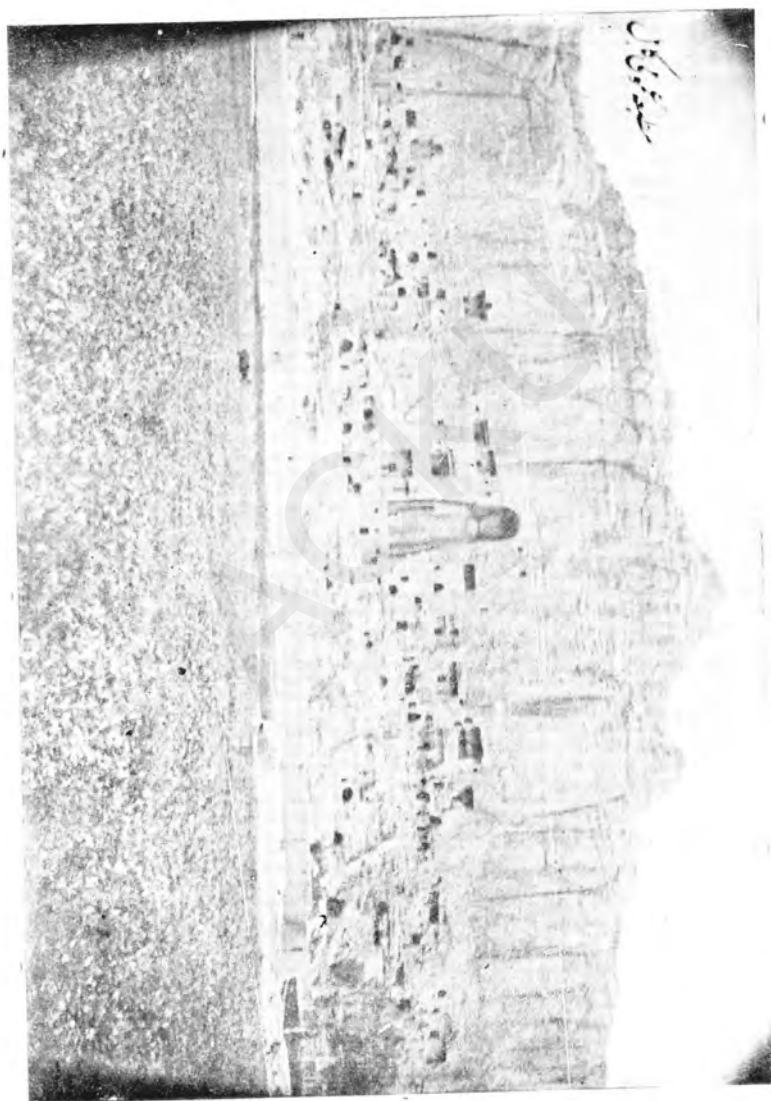
(۳) ع - ص - قاری عبدالرسول خان صاحب رئیس
دارالعلوم عربیہ - بوڑھے ڈاڑھی والے -

(۴) ع - ص - محمد یوسف خاں صاحب رئیس دارال
تربیت حیوانات و نسل گیری - ڈاڑھی صاف - جوان -

(۵) ع - ص - غلام حیدر خاں صاحب رئیس فیصلہ
منازعات تجارتی - ڈاڑھی صاف - جوان -

(۶) ع - ص - خواجہ جان گل خاں ضا رئیس ازم

بامیان افغانستان کا مشہور بت خانہ جو بت بامیاں کے نام سے مشہور ہے



خصوصی حضور ہایونی - جوان - فرخ فیشن -

(۷) ڈاکٹر نور محمد خاں صاحب شفاخانہ فوج - ڈاڑھی

صاف - جوان -

(۸) ڈاکٹر عبدالغنی خاں صاحب - سرطیب

شفاخانہ عسکری -

(۹) ع - ج - میر عطاء محمد خاں صاحب بیس ایمان

چھوٹی ڈاڑھی - نہایت غیور مسلمان -

(۱۰) میر غلام احمد خاں صاحب - فارغ التحصیل

تعلیم حربی ترکی -

(۱۱) میر غلام حامد خاں صاحب - فارغ التحصیل

حربی روسی -

(۱۲) سکند خاں صاحب - معلم دارالعلمین -

(۱۳) محمد شریف خاں صاحب - فارغ التحصیل

جرمنی متخصف سقف پوشی -

(۱۴) محمد زمان خاں صاحب - فارغ التحصیل

ورفرانس -

(۱۵) محمد صدیق خاں صاحب - انجینیر ریڈیو

ٹیلیگراف

(۱۶) حافظ محمد اکبر خاں صاحب فارغ - کاتب

انجمن ادبی -

(۱۷) ع - ص - عبد الحمید خاں صاحب - بیس

عمومی مطایع افغانستان و ممبر انجمن ادبی - ڈاڑھی والے

نہایت مستعد و علمی مسلمان دین دار خاموش پسند نظامی نو

افغانستان کے اخبار نویس

(۱) محی الدین خاں صاحب انیس - بانی ہفتہ وار

اخبار انیس - ڈاڑھی صاف - جوان -

(۲) مولوی برہان الدین خاں صاحب کشلگی - ایڈیٹر

روزانہ اخبار اصلاح - ڈاڑھی صاف - جوان -

(۳) محمد امین خاں صاحب خوشگیا نی - ایڈیٹر اخبار بیس

ڈاڑھی والے - عامہ پوش -

(۴) سید اکبر خاں صاحب - چیف ایڈیٹر رسالہ

اور دوی افغان - ڈاڑھی صاف - جوان -

(۵) ہاشم شائق صاحب - ایڈیٹر رسالہ آئینہ عرفان ڈاڑھی

صاف - بوڑھے -

(۶) محمد زمان خاں صاحب کی - ایڈیٹر رسالہ اقتصاد

ڈاڑھی صاف - جوان -

(۷) سید لطیفی صاحب - مدیر رسالہ صحیحہ - ڈاڑھی

صاف - جوان -

(۸) میر غلام خاں صاحب - ایڈیٹر رسالہ حمی علی الفلاح

عامہ والے - ڈاڑھی والے - بوڑھے -

(۹) عبد الصمد خاں صاحب جاہد - ایڈیٹر اخبار بیدار

ڈاڑھی صاف - جوان -

(۱۰) شمس الدین خاں صاحب قلعتگی - ایڈیٹر اخبار

اتحاد مشرقی -

(۱۱) میر محمد عثمان خاں صاحب - ایڈیٹر اخبار

اتفاق اسلام ہرات - ڈاڑھی صاف - جوان -

(۱۲) غلام جیلانی خاں صاحب جلالی - ایڈیٹر

اخبار اتحاد خانہ آباد - ڈاڑھی صاف - جوان -

سفرنامہ ختم ہوا

احمد شہ افغانستان کا سفرنامہ ختم ہوا اگرچہ میں اس میں چند دیگر ضروری مضامین کا اور اضافہ کرنا چاہتا تھا جن کو رسالہ کابل کے سال نامہ سے اقتباس کیا تھا مگر سفرنامہ میں ایک سال کی تصاویر کے سبب دیر ہو چکی تھی اور تقریباً اتنا ہی عرصہ ہزرجشتی غازی محمد نادر شاہ کے سفرنامہ کا ترجمہ کرانے میں صرف ہو گیا تھا۔ اور سفرنامہ کے شائقین کے خطوط مسلسل آرہے تھے کہ اب دیر نہ لگا اور جلد ہی شائع کیجئے اس لئے نئے اضافہ کو آئندہ اشاعت کے لئے ملتوی کیا جاتا ہے۔

چونکہ درخواستیں بہت زیادہ آچکی ہیں اس لئے خیال ہے کہ موجودہ ایڈیشن ایک مہینہ کے اندر ختم ہو جائیگا اور دوسرا ایڈیشن ۱۹۳۷ء کے شروع میں شائع ہو جائے گا۔ میرے مخلص دوست جناب شہزادہ احمد علی خان سامانی نے وعدہ کیا ہے کہ سلطان محمود غزنوی اور سلطان شہاب الدین غوری اور افغانستان کے ممتاز اصحاب اہم عمارات کے فوٹو بھیجیں گے اگر وہ آگے تو آئندہ اشاعت کے وقت انکو بھی شریک سفرنامہ کر دیا جائیگا۔ ثانی ابن بطوطہ نواب دربار جنگ کا کمانڈر جید آباد وکن کا سفرنامہ افغانستان بھی خدانے چاہا آئندہ ایڈیشن کے وقت اس کے ساتھ شریک کر دیا جائیگا۔ نواب صاحب نے وعدہ تو اسی ایڈیشن کیلئے اس کے دینے کا کیا تھا مگر ان کو اپنی اہلیہ صاحبہ کی علالت کے باعث مسوہ کے صاف کرنا وقت نہیں ملا۔ نواب صاحب کا سفرنامہ بہت دلچسپ ہے گا کیونکہ وہ ایران کا سفر کر کے وسط ایشیا کے راستہ افغانستان آئے تھے اور انھوں نے بہت گہری توجہ کے ساتھ یہ سفر کیا تھا۔

میرادوسرا سفرنامہ خدا کو منظور ہے تو ۱۹۳۷ء کی گرمیوں میں میرادوسرا سفرنامہ ہو گا اور ہرات بلخ وغیرہ مقامات کی سیر کر دے گا۔ اور حضرت علی کی وہ کرسی بھی لاؤں گا جو بلخ میں کسی شخص کے پاس ہے اور جس کے ذریعہ مختار نے کوفہ میں ابو مسلم خراسانی نے بلخ میں اہلبیت کے دشمنوں کے خلاف جنگ کر کے کامیابی حاصل کی تھی اور جس کو تاریخوں میں شیطان اللہ کے نام سے لکھا گیا ہے۔

خدا حافظ حسین نظامی

ہاتھوں سے چھنا ہوا اسپین
آنکھوں سے دیکھ کر لو
فوٹو کی ایک سو تصویریں۔ قلم کی کئی ہزار تصویریں
اسلامی غیرت و حمیت سکھانے والا

سفرنامہ اندلس

تین سو صفحے کا غذائی درجہ کا۔ طباعت نہایت نفیس۔ ہندوستان کے بے مثل انٹارپرائز
سیاح جناب میر دبیر مولانا قاضی ولی محمد صاحب بھوپالی کا لکھا ہوا۔ جس کی نسبت حضرت خواجہ
حسن نظامی کی یہ رائے ہے کہ اردو زبان میں ایسا مؤثر اور ایسا پُر از معلومات سفرنامہ نہ میرا ہے
نہ مولانا شبلی کا ہے۔ نہ مولوی محبوب عالم کا ہے۔ نہ حافظ عبدالرحمن امرتسری کا۔ کیونکہ قاضی ولی محمد
کا سفرنامہ ایک قومی آہ ہے جو سوتی قوم کو جگا سکتی ہے۔ اور ایک اسلامی روح ہے جو مَر و دل
مسلمانوں کو زندہ کر سکتی ہے۔ اس سفرنامہ کی قیمت دس روپے کھدار ہے جو اس کی خوبیوں کے
سامنے دس کورٹیوں کی برابر بھی نہیں ہے۔

حلقہ مشائخ نمک ڈلو۔ دہلی سے ملے گا





دوسفرنامے

ایک سفرنامہ ہندوستان۔ دوسرا سفرنامہ یورپ

سفرنامہ ہندوستان | حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی کا لکھا ہوا ہے جو ۱۹۰۶ء میں لکھا گیا تھا اور جس میں بمبئی، گجرات، کاٹھیاواڑ اور مندرومنات کی سیروسیاحت کے دلچسپ حالات ہیں اور جو کئی بار چھپ چکا ہے۔ پچانوے صفحے کی کتاب ہے۔ اور ہر جگہ مقبول ہے۔ قیمت بارہ آنے

سفرنامہ یورپ | مسٹری۔ ولی محمد مومن پرائیویٹ سکرٹری (و حال چیف سکرٹری) ریاست ماناؤ کاٹھیاواڑ نے ۱۹۲۲ء میں یورپ کا سفر کیا تھا۔ اور نہایت دلچسپ انداز میں سفر نامہ لکھا تھا جس کو حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب نے اپنے دیباچہ کے ساتھ شائع کیا ہے۔

یہ سفرنامہ ۲۸۴ (دو سو چوراسی) صفحہ کا ہے۔ ٹائٹل رنگین ہے۔ لکھائی، چھپائی، کاغذ عمدہ ہے، اور طرزِ تحریر حضرت خواجہ صاحب سے ملتا ہوا ہے۔ کیونکہ مومن صاحب گجراتی زبان کے مشہور مصنف ہیں اور اب تک ان کی پچاس ساٹھ کتابیں گجراتی زبان میں شائع ہو چکی ہیں جو گجرات اور کاٹھیاواڑ میں بہت پسند کی گئی ہیں۔

مومن صاحب نے یہ سفرنامہ ایسے انداز سے لکھا ہے کہ یورپ کی تمام زندگی پڑھنے والے کی آنکھوں کے سامنے آ جاتی ہے اور جگہ جگہ ظرافت اور خوش طبعی کی چاشنی پائی جاتی ہے۔

ملنے کا پتلا :- حلقہ مشائخ بک ڈپو۔ دھولے